MAY 2010

ماہنامہ

حنا

www.pkdigest.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد	سیماب جنگ	7
نعت	حمید صدیقی	7
پیارے نبی کی پیاری باتیں	سید اختر ناز	8

مکمل ناول

کاجل سے خفا آنکھیں	فوزیہ غزل	48
عوزہ	قرۃ العین رائے	128
کبھی چاہتیں میرے نام کر	مدیحہ تبسم	204

انشاء نامہ

بچھڑ جائے رخصت کر	ابن انشاء	13

ناول

میرے ساحر سے کہو	ام مریم	18
بپا سا دشت	فرحت شوکت	188

انٹرویو

عاطف اسلم سے ملاقات	عبداللہ	15

ناولٹ

ان کار جنوں میں	سندس جبیں	90

چودھری سردار محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''حنا'' 205 سرکلر روڈ سے شائع کیا۔ خط و کتابت کا پتہ 207 سرکلر روڈ محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور

فون نمبر 37321690-37310797 ای میل lhracd@hotmail.com

افسانے

سبز رتوں کے ساتھی	صائمہ نور	32
وہ اک شام	لبنیٰ غزل	119
کبھی یاد آؤں تو اس طرح	راحیلہ ریحان	171

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ	فرزانہ سلیم	241
بیاض	تسنیم طاہر	243
رنگ حنا	بلقیس بھٹی	245
میری ڈائری سے	فرزانہ سلیم	247
حنا کی محفل	عین غین	249
خبرنامہ	عبداللہ	252
کس قیامت کے یہ نامے	فوزیہ شفیق	255

www.pkdigest.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! مئی 2010ء کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اگرچہ آج کی دنیا بڑی تیزی سے تبدیلی کی جانب بڑھ رہی ہے، لیکن جیسے جیسے ہم ترقی کرتے جا رہے ہیں، ویسے ویسے مسائل کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، ہر شخص انتشار کا شکار ہے، اس کی ایک بڑی وجہ حقوق و فرائض سے روگردانی، نفسا نفسی، خود غرضی اور ہمارے سماجی رویے ہیں، رویہ، انفرادی طور پر کسی فرد کا ہو یا اجتماعی طور پر کسی قوم کا، اس کا اثر ہونا یقینی بات ہے۔

اگر ہمارے سماجی رویے مثبت ہوں، ان میں ایثار و قربانی کا جذبہ، محبت و احترام کی کارفرمائی ہو تو وہ پر خلوص معاشرے کی تکمیل میں اہم ثابت ہو سکتا ہے۔

ایک دوسرے کے دکھ سکھ کو سمجھیں، سب انسانوں کو ایک جیسا اور برابر سمجھیں اور زندگی میں ان اصولوں پر عمل کریں تو نا صرف زندگی سہل ہو جائے گی بلکہ آپ دلی طور پر بھی مطمئن رہیں گے۔

آہ محمود ریاض جب بھی مئی کا مہینہ شروع ہوتا ہے، دل کو ایک ٹھیس سی لگتی ہے کہ مئی کی دس تاریخ پھر سے قریب آ رہی ہے، جب میرا بھائی میرا دوست محمود ریاض ہم سب کو اور اپنے چاہنے والوں کو اداس چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا تھا اس سال مئی کی دس تاریخ کو نویں برسی منائی جا رہی ہے میری تمام قارئین سے التماس ہے کہ وہ ان کے ایصال ثواب کے لیے دعا کریں۔

اس شمارے میں گلوکار عاطف اسلم سے ملاقات، فوزیہ غزل، مدیحہ تبسم اور قرۃ العین کے مکمل ناول سندس جبیں کا ناولٹ، راحیلہ ریحان، لبنیٰ غزل اور صالحہ نور کے افسانے، ام مریم اور فرحت شوکت کے مکمل ناول کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آراء کا منتظر

سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

دل میں رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع مجمع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت ہے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں اپنوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ، وگرنہ سب میں ہے اس کے جمال کا

[illegible] کا [illegible] کیاں [illegible] گر تجھ
[illegible] اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر

نعت رسول مقبول ﷺ

ہے تیری ذات میں اسوہ سب کے لئے
تو ہ اسوۂ حسن تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے ختم الرسل تو ہے خیر البشر
تو ہے نور البشر تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شفیع الامم تو ہے بحر کرم
تو ہے ابر کرم تجھ پہ لاکھوں سلام

تو امام الرسل ہر دو ارض و سماء
تو حبیب خدا تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شہر علم تو ہے فخر البشر
تو ہے بحر سخا، تجھ پہ لاکھوں سلام

کیوں نہ تجھ پہ فدا ہو دل و جاں مری
تو ہے جان منیر تجھ پہ لاکھوں سلام

منیر عالم

www.pkdigest.com

ان کے پاس آئے' حضرت عائشہؓ نے کھانا منگوایا اور فرمانے لگیں کہ "جب سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں تو مجھے رونا آتا ہے۔" انہوں نے پوچھا کہ "کیوں؟" حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ "مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آجاتا ہے کہ جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے' خدا گواہ ہے کہ کبھی ایک دن میں دو بار سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی اور بعض دفعہ گھر میں پورا مہینہ آگ نہیں جلتی تھی اور ہم صرف کھجوروں اور پانی پر گزارا کرتے تھے۔

یہ دعا کرتے

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے پالان پر حج کیا اور اس پالان پر ایک کملی تھی جو چار درہم سے بہت ہی معمولی قیمت کی بھی نہ تھی۔ اس پر بھی یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اس کو ایسا حج (مبرور) بنا جس میں نمائش اور قصد شہرت نہ ہو۔

تیس دن رات

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک بار مجھ پر تیس دن رات اس حالت میں گزرے کہ میرے پاس کوئی کھانے کی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے' سوائے اتنی قلیل مقدار کے جو بلال بغل میں دبائے رہتے تھے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی صبح یا شام کا کھانا جمع نہیں ہوا کہ کھانے سے کھانے والے بھی زیادہ ہوئے۔

مستقل مزاج اور قوی القلب

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ "جب لڑائی شدت کی ہوتی تھی اور جوش و محنت سے آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیتے تھے اور ہم میں سے کوئی آدمی دشمن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب نہ ہوتا تھا اور میں نے جنگ بدر میں اپنے آپ کو دیکھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن سب سے زیادہ مستقل مزاج اور قوی القلب تھے۔"

مکمل نمونہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لحاظ سے رضائے الٰہی کے حصول کا مکمل نمونہ پیش کیا۔ بحیثیت ایک قانون ساز' بحیثیت ایک ماہر معاشیات و اقتصادیات' بحیثیت ایک جج' بحیثیت ایک کمانڈر انچیف' بحیثیت ایک معلم اخلاق' بحیثیت ایک مصلح معاشرہ' غرض کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قائدانہ صلاحیتیں اس مقام پر ہیں کہ انسانیت اپنی تکمیل کے لیے ہر وقت انہیں کمال کی انتہائی بلندیوں پر دیکھے گی بلکہ مقام نبوتؐ کی وسعتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسانی ترقی کے لیے دامن کھلا رکھیں گی۔

نہ آج تک

چودہ سو برس کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی انسانی زندگی کے لیے اس سے بہتر سانچہ نہ آج تک تیار ہو سکا نہ آئندہ ہو سکتا ہے اور حیرت انگیز تماشا یہ ہے کہ زمانہ کے انقلابات نے ہزاروں کروٹیں بدلیں' طبیعتوں اور مزاجوں کے پیمانے بنتے اور بگڑتے رہے' خطہ ارضی مختلف رنگ و روپ' مختلف تہذیب و تمدن اور مختلف انداز معاشرت میں تقسیم ہوتا رہا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا زندگی سب کو راس آئی۔ سب کی ضرورتوں کی کفیل ہوئی' سب کے لیے سازگار رہی اور اپنی رہنمائی میں سب کو زندگی کی منزل مقصود تک پہنچا آئی۔ ایک گداسے لے کر بادشاہ تک' سپاہی سے لے کر سالار تک' عورت سے لے کر مرد تک' بچے سے لے کر بوڑھے تک' غلام سے لے کر آقا تک' عربی سے لے کر عجمی تک' دیہاتی سے لے کر شہری تک اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب ہی اپنی اپنی جگہ یہ سمجھتے رہے کہ زندگی کا پیمانہ میرے ہی لیے تراشا گیا۔

ضمیر چٹکیاں لینے لگتا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی جو صدا لگائی تھی' اس سے دنیا کا کوئی مذہب' کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا۔ جب دنیا توحید کی حقیقت اور انسان اپنے اصل مقام سے آگاہ ہوا۔ اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا۔ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم و یقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھا دی جس میں لاکھ پولیس' ہزاروں عدالتوں اور سینکڑوں

حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے۔ یعنی ضمیر کی طاقت' نیکی کی رغبت' گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتسابی۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابیؓ جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ وہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے ہیں۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو پاک کر دیجیے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق و مبارک دوسری طرف کر لیتے ہیں۔ وہ اسی طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق کرواتے ہیں' ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں۔ جب معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سزا دلواتے ہیں۔

سات دینار

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اداس اور غمگین گھر تشریف لائے۔ میں نے سبب دریافت کیا۔ فرمایا "ام سلمہ! کل جو سات دینار آئے تھے' شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔"

پانی کے سوا اور کچھ نہیں

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور بولا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھوک سے بے تاب ہوں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کے ہاں کہلایا۔ "کھانے کے لیے جو کچھ موجود ہو بھیج دو۔"

جواب آیا۔ "اس خدا کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ یہاں تو پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بیوی کے ہاں معلوم کیا تو وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کر کے اپنے تمام گھروں سے پتہ کیا تو سب کے ہاں سے اسی طرح کا جواب آیا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ "آج رات کے لیے اس مہمان کو کون قبول کرتا ہے؟" ایک انصاری نے کہا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں قبول کرتا ہوں۔" یہ انصاری ان کو اپنے گھر لے گئے اور گھر جا کر بیوی کو بتایا۔ "میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں' ان کی خاطر داری کرو۔" بیوی نے کہا "اس وقت تو گھر میں صرف بچوں کے لیے کھانا ہے۔" "صحابی نے کہا۔" بچوں کو کسی طرح بلا کر سلا دو اور جب مہمان کے سامنے کھانا رکھو تو کسی بہانے چراغ بجھا دینا اور کھانے پر مہمان کے ساتھ بیٹھ جانا تاکہ اس کو یہ محسوس ہو کہ ہم بھی کھانے میں شریک ہیں۔"

اس طرح مہمان نے تو پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور گھر والوں نے ساری رات فاقے سے گزاری۔ صبح جب صحابیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا۔ "تم دونوں نے رات مہمان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا' وہ خدا کو بہت ہی پسند آیا۔"

انسان ہو فرشتہ نہیں

ایک مرتبہ ایک صحابی نے اپنے رنج و افسوس کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔

"جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتا ہوں۔ تو میرا اخلاقی رنگ نہایت بلند و برتر رہتا ہے۔ بلند افکار و خیالات میرے ذہن و شعور میں جاری اور ساری رہتے ہیں لیکن جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہتا ہوں تو میری اخلاقی سطح یکایک پست ہو جاتی ہے۔ میں اپنی حالت پر کس قدر افسوس کرتا ہوں۔"

اس کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم کو مایوس اور پست ہمت نہ ہونا چاہیے۔ تم انسان ہو' فرشتہ نہیں ہو۔ اگر خدا یہ چاہتا کہ دنیا کو ایسی ہستیوں سے آباد کرے جو اخلاقی کشمکش سے آزاد ہوں تو وہ فرشتوں کو یہاں بسا تا لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا' تمہاری اخلاقی پشیمانی اور بلندی و پستی کا احساس ایمان کی علامت

رحمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت پر ایک بڑا کرم یہ کیا کہ ملکوں' قوموں اور قبائل میں بٹی ہوئی انسانیت کو "وحدت آدمیت" کا سبق دیا اور رنگ و نسل' وطن و قوم' امیر و غریب' سرمایہ دار' مزدور' زمیندار و کسان اور دیگر انسانی عصبیتوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو اخوت کا ایسا پیغام دیا کہ جس کے اپنا لینے کے بعد دنیا

www.pkdigest.com

امن و چین، محبت و الفت، بھائی چارہ اور ہمدردی کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ علاقائی اور ملکی یا عالمی جنگیں ہوں یا طبقاتی جھگڑے، سب ختم ہو جاتے ہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی اقوام متحدہ قوموں کے اتحاد کا نشان ہے لیکن وحدتِ انسانی کا نظریہ رحمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عطیہ ہے، جس سے پوری نسلِ انسانی جسمِ واحد کی طرح بن جاتی ہے اور حسد و منافرت، تعصب اور غضب کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ "آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔"

عرب و عجم کے حکمران

ابتدائی دورِ کشمکش میں ایک موقع پر قریش کے وفد سے گفتگو کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بس وہ ایک کلمہ ہے۔ لا الٰہ الا اللہ!

اسے اگر مجھ سے قبول کر لو تو اس کے ذریعے تم سارے عرب کو زیرِ نگیں کر لو گے اور سارا عجم تمہارا باجگزار ہو جائے گا۔"

میلوں اور حج کے موقعوں پر قبائل کے کیمپوں میں جا جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات دہرائی، ہر سردار قبیلہ سے کہی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سلسلے میں "عرب و عجم کے اقتدار" کا چرچا اتنا ہو گیا تھا جیسے کہ وہ دعوتِ اسلامی کا نعرہ ہو۔ بچے بچے کی زبان پر یہ بات رہتی تھی۔ حتیٰ کہ مخالفین نے اسی کو بنیاد بنا لیا تھا۔ اسلام کے سائے میں جو غلام اور غریب طبقوں کے

نوجوان آ کے جمع ہو رہے تھے اور جن کو قریش تشدد کے کولہو میں پیل رہے تھے، ان کو دیکھتے تو اشارے کر کر کے طنزاً "کہتے کہ واہ کیا کہنے ہیں ان ہستیوں کے۔

"یہ ہیں جو عرب و عجم کے حکمران اور سردار بننے والے ہیں۔"

یہ فاقہ کش غریب اور مفلس عرب، جو اپنے ملک کے خاص حالات کے لحاظ سے ایامِ جاہلیت میں معاشی حیثیت سے انتہائی سخت کوششوں کا شکار بنا ہوا تھا۔

آرام و آسائش کی زندگی کا ذکر کیا ہے، ضروری معاشی رسد کی تکمیل میں بھی ان کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ساری عمر عرب کے چٹیل ریگستانی اور پتھریلے صحراؤں میں بے چارے صرف اس لیے دوڑتے پھرتے تھے کہ دو وقت کی سوکھی روٹی مل جائے اور وہ بھی بڑی مشکل سے میسر آتی ہے لیکن ایک کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" نے ایک طرف ان کی پوشیدہ قوتوں اور فکری صلاحیتوں میں یہ طوفان برپا کیا۔ دوسری طرف بیس سال کی مدت میں جسمانی اور معاشی تقاضوں کے لیے رسد کا ایک ایسا سمندر ان کی اس غیر آباد اور بہت کم آبادی والے ملک میں ٹھاٹھیں مارنے لگا کہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی نظیر بھی عرب کے آسمانوں نے نہ اس سے پہلے دیکھی تھی اور نہ آج تک پھر وہ منظر دیکھنا اسے نصیب ہوا۔

'کسریٰ کے خزانے'، 'مصر اور شام کی بے پناہ دولت'، سونے، بیش قیمت ہیرے و جواہرات کے انبار اور کسریٰ کا وہ مرصع تاج جو اپنے قیمتی اور وزنی ہیروں کی وجہ سے بجائے سر پر رکھنے کے زنجیر سے لٹکا دیا جاتا اور ایران کا بادشاہ اسی میں اپنا سر داخل کرتا تھا۔ مدینہ میں جو مسجد کھجوروں کے تنے پر کھڑی تھی اس میں آگے پیچھے یہ سب کچھ ہر طرف سے چلا آ رہا تھا۔ خود ملک کی رسد کا یہ حال تھا کہ ایک بار قحط میں حضرت عمرؓ نے مصر کے والی عمرو بن العاص کو غلہ بھیجنے کے لیے جب لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ "اونٹوں کی قطار غلہ سے لاد کر پایۂ تختِ خلافت میں بھیجتا ہوں۔ جس کا پہلا اونٹ مدینہ میں ہو گا اور آخری اونٹ کی دم میرے ہاتھ میں ہو گی۔" دس پندرہ سال کے عرصے میں حجاز، یمن، یمامہ، بحرین، عراق، شام اور مصر کے لاکھوں مربع میل کے جو علاقے فتح ہوئے۔ جن میں سوائے حجاز کے تقریباً "اکثر حصہ ثروت و دولت کا بے پناہ سرچشمہ تھا۔ مصر سے پہلا خط عمرو بن العاصؓ کا حضرت عمرؓ کے نام آیا تھا

"کہ ایسی زمین پر خدا نے قبضہ دلایا ہے جو اچانک موتی کی طرح سفید اور پھر عنبر کی مانند سیاہ اور اس کے بعد ہیرے کی مانند سرسبز ہو جاتی ہے۔"

www.pkdigest.com

کچھ دے اسے رخصت کر

ابنِ انشا

کچھ دے اِسے رخصت کر کیوں آنکھ جھکالی ہے
ہاں دَر پہ ترے مولا! اِنشا بھی سوالی ہے

اِس بات پہ کیوں اس کی اِتنا بھی حجاب آئے
فریاد سے بے بہرہ کشکول سے خالی ہے

شاعر ہے تو ادنیٰ ہے عاشق ہے تو رسوا ہے
کِس بات میں اچھا ہے کِس وصف میں عالی ہے؟

کِس دین کا مُرشد ہے، کِس کیش کا مُوبد ہے
کِس شہر کا شحنہ ہے، کِس دیس کا والی ہے؟

تعظیم کو اُٹھتے ہیں اس واسطے دل والے
حضرت نے مشیخت کی اک طرح نکالی ہے

آوارہ و سرگرداں، کفنی بہ گلو پیچاں
داماں بھی دریدہ ہے، گدڑی بھی سنبھالی ہے

آوارہ ہے راہوں میں، دُنیا کی نگاہوں میں
عزت بھی مثالی ہے، تمکیں بھی گنوالی ہے

آداب سے بیگانہ، در آیا ہے دیوانہ
نے ہاتھ میں تحفہ ہے، نے ساتھ میں ڈالی ہے

بخشش میں تامل ہے اور آنکھ جھکالی ہے
کچھ دَر پہ ترے مولا، یہ بات نرالی ہے
اِنشا کو بھی رخصت کر، اِنشا کو بھی کچھ دے دے
اِنشا سے ہزاروں ہیں، اِنشا بھی سوالی ہے

☆☆☆

عاطف اسلم سے ملاقات

عبداللہ

www.pkdigest.com

"عاطف اسلم" ایک نام..... ایک سنگر..... پرائیڈ آف فارمنس جس نے آج کل بالی ووڈ کی فلموں میں اپنی آواز سے وطن عزیز کا نام کافی مشہور کیا ہے۔ آج کوئی فلم عاطف اسلم کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ "ریس، عجب پریم کی غضب کہانی، قسمت کنکشن، مائی نیم از خان" وغیرہ جیسی فلموں میں عاطف اسلم نے اپنی آواز سے بھارتی فلموں کو دنیا بھر میں ایک نئی پہچان دی ہے آج عاطف پاکستان کا موسٹ پاپولر آرٹسٹ بلکہ ان کا شمار مصروف ترین سنگر میں ہوتا ہے لگ وائیز (شکل وصورت) کے حوالے سے آصف عاطف کی شخصیت کسی ہیرو سے کم نہیں انہیں حال ہی میں بھارت کے متعدد فلم میکرز نے بطور ہیرو فلموں میں اداکاری کی آفر کی ہے جس کا فی الحال عاطف نے منع کیا ہے۔ اس کی تمام تر توجہ فی الحال گائیکی کی طرف ہے۔ ہم آج "حنا" کے قارئین کی خصوصی فرمائش پر "عاطف اسلم" کا ایک مختصر انٹرویو پیش کر رہے ہیں جو یقیناً اس امید کے ساتھ عاطف کے فین زاس مختصر انٹرویو کو ضرور انجوائے کریں گے۔

☆ عاطف اسلم یہ کسی بینڈ کا نام ہے دو شخصیات ہیں یا ایک نام ہے؟

○ عاطف میرا اور مائی فادر نیم اسلم..... اور یہ کسی بینڈ کا نام نہیں ہے۔

☆ آپ آج کل بھارتی فلموں کی ضرورت بن گئے۔ آج بھارت کا کوئی فلمی موسیقار آپ کے بغیر فلم بنانے کا سوچ نہیں سکتا ہے کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟

○ بالکل خوش ہوں..... مجھے یقین نہیں تھا کہ میں محض ایک "ریس" فلم کے گانے سے پاپولر سنگر بن جاؤں گا۔

☆ کیا اس سے قبل آپ پاکستان میں پاپولر سنگر نہیں تھے؟

O آف کورس۔ میں یہ نہیں کہتا..... میں پاپولر نہیں تھا..... میں بالکل ایک اسٹیج کونسیٹ آرٹسٹ تھا اور پاکستان کے علاوہ امریکہ، یو اے ای، یو کے، کینیڈا میں میری پہچان پاکستانی تھی۔ مگر بھارتی فلموں کی گائیکی کے بعد میری شہرت میں مزید اضافہ کیا ہے۔

☆ آپ کے دوست، فیملیز میں بھارتی فلموں میں گانوں سے خوش ہیں جبکہ وہ ہمارا حریف ملک ہے جو ہر معاملے میں ہم سے حسد کرتا ہے؟

O جی نہیں! میرے حلقہ احباب سے میری بھارتی فلموں کی مقبولیت سے کافی خوش ہیں اور بات رہی دونوں ملکوں کی دشمنی اور حسد کی ہم فنکار اس دشمنی کو امن دوستی میں تبدیل کرنے میں اپنا پارٹ پلے کر رہے ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ اب برف پگھل رہی ہے اب بھارتی فلمیں پاکستانی سنیما گھروں میں ہر ہفتے نمائش کے لئے پیش کی جارہی ہیں۔

☆ آپ جب بھارتی فلموں میں گائیکی کررہے ہیں ..... آپ سے بھارتی سنگرز جیلس تو نہیں ہیں؟

O جی نہیں ایسی بات نہیں ہے سب مجھ سے پیار کرتے ہیں۔

☆ مگر سنا ہے آپ نے سونو نگم جیسے سنگرز کی چھٹی کردی۔

O ایسی بات نہیں ہے سونو مجھ سے اچھا گاتا ہے وہ آج بھی گا رہا ہے میں نے کسی کی چھٹی نہیں کی ہے..... دراصل بھارت کی فلم انڈسٹری بہت بڑی ہے سنگرز کے لئے کام بہت ہے۔

☆ مگر ہمارے عاطف نے اس بڑی انڈسٹری میں اپنا نام روشن ملک پاکستان کا وقار بلند کیا ہے؟

O مجھے خوشی ہے کہ حکومت پاکستان نے سرکاری سطح پر میری جو پذیرائی کی ہے مجھے پرائیڈ آف پرفارمنس سے نوازا میں نے اس کا حق ادا کردیا آج عاطف اسلم کو نہیں میرے ملک کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

☆ بھارت میں پاکستانی ایکٹر کے علاوہ جو پاکستانی آرٹسٹوں کی حمایت کرتا ہے ان کو دھمکی دی جاتی ہے جس طرح شکیل صدیقی کے ساتھ انہوں نے کیا۔

اس کے بعد شاہ رخ خان، مہیش بھٹ کو محض اس لئے دھمکی دی گئی کہ انہوں نے پاکستان آرٹسٹوں، سنگرز کی حمایت کی تھی۔ آپ کے ساتھ کسی نے اس طرح کی دھمکی یا ناروا سلوک تو نہیں کیا؟

O دیکھئے..... اچھے اور برے لوگ ہر جگہ موجود ہیں اور شکیل بھائی کے ساتھ ایک تعصب پسند تنظیم نے جو کیا اس کی معافی بالی ووڈ اور ٹی وی والوں نے مانگی اور شاہ رخ خان کو بال ٹھاکرے نے دھمکی دی اس کے باوجود سب نے ''مائی نیم از خان'' کی کامیابی دیکھ کر اندازہ لگایا کہ عوام شاہ رخ خان کے ساتھ ہیں۔

☆ آپ کو کرکٹ سے دلچسپی ہے؟

O یس کھیلنے کے لیے اب ٹائم نہیں ملتا..... مگر ٹائم ملا تو دیکھنا ضرور رہوں۔

☆ جس طرح آج کل IPL کرکٹ ہورہی ہے اور پاکستان کے کھلاڑی محض ایک سازش کے تحت موجود نہیں ہے کیا اپ کو دکھ ہوا؟

O سچ بتاؤں..... مجھے یار IPL اس لئے پسند نہیں کہ اس میں ہمارے پاکستانی اسٹارز شامل نہیں ہیں اور شاہ رخ خان، پریتی زنٹا بھارتی فلم اسٹار، کرکٹر، ٹی وی، ماڈل اس یار IPL سے ماپوس ہیں اور انویسٹمنٹ کرنے والے ادارے کو کافی نقصان ہوا اس کی وجہ پاکستان کرکٹر کو شامل نہیں کیا گیا جس کا مجھے دل سے دکھ ہوا ہے۔

☆ آپ کو کسی پاکستانی فلم پروڈیوسرز نے اپنی فلم میں چانس کیوں نہیں دیا؟

O یہ آپ پاکستانی فلم میکرز سے سوال کریں..... میں خود جانے سے رہا۔

☆ اب آپ بھارتی فلموں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرچکے ہیں کیا آپ کو پاکستانی فلمیں آفرز ہوئیں؟

O پاکستان میں اب فلمیں نہیں بن رہیں ہیں مگر سنا ہے کہ کچھ لوگ جن میں شان، ہمایوں سعید اور شعیب منصور شامل ہیں وہ فلمیں بنانے کی تیاریوں میں مصروف عمل ہیں اور مجھے انہوں نے گائیکی کی

آفر کی ہے اگر میوزک اور فلم پروڈکشن بین الاقوامی انداز کا لگا ضرور کروں گا۔

☆ آپ کے حوالے سے مشہور ہے کہ شعیب منصور نے ''خدا کے لیے'' کے بعد اپنی سیکنڈ مووی شروع کی ہے اور آپ کو ہیرو کے لیے منتخب کیا گیا ہے کیا آپ کو اب اداکاری کا شوق ہے۔

O جی ہاں! اداکاری کا شوق ہے مجھے ہیرو شعیب بھائی نے فلم آفر کی ہے اس کے بارے میں فی الحال سوچ رہا ہوں کیونکہ میں اچھا سنگرز ضرور ہوں مگر اداکار نہیں..... اس لئے بھارت مجھے بے شمار فلم میکرز نے آفرز دی مگر میں نے وہ آفر قبول نہیں کی کہ دو کشتیوں کا مسافر ڈوب جاتا ہے جس کی مثال سونو نگم اور رمیش ہیں جو فلموں میں چل نہیں سکے۔

☆ آپ کے پاس اس وقت کتنی بھارتی فلمیں ہیں جن میں آپ کے گانے آپ کے فین زکو عاطف نئے گائیکی کے انداز میں نظر آئیں گے۔

O آپ کو تقریباً ہر اچھی کاسٹ کریڈٹ کی فلم میں میری آواز سننے کو ملے گی۔

اس کے ساتھ ہم نے عاطف سے اجازت چاہی اس وعدے کے ساتھ کہ ان کو جیسے ہی وقت ملا وہ حنا کے لیے ایک تفصیلی انٹرویو دیں گے۔

☆☆☆

www.pkdigest.com

"آپ کی یہ خود اعتمادی مجھے اچھی لگی ہے نگین اس سے میں اندازہ کر پایا ہوں کہ آپ نے عقل مندی کا دامن تھاما ہے اور اپنے مستقبل کے حوالے سے بہتر فیصلہ کر لیا ہے۔ میں آپ کے اگلے قدم کا منتظر رہوں گا۔ وعدے کی پاسداری میں آپ مجھے انشاء اللہ مضبوط پائیں گی۔" انہوں نے جتنی سنجیدگی اور متانت سے کہا تھا اتنی ہی شدتوں سے نگین کا وجود لرز کر رہ گیا تھا۔ اس کی حیرت کی زیادتی سے پھٹ جانے والی آنکھیں اس کے اضطراب اور الجھن کی واضح غماز تھیں۔

"کیا۔ کیا مطلب؟ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹی اور سہارے کو دیوار تھامنی چاہی۔ مگر وہ یہ سہارا لینے میں کامیاب نہیں ہو پائی۔ انجانے خدشات کی یلغار سے پتے کی طرح لرزتا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

"نگین۔" داؤد حسن خاں نے اس کی خطرناک حد تک زرد پڑنے والی رنگت اور لہرا کر گرتے وجود کو دیکھتے ہوئے بے اختیار چیخ کر اسے آواز دی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ دروازے سے وہاں تک کا فاصلہ سمیٹ کر اس تک پہنچتے وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔ داؤد حسن خاں کے حواس جیسے یکلخت کام کرنا چھوڑ گئے۔

☆.....☆.....☆

بھلے دنوں کی بات ہے بھلی سی ایک شکل تھی
نہ یہ کہ حسن تام ہو نہ دیکھنے میں عام
نہ یہ کہ وہ چلے تو کہکشاں سی رہگزر لگے
مگر وہ ساتھ ہو تو پھر بھلا بھلا سفر لگے
کوئی بھی رت ہو اس کی چھب فضا کا رنگ و روپ تھی
وہ گرمیوں کی چھاؤں تھی وہ سردیوں کی دھوپ تھی
نہ مدتوں جدا رہے ساتھ نہ صبح و شام ہو
رشتہ وفا پہ ضد نہ یہ کہ اذن عام ہو
نہ ایسی خواہشیں لبا سیاں کہ سادگی گلہ کرے
نہ اتنی بے تکلفی کہ آئینہ حیا کرے
نہ اختلاط میں دوام
نہ اس قدر سپردگی کہ زچ کریں نوازشیں
نہ عاشقی جنون کی کہ زندگی عذاب ہو
نہ اسقدر کٹھور پن کہ دوستی خراب ہو
کبھی تو بات بھی خفی کبھی سکوت بھی سخن
کبھی تو کشت زعفران کبھی اداسیوں کا بن

"یہ تم میری شان میں قصیدہ پڑھ رہے ہو۔ یا رابیل کی خوبیاں گنوا رہے ہو؟" خاصی دیر سے ضبط کئے بیٹھی روحینہ نے سلگ کر استفسار کیا تھا۔

"نیور مائنڈ تم کچھ بھی سمجھ لو۔" اس نے دبکی کا ایک بڑا گھونٹ بھرا۔ یہ اضطراب، یہ بے کلی اور بڑھتی جنون خیزی سے بچاؤ کی ایک حل اسے سمجھ میں آیا تھا اور وہ اس سے حالات سے، خود سے فرار ڈھونڈ رہا تھا۔

"بہت خفا ہے شمرانہ لیکن میں نے اسے پھر بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ دراصل شہریار تم اسے بائی فیس اٹریکٹو لگے ہو میں نے محسوس کیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے کل شام کا وقت دیا ہے پلیز اب کوئی گڑبڑ مت کر دینا۔" روحینہ نے جیسے عاجز ہو کر کہا۔ شہریار نے خالی جام کارپٹ پر لڑھکایا اور کشن کھینچ کر سر کے نیچے رکھتا ہوا وہیں لیٹ گیا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"ہاسپٹلز میں بھی پتہ کیا تمام رفاہی اداروں میں بھی۔ وہ کہیں نہیں ملی۔ روحا ڈیئر وہ کہاں چلی گئی ہے؟" اس کی آواز پر خفا چھا رہا تھا۔ لہجہ لڑکھڑاہٹ کا شکار ہو کر مزید بوجھل ہونے لگا۔ روحینہ نے سنا تھا اور ماتھے پر تیوریاں سجا لیں۔

"بھاڑ میں جائے وہ اور تم بھی، لعنت ہے مجھ پر کہ یہاں تمہارے ساتھ سر پھوڑنے آجاتی ہوں۔" وہ جلتی بھنتی اٹھ کر چلی گئی۔

"تم خفا ہو گئی ہو مجھ سے رابیل پلیز خفا مت ہو آجاؤ میں تمہیں منالوں گا ویسے ہی جیسے اس روز منایا تھا ہاں۔" اس کے دل جیسے سسکاری سی بھری اور ذہن نے اس خوشگوار لمحے کو کھوجا تھا۔

رابیل کی اس سے ناراضگی کوئی نئی بات نہیں تھی وہ اس کی حرکات کے باعث زیادہ تر خفا ہی رہا کرتی تھی۔ اس روز اس کی ناراضگی کی وجہ کیا تھی۔ وہ سوچنے کے باوجود نہیں یاد کر پایا۔ البتہ اسے چھیڑنے کا انداز یاد تھا اور اس کے جواب میں رابیل کی رسپانس بھی۔

اس روز موسم خاصا خوبصورت اور دل فریب تھا۔ آسمان سیاہ بدلیوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ٹھنڈی ہوائیں بڑی طمانیت کا احساس بخش رہی تھیں۔ ایک مقصد کو نکالنے کے بعد دوسرا مقصد حل کرنے کو وہ پہلے سے خفا رابیل کو بڑے جتن کر کے بھی منانے میں کسی قسم کی شرمندگی محسوس نہیں کیا کرتا تھا۔ رابیل اپنے بیڈ روم سے نکل کر اپنے دھیان میں بالائی منزل پر جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب جاتی اسے نظر آئی تھی۔ وہ اس کے انتظار میں لاؤنج میں صوفے پر کشن منہ پر رکھے لیٹا ہوا تھا۔

"کچھ لوگ روٹھ کر بھی کتنے پیارے لگتے ہیں۔" گنگناتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور ٹیبل سے ایک کارڈ اٹھاتے ہوئے یونہی دوڑتا گاتا ہوا اس سے اوپر والی سیڑھی پر رک کر گویا اس کا راستہ روک کر کھڑا ہوتے بہت ہی مودبانہ انداز میں وہ کارڈ اس کی سمت بڑھایا تھا۔ رابیل نے اس کی اس حرکت کو نظر انداز کیا اور ماتھے پر ناگواری کی شکنیں لیے برہمی سے بولی تھی۔

"ہٹو میرے راستے سے۔"

"ہٹ جائیں گے میم پہلے یہ تو لے لیجئے۔"

"واٹ از دس۔" وہ کرخت بھری جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی۔

"آئی ایم سوری کا کارڈ ہے۔" ہنوز اس وہ انداز میں دونوں ہاتھوں میں کارڈ بڑھاتے ہوئے تھا۔

"اس کی ضرورت تھی؟" رابیل نے ابرو چڑھا کر خاصے طنز سے کہا۔

"آف کورس مجھے گلٹی فیل ہو رہا تھا رابیل یو نو ویٹ تمہیں خفا کر کے میں خود سکون سے کہاں رہ سکتا ہوں دیکھ لو جبھی تو صبح دو گھنٹے لگا کر یہ کارڈ اتنی محنت سے خود بنایا ہے۔ اس کے باوجود کہ مجھے ڈرائنگ اتنی اچھی نہیں آتی اور زندگی اس پہلی بار کسی کے لیے بنائی ہے۔" وہ اس کے چہرے پر اڈتی ناگواری کے تاثر کو دیکھتا جلدی جلدی بول رہا تھا۔

"پلیز اسے دیکھ تو لو۔" وہ ملتجی ہوا تو رابیل نے کچھ کہنے بنا ہاتھ بڑھا کر کارڈ لے لیا اور پہلی نگاہ اس پر ڈالنے ہی اس کے چہرے پر نہ چاہتے ہوتے بھی مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔ نہایت بے تکے انداز میں پھول بوٹے بنا کر درمیان میں ایک کارٹون بنایا گیا تھا۔ جس نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں کو لگا رکھے تھے اور پیٹ پر لکھا تھا آئی ایم سوری کلرز کا استعمال بچگانہ اور ڈرائنگ اچھی خاصی بے تکی اور بے ڈھنگی تھی۔

www.pkdigest.com

"دیکھو تم ڈرائنگ مت دیکھو میرے احساسات و جذبات دیکھو حالانکہ بک اسٹالز پر آئی ایم سوری کے سینکڑوں کارڈز آسانی سے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں نے خود کاغذ اور کلرز کی مدد سے اسے خاصی محنت سے بنایا ہے۔ اس کا ہر رنگ پر انداز تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مجھے اپنے کیے پر کتنی شرمندگی ہے اور یہ کہ میرے نزدیک تمہاری کتنی زیادہ اہمیت ہے۔" اس کے لبوں کے گوشوں میں مچلتی مسکان کو دیکھا وہ حوصلہ پا کر کہہ رہا تھا۔

"اچھا ہے واقعی لیکن یہ والا کارٹون جو اس وقت میرے سامنے کھڑا ہے۔" رابیل نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوتے انگشت شہادت سے اس کی سمت اشارہ کیا تو شہریار کا ہنستا مسکراتا چہرا ایک دم لٹک سا گیا۔

"دیکھو اب لڑائی کا سگنل تمہاری جانب سے مل رہا ہے۔" شہریار نے احتجاجی انداز میں کہا۔

"جی نہیں میں لڑائی والی نہیں ہوں۔" رابیل نے کارڈ ہولے سے اس کے کاندھے پر مارا۔

"تو اس کا مطلب ناراضگی ختم اور دوستی اور محبت شروع۔" وہ فضا سازگار ہوتے دیکھ کر پٹڑی سے اترا۔

"شہریار۔" روحینہ نے آ کر اسے جھنجوڑنے کے ساتھ چیخ کے پکارا تھا۔

"کیا تکلیف ہے؟ تم ابھی گئی نہیں ہو۔" شہریار نے اٹھتے ہوئے غرا کر کہتے اسے گھورا۔

اتنا آسان نہیں ہے میری جان میرا تمہیں چھوڑنا اور تمہارا اس کام کو چھوڑنا سو بہتر ہوگا کہ اب تم خود ہی سنبھل جاؤ۔" وہ دھمکا رہی تھی وہ خائف نہ بھی ہوا ہو۔ البتہ خاموش رہا۔

☆......☆......☆

ہاں جاں کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش ہے لیکن کیا کیجئے
ہر راہ جو ادھر کو جاتی ہے مقتل سے گزر کر جاتی ہے

رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتا ہوا وہ ماہ نور کے انتظار میں ٹہل رہا تھا۔ نگاہ گاہے بگاہے ان سیڑھیوں کی سمت بھی اٹھ جاتی جہاں سے ماہ نور نیچے آنے والی تھی۔ بظاہر اخبار پڑھتے فاروق نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے شعر پڑھا۔ تو طارق گہرا سانس کھینچ کر اسے گھورتا صوفے پر اس کے برابر آ بیٹھا۔

"سواری بار بہادی کدھر جا رہی ہے۔" طارق کی سمت دیکھتے فاروق نے اخبار رول کر کے تھوڑی کے نیچے رکھا۔

"ماہ نور کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں یار سوچا پھپھو جانی سے ملواتا ہوا لے چلوں۔"

"اماں نے جانے دیا؟" وہ متحیر سا ہو کر بولا۔

"کہاں پھپھو جانی کے ہاں؟" طارق کی نگاہیں سوالیہ انداز میں اس پر اٹھی تھیں۔

"نہیں وہاں اسلام آباد۔" ہاں شاید ان کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو چلا ہے۔" وہ آہستگی سے کہتا جیسے تاسف کا شکار ہونے لگا۔

"ویسے بھائی تم نے بھابھی کے ساتھ واقعی زیادتی کی ہے۔"

"جانتا ہوں۔" طارق نے ٹھنڈا سانس کھینچا اس سے پہلے کہ دونوں مزید کوئی بات کرتے اماں اسے پکارتی وہیں چلی آئیں۔ پھر اسے وہاں دیکھ کر جیسے شکر کرتے ہوئے طنز سے بولی تھیں۔

"یہاں ہو میں سمجھی اب بھی بیوی کے گھٹنے سے لگے بیٹھے ہو گے۔" فاروق کی نگاہ طارق سے ملی لب بھینچے ہوئے ضبط کے مراحل طے کر رہا تھا۔

"سنو۔" وہ رازدارانہ انداز میں اس کی سمت جھکیں۔

"کتنا عرصہ ہوا تمہاری شادی کو؟"

"جی۔" طارق نے کچھ الجھ کر انہیں دیکھا جبکہ فاروق کو شرارت سوجھ گئی تھی۔

"کونسی شادی؟"

"کتنی شادیاں ہیں اس کی۔" اماں نے ناگواری سے نتھنے پھلائے۔

"میں نکاح اور رخصتی کی بات کر رہا ہوں آدھی آدھی شادی ہوگی پھر بھی ادھوری ولیمہ ابھی تک کہیں راستے میں ہے۔" فاروق نے جیسے مذاق اڑایا تھا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے طارق۔" اماں نے فاروق کو گھور کر اسٹیچو کا دیا۔

"جی تین ماہ۔" طارق نے خاصے سے زیادہ اختصار سے کام لیا۔

"ابھی تک کوئی امید نہیں ہے۔ ایک ماں تھی اس کی شادی کے غالباً پہلے ہی مہینے پیر بھاری کر کے لوگوں کو بتا دیا تھا کوئی چاند چڑھا بیٹھی ہے۔" اماں کو ایک بار پھر موقع ملا تھا ماہ نور کے خلاف زہر اگلنے کا۔ ساتھ اس کی ماں کو بھی رگیدنا عین ضروری خیال کیا گیا تھا۔ طارق کا چہرا ایک دم غصے کے زیادتی سے سرخ ہوا۔ فاروق تو موضوع کی نزاکت کا خیال کرنے کے ساتھ ہی چپکے سے کھسک گیا تھا۔

"اس لیے تمہارے ساتھ بھجوا رہی ہوں اس نحوست اور نخرے کی پوٹ کو اپنے ہی پاس رکھ ارے بھئی جب تمہارا بھگتان ہے تو ہم کاہے کو بھگتیں۔ دن رات اس کلموہی کی شکل دیکھ دیکھ کر ماتو میری تو آنکھیں ہی خراب ہونے لگی ہیں۔" ان کے چہرے کے تاثرات ہی نہیں آنکھوں سے بھی تنفر و حقارت کی جیسے لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

www.pkdigest.com

"طارق ایک بات میری کان کھول کر سن لو۔ مجھے ایک سال سے پہلے پہلے پوتا چاہئے۔ ورنہ میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتی کہ میں اسے مزید برداشت کروں گی۔" ان کا ہتک آمیز انداز میں دیا گیا حکم طارق کو اچھی خاصی ناگواری بخش گیا تھا۔ بھینچے ہوئے لبوں کو مزید بھینچتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تو نگاہ سیڑھیوں کے سرے پر حقیر چرا لیے کھڑی ماہ نور سے جا ملی۔ جو نگاہوں کے اس تصادم پر فوراً سے پیشتر نگاہ کا زاویہ بدلتی بالکل نارمل انداز میں قدم اٹھاتی اس کے کچھ فاصلے پر آن رکی۔

"چلیں۔" طارق جو اس کی جانب سے شدید ردعمل کے خیال سے متفکر تھا بے اختیار جیسے پرسکون ہوا تھا۔

"ہاں۔ بالکل۔" اس نے قدم بڑھائے تھے کہ اماں کی پھنکار پر ایک بار پھر بدمزا ہو گیا۔

"یہ چھن ہیں تیری ہوتی سوتی کے ارے غضب خدا کا گھر کی بزرگ بڑی سامنے موجود ہے اور یہ چھدنی آ کر مٹک کر اس ذن مرید سے آنکھ مٹکا کے کہتی ہے چلیں یعنی میری کوئی حیثیت نہیں اس کی نظر میں۔" اماں نے چیخ چلا کر کہتے گویا لڑائی کا طبل بجایا۔ طارق نے ایک نظر سپاٹ چہرہ لیے بے نیازی ماہ نور کو دوسری شعلہ جوالہ نظر آتی اماں کو دیکھا اور ایک بار پھر انتہائی بے بس نظر آنے لگا۔ اماں کو دل کی بھڑاس نکالتے چھوڑ کر وہ ماہ نور کے پیچھے پورچ تک آیا تھا۔

"پھر کیا سوچا آپ نے؟" وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ تو طارق نے دروازہ بند کر کے جب خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تب ماہ نور نے اسی بے نیازی اور سکون سمیت اسے مخاطب کیا تھا جس کا مظاہرہ وہ اماں کے غصیلے موڈ کے دوران کر چکی تھی۔

"کس بارے میں۔" طارق نے اونگھتے ہوئے واچ مین کو جگانے کی غرض سے زور زور سے ہارن بجاتے ہوئے قدرے چونکتے اس کی شکل دیکھی۔

"جو آپ کی اماں کہہ رہی تھیں۔" ماہ نور نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سپاٹ آواز میں جواب دیا تو طارق کے اعصاب ایکدم کشیدگی کا شکار ہوئے تھے۔ اس کی جانب سے جواب کے انتظار سے مایوس ہوتی ماہ نور نے گردن موڑ کر اس کے بھینچے ہوئے لبوں کو دیکھا اور آگ بگولہ ہوگئی۔

"آئی ہیٹ یو مجھے تم جیسے بزدل مردوں سے شدید نفرت ہے۔ میں نے ساری زندگی اپنے باپ سے اسی لیے محبت نہیں کی کہ وہ ایک بزدل آدمی تھا اور میں ساری زندگی تم سے اسی لیے نفرت کروں گی کہ تم بھی ایک بزدل مرد ہو اور بزدل مردوں کو محبت کا کوئی حق نہیں ہونا چاہیے مگر دھڑلے دیکھو بزدل مرد جہاں اور کچھ نہیں کرتے محبت ضروری خیال کرتے ہیں۔ کیا فائدہ ایسے شیر جیسے جوان طاقت ور توانا وجود کا۔" اس نے ایک تنفر بھری نگاہ اس پر ڈالی اور زہر خند لہجے سے بولی تھی۔

"تو پھر ایسا ہے مسٹر طارق شیرازی کہ آپ اپنی والدہ محترمہ کو الٹی میٹم دے دیں کہ جو وہ کرنا چاہیں کرلیں اس لیے کہ مجھ سے ان کی ایک سال تو در کنار ایک سو سال کے انتظار کے بعد بھی یہ حسرت پوری نہیں ہوگی۔" اس درجہ سفاکی کے مظاہرے پر طارق نے بہت خاموشی مگر اسی قدر دکھ بھرے انداز میں اسے دیکھا تھا کہ ماہ نور نے جز بز ہوتے ہوئے نظریں چرالی تھیں۔ طارق نے جیسے تھک کر ایک گہرا سانس بھرا۔

"ٹھیک ہے...... جیسے تم اپنی مرضی کی مالک ہو ویسے ہی اماں بھی اپنے ارادوں میں خطرناک ہیں اور تم دونوں کے بیچ ایک میں ہوں۔ ایک ایسی لاچار کیفیت سمیت جس کی نہ تمہیں پرواہ ہے نہ اماں کو۔ وہ اپنی نفرت، تم اپنی انا میں قید ہو اس تصادم میں پسنے کے لیے میں ہوں تو ٹھیک ہے جو تم لوگوں کا جی چاہ رہا ہے کرو۔" اس نے کس قدر غصے میں کہا تھا اور گاڑی کی اسپیڈ کچھ اور بڑھا دی۔

☆......☆......☆

رستے کئی نکل پڑے منزل کے بعد بھی
لاحاصلی کی گرد ہے حاصل کے بعد بھی

www.pkdigest.com

وہ خاموش گم صم نیم جاں سی لیٹی تھی۔ ارد گرد سب چہروں پر پریشانی کے تاثرات لیے بیٹھے تھے۔ ایک صرف وہی نہیں تھے۔ جنہیں دیکھنے کی آنکھوں کو پل پل خواہش تھی۔ اس کے اندر گھٹن بتدریج گہری ہوتی جارہی تھی۔

"پاپی۔ آر یو رائیٹ ناؤ۔" وقاص اس وحشت بھری خاموشی سے گھبرا کر بول اٹھا۔ تگین نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اداس ویران سرخ آنکھیں جن میں ناقدریوں کی دھول اڑ رہی تھی۔

"بیٹر۔" وہ جیسے پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"ایکدم کیا ہوگیا تھا آپ کو محض زکام فلو سے کوئی یوں حواس تو نہیں کھوتا۔" وقاص نے اپنی الجھن رفع کرنا چاہی۔

"مجھے اچانک یوں لگا تھا جیسے زندگی میرے لیے ختم ہو رہی ہو۔ ساری زندگی کی کمائی داؤ پر لگی ہو کشتیاں جل چکی ہوں آخری پونجی کا بھی اگر لٹنے کا خدشہ لاحق ہو جائے تو کیا پھر بھی بندے کے حواس نہیں کھونے چاہئیں وقاص۔" وہ چپ ہی تھی وقاص اسے آرام کرنے کی تاکید کرتا ہوا اٹھ کر چلا گیا تو چاچی نے بھی اس پر دم کرنے کے بعد پیار کیا تھا۔

"اللہ جوڑی سلامت رکھے دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ سدا سہاگ کے دل پر راج کرو معمولی بیماری ہے بچی یوں دل کیوں چھوٹا کرتی ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کی آنکھوں کے کناروں سے پھیلی نمی کو اپنی پوروں پر سمیٹتے ہوئے انہوں نے نرمی و حلاوت سمیت کہا تھا اور اٹھتے ہوئے فرحان شہیر اور چاچا کو بھی اپنے

ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے تسبیح اور اپنی کشمیری کڑھائی والی شال سنبھالتے باہر نکل گئیں۔

"ملم ڈھینگ جا پہلے ہمارے واسطے چائے بنا کے لا ہاں ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی لیتے آنا۔" انہوں نے ڈسٹنگ میں مصروف صابر کو دیکھ کر تحکمانہ انداز میں کہا اور خود وہیں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"اجی سنتے ہیں۔" تسبیح گود میں رکھ کر وہ اب چاچا کی سمت متوجہ ہوئی تھیں۔ جن کی تمام تر توجہ ٹی وی اسکرین کی سمت مبذول ہو چکی تھی۔

"وہ والا ڈرامہ لگا پتر جس میں پنجابی تاکرا ہوتا ہے۔ سکھوں ہندؤں کا۔" وہ بڑے اشتیاق سے ٹی وی دیکھتے ہوئے بولے۔ فرحان نے مسکراہٹ ضبط کی تھی اور چینل بدلنے لگا۔

"اے گولی مارو ہندؤں اور سکھوں کو میں کیا کہہ رہی ہوں آپ کو۔" چاچی کو غصہ آگیا۔

"ہاں جی کہو کیا ہے۔" چاچا بدمزہ ہو گئے تھے اس مداخلت پر۔

"بچی کو دیکھا ہے؟ اپنا داؤدی خاصا کھینچا کھینچا نہیں رہتا اس سے دونوں بات چیت بھی شاذ ہی کرتے ہیں۔ کل رات تو میں نے بہو کو وہیں اسی صوفے پر سوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔" چاچی کا لہجہ انداز ایسا تھا۔ کہ چاچا کے ساتھ ساتھ فرحان اور شہیر بھی چونکتے ہوئے ان کی سمت متوجہ ہو گئے۔

"اُفوہ ہر کسی کو ٹوہ میں نہ رہا کر عورت گناہ ہوتا ہے۔ ارے میاں بیوی کے رشتے میں سو لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔" چاچا نے جھلا کر کہتے گویا انہیں جھڑک ڈالا مگر چاچی نے الٹا انہیں گھور کر دیکھا اور بولیں۔

"تم مرد ہو لاپرواہ اور بے فکرا رے تمہاری تو آنکھوں کے سامنے گھر کے گھر جل جائیں تو پرواہ نہیں ہو۔ یہ ہم عورتیں ہی ہوتی ہیں جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہیں۔" چاچی نے غصیلے انداز میں ہاتھ نچا نچا کر جیسے چاچا کے ساتھ شہیر اور فرحان کو بھی رگڑا۔ ان کے تو باقاعدہ چہرے اتر گئے۔

"ہاں بہت بڑی جاسوس ہو نا تم۔ اگر ایسی ہی چلتی پرزہ تھیں تو بیٹے کا گھر آج تک کیوں نہ بسا سکیں۔ ایک وہ انچ بھر کی لڑکی تو تم سے سدھری نہ۔" چاچا باقاعدہ میدان میں اتر آئے طعنے تشنے کا آغاز کرتے ہوئے مورچہ سنبھالا۔ شہیر کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔

"بس بس اب میری زبان نہ ہی کھلواؤ کرم دین تو بہتر ہے یہ تیرا اپتر جیسے سات پانی کا دھلا ہوا ہے نا ایک غلطی تھی معصوم کی آج تک اسی کو گلے کا ہار بنا کے بیٹھا ہوا ہے۔" چاچی نے کینہ توز نظروں سے شہیر کو گھورا لب بھینچے ارد گرد دیکھے بغیر تنتناتا ہوا اٹھ کر باہر چلا گیا وہ اتنے غصے میں تھا کہ دروازے کی سائیڈ پر کھڑے ایک سکتے کے عالم میں انکشاف کی زد پر آتے داؤد حسن خاں کو بھی نہ دیکھ پایا۔ جو بہت شکستہ انداز میں واپس مڑے تھے۔

☆......☆......☆

"میرے گھر والوں کو آپ کی ان نوازشات کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔" طارق گاڑی روک کر پھل مٹھائی وغیرہ لے کر آیا تو ماہ نور نے سلگتے ہوئے بہت تلخی سے کہہ ڈالا۔

"تمہارے گھر والے اب میں اور میری فیملی ہیں ڈیر۔" اس نے جواباً بہت ہلکے پھلکے انداز کو اختیار کیا۔ اس کی کوشش تھی۔ پھپھو جانی کے سامنے جانے سے قبل اس کا موڈ ٹھیک کر دے۔

"اس قسم کی فضول باتوں سے آپ میرا جواب گول نہیں کر سکتے۔" وہ پھنکاری۔ طارق نے جواب نہیں دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی ماہ نور کو سراسر اپنی توہین محسوس ہوئی تھی۔

"اب ان نوازشات کا مطلب؟ حالانکہ آپ کا مقصد تو نکل گیا۔" وار اس قدر کاری تھا کہ طارق کی برداشت جواب دے گئی۔ اس نے تیز جلتی آنکھیں اس کی سرد آنکھوں میں گاڑھ کر بہت ٹھہرے ہوئے لہجے

میں کہا تھا۔

"ہاں مگر دیکھ لو میں اپنی بات پر قائم ہوں۔ میں پہلے بھی خود کو پھپھو جانی کا بیٹا سمجھتا تھا اب بھی سمجھتا ہوں تمہاری مرضی ہے تم کچھ بھی قیاس کرتی پھرو۔" اس نے خود کو پرسکون رہ کر بھی گویا اسے آگ لگا دی تھی۔ گاڑی گھر کے سامنے رکی اور وہ دروازہ کھول کر خود باہر نکل آیا پہلے کال بیل بجائی پھر پلٹ کر پچھلا دروازہ کھول کر فروٹ اور مٹھائی کے شاپر نکالنے لگا۔ دروازہ رابیل نے کھولا تھا۔ ہلکے کاسنی شرینہ کے سوٹ میں براؤن بڑی سی شال سے اپنا وجود اچھی طرح چھپائے وہ پہلے سے بھی زرد اور کمزور محسوس ہوئی۔ ماہ نور بے اختیار ہو کر اس کے گلے لگی تھی۔

"کیا ہو گیا ڈیرا تتی ویک کیوں ہو رہی ہو۔ جواباً رابیل پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

"بیٹا یہ تکلف مت کیا کرو۔" مما نے طارق کو شاپر سے لدے پھندے دیکھ کر مخصوص قسم کا احتجاج کیا۔

"تو اور کیا یہی میں بھی کہہ رہی تھی مما ان سے کہ ہمیں ان کے احسانوں کی ضرورت نہیں ہے۔" ماہ نور نے بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے جل کر کہا تو رابیل نے اس کے لہجے کی کڑواہٹ کو محسوس کرتے ہوئے بہت چونک کر اسے دیکھا۔

"اب یہ صرف اس کا نہیں بیٹا تمہارا بھی احسان ہے۔" مما کے جتانے پر اس کی بے اختیار نظر طارق کی سمت اٹھی جو اچھے خاصے محظوظ ہونے والے تاثرات سمیت اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ جھلاہٹ کا شکار ہوئی پلٹ کر اندر چلی گئی۔ ایک یہ مما بھی نا بس۔ اسے غصہ آئے جا رہا تھا اور جب کمرے کی ہر شے کو پٹخ کر تھک کر بیٹھ گئی۔ تب مزید غصہ طارق کی باتوں اور ہنسی کی آواز کو سن کر آنے لگا۔ اس کا رویہ وہی تھا ہمیشہ والا طلحہ عبنا اور مما کے ساتھ جیسا شادی سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ یہ بزدلی ہے یا مصلحت اس کے دماغ میں ایکدم ہی یہ سوچ گھسی تھی اور ڈسٹرب کر گئی۔

"مومو یہاں کیوں اکیلی بیٹھی ہو۔ وہیں آجاؤ نا مما چائے بنا چکی ہیں۔" رابیل اسے بلانے آئی تھی۔

"پلیز ایک کپ چائے لا دو مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔" وہ بے زار نظر آنے لگی۔

"او کے فائن۔" رابیل نے کاندھے جھٹکے تھے اور وہیں سے پلٹ گئی۔ واپس آئی تو ٹرے میں ایک پیالی دیکھ کر ماہ نور نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ "کیا تم چائے نہیں لو گی۔"

"نہیں میں چائے بہت کم پیتی ہوں۔" رابیل نے مسکرا کر جواب دیا اور پیالی اٹھا کر اس کی جانب بڑھائی۔

"بیہ مجھے لگ رہا ہے تم خوش نہیں ہو۔ دن بہ دن گھلتی جا رہی ہو۔" ماہ نور نے بہت متفکرانہ نظروں سے اسے دیکھا وہ پھیکی سی مسکراہٹ سمیت اسے دیکھتی سامنے بیٹھ گئی جو میرون جدید تراش خراش سے کے لباس میں میچنگ ہلکی پھلکی جیولری پہنے چہرے پر میک اپ سجائے اتنی پیاری اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ رابیل کتنی دیر اسے یونہی تکے گئی تھی۔

"خوش تو تم بھی نہیں ہو مومو۔ خود کو دھوکہ دے رہی ہو یا دوسروں کو۔" رابیل کا سوال تھا یا کوئی طاقتور بم ماہ نور کو لگا تھا جیسے اس کا وجود ایکدم دھماکے سے پھٹا ہو۔

"جو ہوا تم اسے بھول کیوں نہیں جاتیں۔ ایک نئی زندگی کا آغاز کرو مومو اس یقین کے ساتھ کہ تمہارا شریک سفر شخص تم سے مخلص ہے جی جان سے تمہارا خواہش مند پلیز اسے اپنی لائف میں مداخلت سمجھنے یا

www.pkdigest.com

ے بارے میں یہ سوچے بغیر کہ میں حد سے زیادہ پرسنل ہو رہی ہوں۔ یہ تمہارے لیے ایک بے حد مخلصانہ مشورہ ہے۔ اس لیے کہ یہ گھر جس کے مکینوں نے مجھے پناہ دی پوری محبت اور دلی آمادگی سمیت مجھے قبول کیا اس کے جواب میں یہ اس کے اور اس کے مفاد میں میری ایک انتہائی حقیری سی خدمت ہو گی اگر میں تمہیں سمجھا سکوں۔" وہ بہت سوچ سوچ کر بہت آہستگی سے بول رہی تھی۔

ماہ نور تو اس قدر شاک میں تھی کہ اس دوران زبان کو حرکت دینے سے بھی قاصر رہی۔

"تت تم تم سے یہ سب کچھ مما نے۔"

"نہیں۔" رابیل نے فی الفور اس کی بات کاٹی۔

"اس روز جب تم مما اور طارق بھائی۔ اندر اس موضوع پر بات کر رہے تھے نہ چاہتے ہوئے بھی ہر بات کا مجھے علم ہو گیا تھا۔" رابیل نے جھکے سر سمیت جیسے کسی جرم کا اعتراف کیا۔ ماہ نور نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیہ مگر تم صرف آدھی ادھوری حقیقت سے آشنا ہو جن مصائب، ذلتوں اور بے بسی سے اس شخص نے مجھے دوچار کیا ہے ان سے صرف میں نبرد آزما ہوئی مجھے نہ تو اس کی پذیرائی کرنا ہے نہ ہی اس سے ایڈجسٹمنٹ کا کوئی ارادہ ہے۔ میری زندگی کی تمام تر بے بسی کا صرف یہی ذمہ دار ہے۔ اب تو چاہے کتنے ہی زیاں حصے میں آئیں۔ مجھے قبول ہیں مگر نہیں تو اس کی خوشی نہیں۔" وہ دوٹوک اور قطعی لہجے میں کہتی اٹھ کر چلی گئی۔ رابیل کی ساکن نظریں چائے کے مگ پر ٹھہری رہیں۔ جسے ماہ نور نے یونہی بھرا بھرایا چھوڑ دیا تھا اور اس پر بالائی کی جمی تہہ اس کے بدمزہ اور ٹھنڈا ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

اپنے بستر پر بہت دیر سے میں نیم دراز
سوچتی ہوں اس وقت وہ کہاں پر ہو گا
میں یہاں ہوں مگر وہ میرے بغیر
"جہاں بھی ہو گا کم از کم وہ تمہارے متعلق تو بالکل نہیں سوچ رہا ہو گا۔ ارے کم عقل بیوقوف لڑکی تم آخر کیا سوچ بیٹھی ہو۔" سونیا حسب عادت شور مچاتی ہوئی اندر آئی تھی اور اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔

"کیا ہے یار۔" پریشے نے منہ بسورا۔

تیرے نال میں لائیاں اکھیاں
دے توں فیر وی دوریاں رکھیاں
توں جت گیوں بے دردی میں ہار گئی
تیری بے پروائی جہناں مینوں مار گئی

سونیا نے باقاعدہ تان اڑائی تھی۔ پریشے کے لبوں پر موجود مسکراہٹ بھی جیسے غائب ہو گئی۔

"ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" وہ ایکدم ہی دل گرفتہ نظر آنے لگی۔

"کیا کہا؟" سونیا نے آنکھیں نکالیں۔ پھر چلبلا کر بولی۔

"بدشگونی کی باتیں مت کر و پری۔"

"یہ بدشگونی ہو یا کچھ اور بس میرا دل بہت مایوس ہوتا جا رہا ہے۔"

"تمہارے دل کو الہام کب سے ہونے لگے بس یہ بتا دے۔" سونیا نے یونہی گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے پتہ نہیں۔" وہ یوں گہرے گہرے سانس بھرنے لگی جیسے سانس لینے میں دقت محسوس کر رہی

ہو۔ سونیا نے بے اختیار ان ہیلر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں جو سائیڈ ٹیبل پر پڑا نظر آگیا تھا۔ پریشے نے اس کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا اور عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔

"جس دن اس سانس کو تھمنا ہے نا سونی ڈرلنگ اس روز اس ان ہیلر کی موجودگی میں بھی تھم ہی جانا ہے۔" اس پر مایوسی اور افسردگی کا دورہ پڑ رہا تھا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر انسان کو اس دنیا کی تمام سہولیات کی موجودگی کے باوجود اپنے مقررہ وقت پر واپس لوٹنا ہے۔ لیکن پری تمہیں ابھی بہت سا جینا ہے۔ تمہارے حصے کی تمام خوشیاں تمہاری منتظر ہیں اور مجھے لگ رہا ہے۔ یہ ساری اداسی کی اصل وجہ یہی ہے کہ میجر صاحب اس شہر میں موجود نہیں ہیں۔ کم آن یار وہ واپس آنے کے لیے ہی گیا ہے۔" سونیا بہت سنجیدگی سے بات کرتے آخر میں لہجہ بدل کر خاصی شوخی سے کھلکھلائی تھی۔ پریشے نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھی رہی تھی۔

"پتہ ہے سونی جب مما اور پھر رافع مجھے اور پاپا کو چھوڑ کر گئے ہم بہت عرصہ نہیں سنبھل پائے تھے میں سوچتی ہوں۔ جب میں بھی پاپا کو چھوڑ جاؤں گی تب پاپا کیسے سنبھالیں گے خود کو۔"

"ہم میجر صاحب سے دست بستہ درخواست کریں گے جناب عالی۔ پلیز ہماری پری بی بی کو رخصت کرا کے لے جانے کی بجائے پلیز خود رخصت ہو کر آ جایئے نا۔ یعنی گھر داماد بن جائیں۔" سونیا کے لہجے کی کھنک اور شوخی مصنوعی محسوس ہوئی تھی۔ پریشے نے جھلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور دل شکستگی سے مسکرا دی۔

"تم میری بات کو سمجھ رہی ہو۔ سونی پھر بھی جیسے ناسمجھی کی ایکٹنگ ویری ویل مگر ڈیئر پلیز کسی کو دھوکہ دینا ہو تو لہجے کی پختگی ضرور حاصل کرنا چاہیے۔"

"یہ تم آج اتنی بڑی بڑی باتیں کیوں سوچ رہی ہو آخر۔" سونیا چیخ پڑی۔

"یہ بڑی باتیں ہی سچی باتیں ہیں اس لیے۔ میں پھر کہہ رہی ہوں کہ تمہیں بہر حال الہام نہیں ہو سکتے۔"

"چلو ٹھیک ہے لیکن میرا دل مجھے جانے کیوں اداسی کی راہوں پر گھسیٹ رہا ہے تو ایسی باتیں بے اختیار منہ سے نکل گئیں۔ سونی سنا ہے دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے تم دعا کرو اگر وہ میرے نصیب میں نہیں ہے تب بھی وہ مجھے مل جائے۔" اس کے ہاتھ اپنے کانپتے لرزتے ہاتھوں میں دبوچ کر وہ پوری جان سے لرزتے ہوئے، اتنی لاچاری اتنی بے بسی سے بولی تھی کہ آواز آنسوؤں کی نمی غالب آگئی۔ سونیا نے کچھ کہے بغیر اسے گلے لگایا تو اس کی آنکھوں کی نمی سونیا کے بالوں میں جذب ہونے لگی۔

☆......☆......☆

میں ہوں گردشوں میں گھرا ہوا مجھے آپ اپنی خبر نہیں
وہ جو شخص تھا میرا رہنما اسے راستوں میں گنوا دیا
مجھے عشق ہے کہ جنوں ہے ابھی فیصلہ نہیں ہوا
میرا نام اگر دشت تھا مجھے آندھیوں نے مٹا دیا

گاڑی شہر کے مضافات کو پیچھے چھوڑتی گاؤں کے راستوں کی سمت فراٹے بھر رہی تھی۔ اسٹیرنگ شہیر کے ہاتھوں میں تھا اور اس کی نظریں بیک ویو مرر سے داؤد حسن خاں کے چہرے پر کچھ کھوج رہی تھیں سپاٹ چہرہ مگر مضطرب آنکھیں وجیہہ سحر آفرین نقوش آج بھی کسی کو بہکا سکتے تھا اور شہیر کا دل جانے کیا کچھ سوچ کر بیکل ہوا۔ داؤد حسن خاں نے ڈرائیو کرنے سے معذرت کی تھی۔ "کیوں؟" شہیر نے بہت انجان بن کر

پوچھا۔

"ان راستوں کو چھوڑے ایک عرصہ ہو گیا ہے بار شاید میں اپنے ساتھ تمہیں بھی بھٹکا دوں۔" انہوں نے جانے کس رو میں کہہ دیا تھا۔ مگر شہیر کے دل میں ترازو ہو گئی تھی یہ بات سو سو مطلب اخذ کیے تھے اور اضطراب بڑھا دیا تھا۔

طویل سفر کی تھکن کے ہمراہ جب گاڑی گاؤں کے اونچے نیچے راستے پر ہوئی تو خاموش بیٹھی تمکین نے اپنے مغرور بے نیاز اور کٹھور ہمراہی کے سرد وجود میں جیسے تحریک محسوس کی ان کی لاتعلق آنکھوں میں تحیر امڈتا دیکھا۔ نیم پختہ سڑک کی جگہ تارکول کی سرمئی سڑک نے لے لی تھی سڑک کے دونوں اطراف سفیدے کے درخت ایک قطار میں لگے تھے۔ کھیت باغات اور ٹیوب ویل کا وہ مخصوص سلسلہ نہیں تھا زیر تعمیر مکانات جو کوٹھیوں کی طرز پر بن رہے تھے۔ گاؤں کے مخصوص ماحول کو نگل چکے تھے۔ ایک بڑا اسکول کالج ہسپتال بھی راستے میں انہوں نے دیکھے تھے اور خوشی بھی محسوس کی تھی۔

"تم چاہو تو یہیں رہ سکتے ہو کالج بھی ہے ہوسپٹل بھی۔" فرحان نے ان کی حیرت ملاحظہ کرتے ہوئے گویا چھیڑا تھا۔ وہ محض مسکرا دیے۔

گاڑی جس مکان کے سامنے رکی اس کے سامنے نہ تو بیری کا موٹی جڑ والا درخت تھا نہ شہتوت کے پیڑ۔ وہ میدان جہاں چار پائیاں ہر وقت بچھی رہا کرتی تھیں وہاں بھی ایک جدید طرز کا مکان زیر تعمیر تھا۔ ریت بجری اینٹوں کے ڈھیر جابجا پھیلے نظر آرہے تھے۔ سبز رنگ کا لوہے کا اونچا گیٹ اور پختہ گھر کی عمارت وہ خاموشی سے ہر شے کا جائزہ لے رہے تھے۔

"آؤ داؤد کہ بڑے دلہن کے ساتھ پہلی بار آئے ہو میں تیل کی دھار ڈالوں گی دروازے پر۔" چاچی نے بڑے چاؤ سے کہا تھا۔ آن کی آن میں پورا گھر ان کے سواگت کے لیے جمع ہوا وقاص کو ہر کسی نے خصوصی محبت اور توجہ سے اس لیے بھی نوازا کہ صائمہ آپا اور بھائی صاحب کی وفات کی متعلق جان کر سب کے دلوں پر رقت طاری ہو رہی تھی۔

"تو بالکل نہیں بدلا داؤد بلکہ پہلے سے بڑھ کر خوبصورت ہو گیا ہے۔" رافعیہ آپا صرف ان سے ملنے کی غرض سے دو دن سے آئی بیٹھی تھیں۔

"اور یہ تیری دلہن ہے اللہ اتنی پیاری بچہ ماسی کو سلام کر دناں۔" انہوں نے ایک سائیڈ پر کھڑی تمکین کو دیکھ کر شرارت کی تھی۔

"بھئی جب ہمارا مانکا بھیلا یار اتنا سوہنا تھا تو اس کی دلہن کو بھی خوبصورت تو ہونا چاہیے تھا۔" اکبر بھائی نے پیچھے سے آکر داؤد کو بانہوں کے گھیرے میں لیا ملنے ملانے اور باتوں کے ساتھ مہمانوں کی ضیافت کا یہ سلسلہ دو گھنٹے تک چلتا رہا تھا اس کے بعد انہیں اس کمرے میں بھیج دیا گیا جہاں ان کے رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔

یہ وہی کمرا تھا جہاں داؤد نے لندن سے آنے کے بعد اپنا بسیرا کیا تھا۔ جہاں سارے گھر میں تبدیلیاں آئی تھیں وہاں اس کمرے میں بھی ویسا کچھ نہیں تھا جو کبھی پہلے تھا۔ ہلکے پیلے رنگ کی تازہ سفیدی کی گئی تھی جس کی مہک کمرے کی فضا میں محسوس کی جا سکتی تھی۔ سامنے دیوار پر جمبو سائز خانہ کعبہ بڑی تصویر آویزاں تھی۔ اس کے بالکل نیچے سنگل پلنگ تھا جس پر ہلکے رنگوں کی بیڈ شیٹ بچھی تھی۔ فرش پر درمیانے سائز کا ریڈ کارپٹ تھا۔ دوسری سائیڈ پر بیڈ کے بالکل سامنے کتابوں کا ریک تھا اور اس پر وہ ساری کتابیں نہایت سلیقے سے سجی ہوئی تھیں جو دوران تعلیم اور تعلیم کے بعد ان کے زیر مطالعہ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر

www.pkdigest.com

ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ انہیں شہیر کی بات یاد آئی تھی۔
"بہت کچھ بدل جانے کے باوجود بہت کچھ ابھی بھی ویسا ہے مگر تمہاری کمی کے احساس سمیت۔" مگر اسی بات کا جب انہیں شام میں کسی اور انداز میں ادراک ہوا تو ان کے اندر سرما کی سرد ہوائیں سرسرانے لگی تھیں۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ سیڑھیوں کی سمت چھت پر جانے کی غرض سے آئے تھے۔ سنگل بیڈ نے ان کے ساتھ تمکین کو بھی اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا اور اس پریشانی سے جان چھڑانے کو وہ اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر چھت کی سمت آ گئے تھے۔ جب انہوں نے شہیر کی وہ پھنکارتی ہوئی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی سن لی تھی۔ جو غالباً نہیں یقیناً شہیر کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے ان تک پہنچی تھی۔
"مجھے فریب دے رہی ہو مجھے جو تمہیں پندرہ سالوں سے برداشت کر رہا ہے۔ کیوں نہیں آئی تم کیوں نہیں ملیں اس سے تمہارے دل میں چور تھا اس لیے۔"
"چور میرے دل میں نہیں تمہارے دل میں ہے شہیر جمال وہ بات جسے میں تو جانے کب کی بھول گئی ہوتی مگر تمہاری نفرت نے مجھے بھولنے نہیں دیا تم اب بھلے سلگو تڑپو اور سسکو اس بات سے کہ میں نے داؤد سے بھی محبت کی تھی اور تم سے شادی کے بعد میں اسے بھول جانا بھی چاہتی تھی مگر تم نے مجھے اسے ہمیشہ یاد رکھنے پر اکسایا۔" جواباً شہرینہ کے لہجے میں نہ کوئی خوف تھا نہ لحاظ انہیں لگا تھا جیسے لڑکھڑا کر ایسا گریں گے کہ دوبارہ اٹھ نہ پائیں گے قسمت کیسی یہ کسی آزمائش تھی جو ہر لمحہ ان کے پاؤں سے زنجیر بن کر لپٹی ہوئی رہتی تھی۔ مزید سننے کی تاب نہیں تھی وہ پلٹ کر تیز قدموں سے گھر سے باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆

راولپنڈی آفیسرز کالونی میں شام ڈھل کر رات کا لبادہ اوڑھ رہی تھی۔ جب طارق شیرازی کے ہمراہ ماہ نور نے اس گھر میں قدم رکھا۔ جو پاک آرمی کی طرف سے انہیں رہائش کے لیے دیا گیا تھا۔ گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر بیٹ مین جو کچن میں مصروف تھا باہر آیا اور اپنے افسر کی خوش شکل اور نازک اندام بیوی کا خیر مقدم کیا۔
جب وہ انٹرنس سے آگے بڑھے تو بالکل سامنے گیلری میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا قدآدم پورٹریٹ آویزاں تھا۔ بالکل بے ساختگی میں ماہ نور کی نظریں اس تخلیق کار کی تصویر پر پڑی تھی اور اس بے ساختگی و بے اختیاری کیفیت میں قدم ٹھٹک کر تھم گئے تھے۔ ستائشی نگاہوں سے عظمت رفعت کے شاہکار سنہری فریم میں جڑے اس عظیم الشان پورٹریٹ کو تکتے ہوئے اس نے طارق کی سمت دیکھا جو داد طلب نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے دانستہ چپ سادھ لی مگر یہ چپ اس وقت قائم نہ رہ سکی جب اس کے ساتھ بیڈ روم میں داخل ہونے پر خانہ کعبہ کے نگاہوں کو بے اختیار ستائشی چمک عطا کرنے والے چمکتے دمکتے ماڈل پر پڑی تھی۔ ایک بلند اور اونچے خوبصورت سٹینڈ پر ایستادہ یہ اتنا شاندار اور خوبصورت نظر آ رہا تھا کہ حقیقت کا گمان ہونے لگا اور جب طارق شیرازی نے اسے بتایا کہ خانہ کعبہ کے غلاف سے تبرک کے طور پر ملے ہوئے غلاف سے یہ ماڈل تیار کیا گیا ہے تو ماہ نور بے اختیار آگے بڑھی تھی اور محبت وعقیدت ایک بوسہ وہاں ثبت کر دیا تھا۔
"آپ کے پورے گھر میں سب سے زبردست چیز بس یہی ہے کیا میں یہاں رہ سکتی ہوں آئی مین۔"
"یہ بیڈروم ہے ہمارا مایا۔" وہ جواباً بہت خوشدلی سے مسکرایا اور ماہ نور کی کیفیت بدل گئی۔
"ہمارا۔" اس نے اس ایک لفظ کو کھینچ کر لمبا کیا۔

"یہ گھر اتنا بڑا تو ضرور ہوگا کہ اس میں مجھے علیحدہ کمرہ مل سکے۔" وہ جس قدر نارمل تھی طارق کو اسی حد تک اذیت سے دوچار ہونا پڑا۔ جبکہ اس کی سوالیہ نگاہیں اس پر فوکس تھیں۔
"اوکے ایز یو لائیک۔ تمہیں یہ بیڈروم پسند آیا ہے تم یہاں رہ سکتی ہو۔" ایک بار پھر وہ خود پر جبر کرتے ہوئے اسے اور اس کی بات کو وہی اہمیت دے چکا تھا۔ جو وہ اسے ہمیشہ ہی دیتا آیا تھا۔ ماہ نور نے دانستہ چہرے پر ممنونیت وتشکر کا تاثر نہیں آنے دیا اور بیٹ مین کے اندر لا کر رکھے بیگ کو کھول کر اپنے کپڑے نکالنے لگی۔ جبکہ طارق اس سے مزید کوئی بات کیے بغیر پلٹ کر باہر چلا گیا تھا۔ باتھ لینے کے بعد بھوک کا احساس ہوا تو یونہی دوپٹہ کاندھوں پر پھیلائے بیڈ روم سے نکل کر باہر آئی تو لاؤنج سے ٹی وی کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ اس نے اندر جھانکا صوفے پر طارق کا کوٹ اور ٹائی موجود تھی ہیٹر اور ٹی وی آن تھا وہ خود کہیں نظر نہیں آیا۔ اس نے ٹی وی کے ساتھ ہیٹر بھی آف کیا اور خود کچن میں آ گئی۔ کوکنگ رینج کے دونوں برنر جل رہے تھے ایک پر دودھ کی کیتلی تھی دوسرے پر سالن پک رہا تھا۔ پرات میں آٹا چھان کر رکھا ہوا تھا گویا گوندھنے کی تیاری تھی مگر بیٹ مین خود وہاں نہیں تھا۔ ابھی وہ جائزہ ہی لے رہی تھی جب بیٹ مین اپنے دھیان میں اندر آیا تھا اسے موجود پا کر ایکدم سے گڑبڑایا۔
"کچھ چاہیے میم مجھے بتائیے۔"
"نہیں شکریہ" اس نے کسی قدر روکھے پن سے کہا اور فریج کھول کر اندر جھانکا جو انواع واقسام کی نعمتوں سے بوجھل تھی۔ اس نے دو سیب اور کینو نکال کر پلیٹ میں رکھے اور چھری کے ساتھ نمک لیے باہر آ گئی۔ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی آن کرنے کے بعد پیٹ پوجا کرتے ہوئے تھکان اچانک ہی اس پر غالب پانے لگی تو پلکیں بوجھل ہو کر باہم جڑنے لگیں اور وہ وہیں بیٹھے بیٹھے کشنوں کے سہارے غنودگی میں چلی گئی۔
طارق شیرازی فریش ہو کر وہاں آیا تو اسے یوں بے خبر سوئے۔ دیکھ کر اس کی پیشانی پر ایک شکن ابھری تھی۔ ادھ کھایا سیب اور کینوؤں کے چھلکوں کی پلیٹ ٹیبل پر دھری تھی اور ان پر ایک مکھی منڈلانا شروع کر چکی تھی۔ ٹی وی پر کوئی ڈاکومنٹری فلم چل رہی تھی۔ اس نے پہلے ٹی وی آف کیا تھا پھر اس کی سمت متوجہ ہوتے ہوئے اسے ایک دو بار آواز دی۔
"موسو۔" تیسری مرتبہ اس کے کاندھے کو خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے وہ قدرے بلند آواز میں پکارا۔ ماہ نور نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھولیں۔ خمار آلود سرخ آنکھیں اس کے چہرے پر لمحہ بھر کو ٹھہری تھیں۔
"اٹھو اندر چل کے سوؤ اور ہاں آئندہ اس قسم کی بے احتیاطی سے گریز کرنا گھر میں ایک عدد میل سرونٹ بھی ہے یوں اچھا نہیں لگتا۔" وہ اٹھ کر بیٹھنے کے بعد ریشمی لانبے بال سمیٹ رہی تھی جب طارق کی اس بات پر اچھی خاصی خفت کا شکار ہو گئی۔
"وہ میں تو۔"
"اٹس آل رائیٹ بی کیرفل نیکسٹ ٹائم۔" طارق نے اس کی خفت کو محسوس کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ ماہ نور کو اپنا آپ اس کے گمبھیر لہجے کی پھوار میں بھیگتا ہوا محسوس ہوا تو سر جھٹک کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

www.pkdigest.com

سبز رتوں کے ساتھی

صالحہ نور

راولپنڈی چھاؤنی میں دوپہر ڈھل کر شام کا روپ دھار رہی تھی۔ وہ ڈیوٹی سے ابھی گھر لوٹ ہی رہا تھا۔ کہ راستے میں ہی بریگیڈیر سالار درانی کا فون موصول ہوگیا۔ انہوں نے اسے اپنے گھر پر بلوایا تھا۔ وہ یونہی تھکن کی پرواہ کیے بغیر جیپ کا رخ موڑتا ان کی رہائش گاہ کی سمت ہوگیا۔ بھیگی ہوئی سرد ہواؤں کی پرواہ کیے بغیر سونیا پریشے درانی کے ساتھ ٹیرس کی ریلنگ سے لگی کافی کا بڑا مگ ہاتھ میں لیے باتوں میں مصروف تھی جب طارق شیرازی نے جیپ گیٹ کے باہر ہی چھوڑ کر کال بیل بجائی تھی۔ گیٹ وا ہونے پر وہ اندر آیا تو ایک غیر شعوری نگاہ خوبصورت کپڑوں میں ملبوس ٹیرس پر کسی بات پر ہنستی ہوئی لڑکیوں کی سمت اٹھ گئی۔ سونیا بھی متوجہ تھی اس نے اخلاقاً مسکرا کر ہاتھ ہلا دیا۔ جواباً سونیا کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی اور ہنستے ہوئے اس کی جانب شعر لڑھکا دیا تھا۔

نیچے سے جو اوپر صنم دیکھتے ہیں
وہ اپنا سرِ قلم دیکھتے ہیں

وہ بے اختیار کھلکھلائی تھی اور اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھ کر محظوظ ہوتی کچھ اور بھی زور سے ہنسنے لگی۔ طارق شیرازی نے پوری طرح سر اونچا کر کے اوپر دیکھا تھا اور بے اختیار محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا۔

ہمیں نہ تیری نہ تیرے حسن کی پرواہ
ہم سر وہ لوحِ قلم دیکھتے ہیں

"سمجھ لیں آپ نے مجھے پر حضرت اقبال کا جواب لازم کر دیا تھا۔ ویسے آپ کی تسلی کے لیے یہ کافی ہونا چاہیے کہ میں واقعی آپ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔"

"تو پھر کسے دیکھ رہے تھے۔" سونیا کی ازلی شوخی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ وہ طرح دے گیا۔

"مجھے سر سے ملنا ہے۔"

"ارے رے ہماری بات کا تو جواب دیجیے۔" وہ بے اختیار چیخی تو طارق کے اٹھے ہوئے قدم پھر تھمے۔

"آئی ایم شیور کوئی تو ضرور ہوگی جس کے حسن اور خود اس کی آپ کو پرواہ ضرور ہوگی۔" وہ جیسے آج مکمل تیاری کے ساتھ میدان میں اتر آئی۔ پریشے کی گھبراہٹ اور آنکھوں کے اشاروں کو صاف اگنور کیے طارق مسکرایا اور محض کاندھے اچکا دیے۔

"دیکھا ایسے لوگ چھپے رستم ہوتے ہیں۔" وہ چمک کر بولی پھر اسی قدر جوشیلے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"آپ بتائیں گے یا میں گس کرلوں۔"

"جی۔" اب کے طارق قدرے حیران ہوا۔

"آپ کیسے جانتی ہوگی بھلا۔"

"کیوں نہیں جان سکتی۔"

باقی آئندہ ماہ

www.pkdigest.com

من میں اتری ہوئی خوشی ستارے بھرے آنچل سے پھوٹ پھوٹ کر باہر آ رہی تھی۔ ماتھے پہ بندیا۔ آنکھوں کا کاجل بیکراں خوشیوں کا منظر تھا۔ رنگوں کی برسات ہاتھوں کی چوڑیوں کی جھنکار سے بھر رہی تھی۔ اور آنسو تھم تھم کر مائرہ کے رخسار پہ بہہ رہے تھے۔

اماں نے اس طرح اسے اپنے گلے لگایا ۔۔ کہ دل چاہا کہ تمام عمر کے لیے ان کی بانہوں میں سمٹ کر سو جاؤں اور پھر کبھی آنکھ نہ کھولوں ۔ بڑی آپی چھوٹی آپا کے دل میں اتنی محبت کہاں چھپی تھی ۔ یہ اظہر بھائی اور بھابی کیوں دور کترائے کھڑے ہیں۔ جونہی اس کی نظر اٹھی مائرہ کے قریب آ گئے

" مائرہ معاف کر دینا"

" ارے بھائی یہ ! کیسا پیار اور کیسی تڑپ ہوتی ہے۔ بھائی کی قربت میں سما کر یوں لگ رہا ہے کہ درمیان میں کوئی شیشہ تھا جو گر کر ٹوٹ گیا۔ برسوں کا پیار واپس آ کر گلے لگ گیا ہے۔ ابا میاں کی کمی اظہر بھائی نے ہمیشہ پوری کی تھی۔ کچھ وقت انہیں ہم سے دور لے گیا تھا۔ اور آج پھر وقت انہیں واپس لایا ہے صرف مائرہ تمہاری جدائی کے تصور سے۔ سدرہ صرف دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑی رو رہی ہے۔

اس کا دکھ بھی صحیح ہے کہ آج کے بعد وہ تنہا رہ جائے گی۔ ہر پل ہنسانے والی ہر وقت لڑ کر دکھ دینے والی بہن سب سے زیادہ رو رہی ہے۔

اے خدا اتنی ڈھیروں محبتوں کو تو نے ان لمحوں کو کہاں چھپا دیا تھا۔

کہاں روٹھ کر چلی گئی تھیں یہ راحت رساں محبتیں یہ نرم گلاب جیسی چاہتیں جو آج مجھے تمام رشتوں سے بالاتر نظر آ رہی ہیں۔ یہ جو دلوں کے اندر چھپ کر رہ گئی تھیں۔ کہتے ہیں کہ الفاظ کی چوٹ دلوں کو نہیں جوڑ سکتی۔

یہاں تو آنسوؤں کی ایک ہی بوند نے برسوں کی خشک مائرہ کے دل کی زمین کو محبتوں اور چاہتوں سے سرسبز کر دیا ہے۔ اتنا پیار وقتِ جدائی کہ دل چاہے کہ ۔ اماں کے آنچل میں آج کی رات چھپ جاؤں۔ دل چاہ رہا ہے کہ سدرہ کے ساتھ ابھی لیٹے لیٹے اسی سخت تخت پر لیٹ کر سو جاؤں تمام عمر اظہر بھائی کے انتظار میں تو نے پروری نہ ڈالوں۔

بڑی آپی اور چھوٹی آپا کے آگے پیچھے گھوموں ان کے آنے پر ان کے جانے پر کوئی احتجاج نہ کرے لیکن اب کچھ نہیں۔

یہ زخم اور گداز لمحے جو دکھوں اور کانٹوں سے بھرے تھے۔ جن کی تکلیف بہت گہری تھی۔ آج ختم ہو گئے ہیں۔ روح پر زخم اور ٹھنڈک کی پھیلی محبتوں کا خمار چھا رہا ہے۔ ایک لمحہ من کے اندر جاگ رہا ہے۔ راحت اور ناہید زبیدہ خالہ کے پیچھے کھڑی مجھے یوں دیکھ رہی ہیں۔ جیسے میں مائرہ نہیں کوئی اور ہوں۔ زبیدہ خالہ میرے ان آنسوؤں کو کیا سمجھ رہی ہیں۔ انھوں نے گھبرا کر اپنی نظریں چرا لیں۔ ان کا بھی قصور کیا وہ روحیل ہی ایسا تھا۔ بیچاری زبیدہ خالہ آج ان کے غرور کے اندر بھی وہ محبت جھلک رہی ہے جو کچھ عرصے پہلے ہمیں زبیدہ خالہ سے دور کر گئی تھی۔

اب روحیل مجھ سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ میں کیوں نہ بول سکی۔ اسے کس نے خبر دی ہے۔ جب شب زیست میں نے رو کر کاٹی تو وہ صبح زیست پر کیا کہنا چاہتا تھا ۔۔۔۔ مائرہ بیگم وقت کی گرفت اب کسی اور وقت میں جا رہی ہے۔

پھر چند لمحوں کے لیے وہ رکی اماں سے آہستہ سے کہا۔ " اماں معاف کر دینا " اماں نے چاروں طرف دیکھا اور جلدی سے گھبرا کر مائرہ کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ اس انداز سے رکھ دیا کہ گویا مائرہ اب دوبارہ یہ لفظ مت کہنا۔

نجانے کون کس سے کون پڑھے۔ وقت نے لاج رکھ لی ہے۔ وقت نے بچھڑے ہوؤں کو پھر اکٹھے کر دیا ہے۔ وہی تو وقت ہوتے ہیں۔ اپنوں کی محبتوں کے جیالوں کے خوشی اور غم میں اور یہ خوشی جو اس کے گھر آئی تھی وہ کوئی نہیں چاہتی تھیں۔

اماں نے کئی بوسے اس کے ماتھے پر ثبت کر دیے

تب مائرہ آنسو پونچھتی ہوئی الگ ہو گئی۔ بھابی نے اسے خود سے لپٹا لیا۔

تھوڑی ہی دیر میں کراچی ائیرپورٹ پر اس نے سب کو خدا حافظ کہا۔ ڈوبتے دل کے ساتھ اس نے مڑ کر سب کو دیکھا۔ کتنے محبتوں کے چراغ سب کی آنکھوں میں جل رہے تھے۔ سب اس کے اپنے تھے کوئی غیر نہیں۔

رنگوں بھرا آنچل تھوڑی دیر کے بعد سب کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ آج سب کو وہ کتنی عزیز ہو گئی تھی۔ یہ احساس مائرہ کے آنچل سے الگ کر ساتھ چلا گیا تھا۔ کس قدر اہم ہو گئی ہے اس کی ذات اپنوں سے دور ہو کر۔

محبتیں انسان کو موم کر دیتی ہیں۔ خوشبو اور چاہتوں کے رنگ ذات میں بھر دیتی ہیں۔ اور انسان ان چاہتوں محبتوں کے جذبوں کے آگے بالکل بے بس ہو جاتا ہے۔ خوشبو بھرے جذبے لہلہانے لگتے ہیں۔ پتھر دل موم ہو جاتے ہیں۔

محبت بھی جو ایک بارش کے قطرے غائب تھے صرف ایک آنسو آنکھ سے چھلکا اور بچھڑی محبتوں کو یکجا کر گیا۔

نمکین آنسوؤں کا ملگجا دھواں ابھی تک مائرہ کی سرخ آنکھوں میں چھایا ہوا تھا۔

میں نے اس سے پہلے کبھی ہوائی سفر نہیں کیا۔ لیکن ان بلندیوں پر ان فضاؤں پر میں نے آنکھ بند کر کے کئی بار سفر کیا ہے۔ روحیل کے ساتھ ان ہی راستوں سے گزر کر ان ہی جذبوں سے سرشار ہو کر یہی لمحے وجود کے اندر سرسراتے رہتے ہیں۔ خاموشی سے زیست کی راہوں پر اور آج ان لمحوں سے تمام عمر کا بندھن توڑ کر میں تنہا سفر کر رہی ہوں۔ محسن کے لیے جواب میرا سب کچھ ہے۔ اور اسی سب کے آگے میں نے اس شب زیست کے آگے معزز کوئی نام نہیں لکھنا۔ روحیل صرف ایک پیارا خواب تھا۔ اور محسن زندگی کی سچائی اور یہ سچائی انسان کو معتبر بنا دیتی ہے۔

بس مائرہ یہ زندگی کی حقیقت ہے کہ زندگی نام ہے درمیان میں آتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن سمندر بہتا ہی رہتا ہے۔ صفحۂ دل کا انتساب اب روحیل نہیں۔ آنکھوں کا خواب اب روحیل نہیں۔ یہ آنسو روحیل کے لیے نہیں ہیں۔

مجھے روحیل کے لیے نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ، یہ سب کچھ کل متاعِ زندگی میری محسن کے لیے ہے۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

چارلس ڈیگال ائیرپورٹ پر وہ تنہا اپنا سامان ٹرالی پر رکھے کسٹم کی لائن میں کھڑی تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں محسن کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ بالکل لاتعلق سی کھڑی تھی۔ سامان کب کلئیر ہوا۔ کب اسے کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ تو بس محسن کو اس بھیڑ میں تلاش کر رہی تھی۔ جو نجانے کہاں رہ گیا تھا۔

جونہی سامان کلئیر ہوا کسی نے ایکسکیوز می پلیز کہہ کر اس کا سامان آگے کر دیا۔ وہ ہراساں ہراساں بھیڑ میں کسی اپنے کو ڈھونڈتی ہوئی باہر آ گئی۔ گھبراہٹ اور پریشانی سے بار بار وہ اپنا آنچل سنبھال رہی تھی۔ رنج لیتی ہوائیں اس کے وجود کے اندر اتر رہی تھیں۔ محسن کی فکر اور اجنبی شہر وہ لوئی تنہا لیکن۔ جلدی ہی مائرہ کی آنکھیں سامنے دیکھتے ہوئے مسکرا کر جھک گئیں۔ انتظار کے پل بھلا ان لمحوں میں کون گنے جب آنکھیں جھک جائیں۔ دل دھڑکنا بھول جائے۔

"سوری مائرہ میں لیٹ ہو گیا۔" مائرہ کے ہونٹ مسکرائے کاجل بھری آنکھوں نے شکوہ تو کیا لیکن وہ خاموش رہ گئی۔

کبھی کبھی محبتوں کے درمیان خاموشیاں مفہوم ادا کرتی ہیں۔ سارے گلے شکوے سارے عہد و پیماں ایک لمحے کی خاموشی کہہ رہی تھی۔ لیکن وہ اس کے جذبات سے بے خبر بہت تیز جا رہا تھا۔ اور تقریباً اسی رفتار سے مائرہ اس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔

پتا نہیں مائرہ کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ وہ اپنی دنیا سے واپس آ گئی تھی۔ محسن کی موجودگی کا احساس کر کے وہ چونک گئی۔ محسن نے تو

www.pkdigest.com

کر دروازہ کھولا — اور سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

خوبصورت باغیچہ جس کے سرے پر دریائے سین کا پانی رنگین پتھروں کی باڑھ سے ٹکرا رہا تھا۔ حدِ نظر دور تک دریائے سین کا پھیلا ہوا پانی اور اس پر سنہری دھوپ افشاں کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

رنگین خوابوں بھرا شہر اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

"یہ بوئے ڈی بولون کا علاقہ ہے۔ شہر کا سب سے خوبصورت اور حسین علاقہ اور یہ سامنے ہمارا کاٹیج۔" محسن نے اس کی حیرت زدہ آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تھا۔ مائرہ کچھ جھینپی جھینپی اپنا پرس اٹھائے محسن کے پیچھے چل رہی تھی۔

پیرس میں آئے ہوئے دو چار دن ہی ہوئے تھے۔ لیکن مائرہ کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ برسوں سے اپنے گھر، اپنے وطن سے دور ہے۔ محسن صبح کے گئے رات کو گھر لوٹتے۔ سارا دن مائرہ بالائی منزل پہ باہر دریا کے حسین منظر کو دیکھتی رہتی۔ دل چاہتا تھا ساری خوبصورتی کو دل میں اتار کر بھر لے، سارے خوابوں کو دامن میں بھر لے لیکن اپنے گھر کے دریچوں سے بہتا ہوا پانی یاد آ جاتا۔ رنگین شگوفے جب ہوا میں جھولتے تو اسے گھر میں لگے ہوئے پھول یاد آتے یا وہ جامن کا درخت جو دو گھروں کے درمیان کھڑا تھا جس کی آدھی شاخیں خالہ زبیدہ کی طرف اور آدھی ان کی طرف جھک آتی تھیں۔

چھوٹے سے گھر کے باہر کھلا ہوا باغیچہ جس کے چاروں طرف مہندی کی باڑھ مہک رہی ہوتی تھی۔ اس کی بھینی بھینی مہک اس کے پتوں کا رنگ کتنا گہرا تھا۔ اس نے اپنے دونوں پیر جھک کر دیکھے جن پر سرخ رنگ ایک ماہ گزر جانے کے باوجود نظر آ رہا تھا۔ مہندی کی — خاص مہک ابھی تک وجود سے لپٹی تھی۔

رات کا دامن بھیگ رہا تھا۔ اس نے سامنے کھڑکی سے پردہ ہٹا دیا۔ سامنے پانی میں تیرتے ہوئے بوٹ ہاؤس نظر آ رہے تھے۔ اس کے اندر دن کا سماں تھا۔ لوگ ڈانس کر رہے تھے۔ کچھ دور تک روشنیوں کا نظارہ اور کچھ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ محسن ابھی گھر نہیں آئے تھے۔ اس لیے وہ اماں کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔ کئی دن پہلے اماں کی طرف سے سدرہ نے خط لکھ کر بھیجا تھا۔

سب خیریت تھی۔ بس اماں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تھا۔ اب مائرہ کے بعد سدرہ کا بوجھ انہیں زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ ویسے وہ ٹھیک ٹھاک تھیں۔

یہ سدرہ نے اپنی طرف سے لکھا تھا۔ وہ جواب لکھتے لکھتے مسکرا اٹھی۔

"تو بھئی سدرہ بیگم، اب اس بوجھ کو کچھ کم کرنے کی سوچتے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔ پورا پیرس تمہارے قدموں میں الٹ دوں گی۔ بس کچھ ہی دنوں بعد ذرا سیٹ ہو جاؤں تو پھر جلد ہی پاکستان کا چکر لگاتی ہوں۔ پھر دیکھنا۔"

کتنی بار وہ خط لکھتے لکھتے اماں اور سدرہ کو یاد کر کے روتی رہی۔ کتنی بار دریائے سین کے روشنی کے نظارے آنسو بن کر آنکھوں میں ناچے۔ کتنی بار رات کے بھیگے دامن میں اس کے آنسو بکھر کر ٹوٹ کر آنکھوں سے جھڑتے رہے۔ زندگی سے کیا ہوا سمجھوتہ دل کے اندر اجنبا رہا۔ وہ کسی احتجاج کا حق نہیں رکھتی تھی۔ محسن کی ایک دنیا اور تھی، جس پہ اس کا کوئی حق نہ تھا۔ وہ کب آتے ہیں اور کس حالت میں۔ یہ اس سے پوچھنے کی بات نہیں تھی کیونکہ محسن نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ کس طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور وہ ایک ایڈوانس دنیا کے باسی ہیں۔ اگر وہ ان کے ساتھ چل نہیں سکتی تو احتجاج کا حق نہیں ہے۔

شاید اس جادو بھری ایڈوانس دنیا میں یہی کچھ ہوتا ہو گا۔ میں نے تو ساری دنیا سے ناتا توڑ کر اس خوبصورت گھر میں پناہ لے لی ہے۔ محسن صرف اس کا ہے، بس یہی سب سے بڑا تاج ہے۔ باقی بھٹکے ہوئے مسافر کو چند دن، چند ماہ میں راہ راست پہ لانا آسان نہیں ہے۔ تہذیب کے رنگین لوگ اسی مزاج کے ہوتے ہیں۔ نوابی رنگ ڈھنگ میں وہ ڈوبے رہے ہیں۔

سو سال کی غلامی نے جو لیپ کیا ہے اس کا نشہ ابھی تک کچھ لوگوں میں باقی ہے اور محسن ان ہی لوگوں میں سے ایک ہیں۔ اپنے ملک اور قوم کو برا کہنا، اپنی تہذیب کو زمین سے نیچے کر چھوڑنا، پھر کہنا یہ ان کے اندر کا احساس ہے۔ شاید یہ بات بھول گئے جس طبقے سے آتا شعور ملا

کیا ہے کہ اب ملک میں تم ان سے بہتر رہ رہے ہو — اور پھر بھی شکوہ ہے۔ ہر چیز میں نقص ہے۔ اپنے وطن کے انسانوں سے، اپنی سرزمین کے اس خطے سے جس نے تمہیں چلنا سکھایا، جس نے تمہیں شعور دیا۔

خیر چھوڑو، یہی باتیں تو ہیں کہ محسن مجھے دقیانوسی کہتے ہیں —

خیر یہ ان کی سوچ کا انداز ہے۔ میں آہستہ آہستہ بدل دوں گی۔

محبت بڑی طاقتور ہوتی ہے۔ اف میں بھی کہاں سے کہاں بھٹک گئی۔ اماں کا خط لکھتے لکھتے — اگر اماں کو یہ سب پتا لگ جائے تو خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ اماں کا خط آج تو پورا ہی کر دوں۔ پچھلے دو مہینے کے خط سے اماں کو تسلی نہیں ہوئی۔ کئی بار پڑھ کر سنانا تھا۔ آخر میں انہوں نے سدرہ سے کہا۔ اب میں خود پڑھوں گی آرام سے۔ لہٰذا سدرہ نے لکھا تھا۔

"میرا! اب کے جو خط بھیجو تو دس بارہ صفحوں کا ہو تاکہ اماں اپنی کمزور نظر کا بوجھ بھی برداشت کر سکیں کیونکہ پچھلا خط وہ بارہ گھنٹے کے بعد ہاتھ سے اماں نے جھپٹ لیا کہ دو صفحے تو ہیں، عینک لگا کر پڑھ لوں گی۔ مزہ نہیں آیا ہے۔"

ہنستے ہنستے مائرہ نے قلم بند کر کے میز پر رکھا اور کئی صفحوں کے پلندے کو ایک لفافے میں بند کر کے اسے ہونٹوں سے لگایا۔

"اے میرے پیارے خط، دور پردیس میں رہتی ہوئی مائرہ کا سلام سب کو پہنچانا۔ تو کتنا خوش نصیب ہے کہ تو ہمارے پیاروں کے ہاتھوں میں جائے گا۔ خدا حافظ۔"

اس نے آخری بار اماں کے خط کو چوما جو قریب رکھا ہوا تھا اور پھر سائیڈ لیمپ بجھا کر اٹھ کر آ گئی۔

عجیب انداز ہے محسن کا، کبھی تو یوں نظر انداز کرتے ہیں اور کبھی محبت کے خزانے خالی ہو جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے وہ محبت کی نظر اندازی پر خود یک طرفہ اختیارات چاہتے ہیں۔ میں اگر صحیح بات بھی کروں تو وہ غلط ہے۔ صرف وہ جو کہہ دیتے ہیں وہی سچ ہے۔ بہت تکلیف دہ ہوتی ہے ایسی سچویشن خالص برٹش مائنڈڈ ہے۔

آج پتا ہے محسن بہت خوش ہیں۔

"میرا — میرا —" وہ اسے آواز دے رہے تھے۔ "کافی دن ہو گئے، تمہیں پیرس آئے ہوئے تم نے تو ایک بار بھی شاپنگ نہیں کی۔ آج سارا دن ہم باہر گزاریں گے اور ڈھیر ساری شاپنگ کریں گے۔"

"سچ —؟"

"آف کورس۔"

"لیکن محسن، ضرورت کی تو ہر چیز موجود ہے۔ پھر — بھلا کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ کی خریداری کی۔" میرا نے چائے کی پیالی باہر لان میں تھماتے ہوئے کہا۔

"اوہ میرا — تم کیسی بیک ورڈ اور لیزی گرل ہو۔ دنیا یہاں پیرس آنے کی دعائیں کرتی ہے اور تم ہو کہ میری غیر موجودگی میں بھی گھر کے اندر بند رہتی ہے۔"

"لیکن محسن جن چیزوں پر اعتراض کرتے ہو شاید تمہیں یاد نہیں کہ ان ہی چیزوں کی تمہیں تلاش تھی۔ میرا یہی انداز تمہیں پسند تھا۔"

"غلط — میرا غلط۔ تمہارا سب سے پیارا اور خوبصورت انداز تو وہ تھا کہ تم ایک اچھی لُک ہو۔"

"تو کیا میں اس معیار پر پوری نہیں اترتی ہوں؟"

"ہوں — ابھی امتحان باقی ہے۔ کسی دن دیکھوں گا۔"

"کیا مطلب ہے محسن، کیا ریسٹورنٹ میں باورچی لگا کر ہی سند دیں گے؟" میرا نے ہنستے ہوئے کہا تو محسن نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

"اگر ضرورت پڑی تو — ہاں، مجھے یاد آیا، کچھ عرصے کے لیے جیسمین چھٹی پر جا رہی ہے تو کچھ وقت کے لیے کچن ہی چلی جایا کرو۔"

"میں —؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے بھئی، اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ تم تو ویسے بھی بور ہوتی ہو — اور دیکھو میں تو بہت مصروف ہوتا ہوں، اتنا وقت میں اس ہوٹل پر نہیں دے سکتا۔"

پتا نہیں کیوں مجھے آج — محسن کی یہ بات اچھی نہیں لگی۔ کیوں آج ذہن خدشات سے بھر گیا ہے۔ میں نے ڈھیر دن شاپنگ کی ہے۔ محسن کہتے ہیں کہ میں جلد ہی پاکستان کا بھی چکر لگاؤں۔ مجھے خوش کرنے کے طریقے جانتے ہیں۔ ایک عورت کی کمزوریاں اس کا گھر

www.pkdigest.com

اس کی محبتیں ہوتی ہیں۔
اماں اور سدرہ کے لیے ڈھیروں چیزیں خریدی ہیں لیکن پھر بھی تسلی نہیں ہوئی۔ محسن پیسے کے معاملے میں خاصے فراخدل ہیں۔

آج اتوار کا دن ہے۔ پہلی بار میں آج محسن کے ہمراہ اس ریسٹورنٹ میں آئی ہوں جہاں بے انتہا رش ہے۔ ہر شخص بہت مصروف ہے۔ جیسمین کی جگہ خالی ہے۔ مجھے نہیں معلوم جیسمین کون ہے اور کہاں گئی ہے اور کب آئے گی۔ بس وہ ہمارے ریسٹورنٹ کی ایک اچھی لگتی ہے اور جس کی کمی پوری کرنے کے لیے میں یہاں آگئی ہوں۔

جب وہ واپس آجائے گی تو میں ہرگز ہرگز یہاں پر ایپرن باندھ کر بیروں کے ساتھ کام نہیں کروں گی کیونکہ مجھے اس طرح سے اچھا نہیں لگتا۔

اُف خدایا۔ میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔ ذہنی طور پر میں بالکل تھک چکی ہوں۔ صبح چھ بجے میں گھر سے نکل جاتی ہوں۔ محسن ڈراپ کرتے ہیں۔ ایک ایک منٹ گھڑی کی سوئیوں کی طرح میں حرکت میں رہتی ہوں ورنہ محسن کا موڈ آف ہو جاتا ہے۔ رات میں ایک بجے گھر آتی ہوں تھک کے چور ہو جاتی ہوں۔ اتنا کام ہوتا ہے اس ریسٹورنٹ میں کہ ایک پل کے لیے بھی نہیں بیٹھ سکتی۔

ہر چند کہ سدا کام مشینوں پر ہوتا ہے لیکن پھر بھی ان مشینوں کے ساتھ بے جان پرزوں کی طرح لگا رہنا پڑتا ہے۔ ہمارے بہترین کھانوں کی دھوم کوئی اہل پیرس سے پوچھے جہاں دنیا بھر کے سیاح آتے ہیں۔

اور تھکن کا حال کوئی مجھ سے پوچھے اور کبھی کبھی اب یوں بھی ہوتا ہے کہ محسن گھر آ رہے ہوتے ہیں تو میں تیار ہو کر جا رہی ہوتی ہوں۔ اب تو ہماری ملاقات یوں ہوتی ہے گویا ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی نہیں بلکہ روم میٹ ہیں۔ جو رات کے صرف چند گھنٹے ایک کمرے میں گزارتے ہیں اور باقی دن اور رات کا حصہ الگ الگ۔ اب تو میں پیرس کی خوبصورت شاپس پر نہ صرف شاپنگ کرتی ہوں بلکہ اب تو میں اس کی بھیڑ میں کھوتی جا رہی ہوں۔ اس کی خوبصورتی، اس کی رونق سب میرے خوابوں کی طرح تھک کر سو گئی ہے۔ شانزے کے کنارے لگے ہوئے برف سے بھرے درخت جو کبھی پاگل کر دینے والے مناظر رکھتے تھے اب وہ وحشی خودرو جنگل لگتے ہیں۔ ننھی ننھی ریشم جیسی پھوار سے برف کا دھواں بھاپ بن کر گر رہا تھا۔

آہستہ آہستہ شاہ بلوط کے درخت سفید دھند میں ڈوب گئے تھے۔ پیرس کی رونق دنیا بھر کے سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ کرسمس قریب آ رہا ہے۔ سین کے کناروں پر برفباری کے حسین مناظر لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں۔ پورا شہر روشنیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہر طرف دھند بادل خواب جیسا سماں۔ ہر گھر کے اندر ایک خوبصورت کرسمس درخت جس پر رنگین چھوٹے چھوٹے قمقمے اور سرخ رنگ کے تحفے لٹک رہے ہیں۔ ہر گھر ہر جگہ ایک خواب کی طرح نظر آ رہی ہے۔

بارہ بجنے سے پہلے لوگوں نے روشنیاں گل کر دی ہیں۔ اب ہلکی ہلکی روشنی اور درختوں سے بتی قمقمے جھلملا رہے ہیں۔ شاہ بلوط کے درخت برف کی تہہ میں ڈوب چکے۔ دریائے سین کے کنارے سیاحوں کی بھیڑ اور اس کے اوپر تیرتے ہوئے مکان اور کشتیاں جن کے اندر کرسمس کے درخت خوبصورت چراغوں کی طرح دور سے نظر آ رہے ہیں۔ لوگ رقص میں محو ہیں۔ سارا پیرس جگمگاتی برف کی چادر میں لپٹا ہوا ہے کہ تمام پیرس کے کلیساؤں کے گھڑیال زور زور سے بجنے لگے۔

آج کرسمس کی رات کا پہلا پہر ہے۔ لیکن آج میرا کے دل کے اندر اتنی دھند چھائی ہے کہ باہر اسے کچھ نظر نہ آیا سوائے اندھیروں کے جو تھکن سے چور چور کر رہے تھے یا اتنے آرڈر کرسمس پارٹیوں کے بک تھے کہ میرا نڈھال دکھائی دے رہی تھی اور محسن میاں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔

میرا کو تو کچھ یاد نہیں تھا۔ نہ گھر، نہ محسن اور نہ ہی آج پیرس کی خوبصورت رات جس کے لیے لوگ دنیا بھر سے اکٹھے ہوتے تھے۔ بس اسے ایک ہی چیز یاد تھی سارے آرڈر پورے کرنے ہیں۔ اس نے کئی بار محسن سے کہا تھا۔

"پلیز محسن! اب یہ آرڈر بک کروانا بند کر دو میں اتنا کام نہیں کر سکوں گی۔"

"نہیں میرا، ہر حالت میں تمام آرڈر جو خاص طور پر بہت اہم ہیں پورے کرنے ہیں۔ اس سے پہلے جیسمین تو تمام آرڈر بغیر کہے ہوئے ریسیو کرتی تھی۔ اور یہ تو ورکنگ کی بات ہے۔ کوئی آرڈر کینسل نہیں ہوگا۔ سمجھیں آپ؟"

محسن بار کی طرف مڑ کر چلے گئے۔

"واہ میرا واہ۔" اپنے اور محسن کے درمیان کوئی حد تو قائم کرو۔ یہ رشتوں کے بھرم کتنے نازک ہو گئے ہیں۔ محسن کی ضرورت میں نہیں ہوں۔ صرف پیسہ ہے اور میرا تم پاکستانی سب سے اچھی بہترین لگ، بستی اور بہت سستی صرف اور صرف کچھ نہیں۔ تمام ملازمین جا چکے ہیں۔ اور میرا تم کل کی تیاریوں میں مصروف صرف ایک ملازم کے ساتھ اور وہ گھر۔ جہاں تم صرف رات کے چند گھنٹوں کے لیے جاتی ہو۔

کس قدر خوش ہیں یہ لوگ آج کی رات اور خوشی میں ریسٹورنٹ کے خوبصورت لان میں بڑے سے رنگین کرسمس درخت کے سامنے کئی جوڑے رقص کر رہے ہیں اور اس بھیڑ میں محسن نمایاں ہیں لیکن وہ اپنے ہوش میں کہاں ہیں۔ انہیں تو یہ بھی یاد نہیں کہ میرا کون ہے اور آج کی رات میرا کس قدر بھاری ہے۔ اب تو رات بھیگ بھیگ کر [illegible] کر سو گئی۔ نیند تو کانٹوں پر آ رہی تھی۔ پچھلی رات کا اندھیرا اب تک آنکھوں میں بھرا تھا۔ لیکن وہ ایپرن باندھے سٹاف کے ساتھ کچن میں کام کر رہی تھی۔ بڑے بڑے دیگچے تیز بجلی کے چولہوں پر دھرے ہوئے تھے۔ وہ یہی سوچ رہی تھی ہمارے اور محسن کے درمیان جو رشتہ اب نمایاں ہو رہا ہے اس کی حد کیا ہے۔ وہ بیوی ہے تو اس کی ذمہ داری کیا ہے اور اگر یہ صرف ایک بزنس ہے تو کوئی رشتہ واضح ہونا چاہیے۔ ورنہ یہ چھ ماہ کی گھٹن مجھے ختم کر دے گی لیکن اب نہ کوئی احتجاج تھا اور نہ ہی کوئی سوال بس وہ اپنی زندگی کے لمحے یوں گزارے جا رہی تھی جیسے کوئی لمحہ آ کر خود اسے جگا دے گا۔ پکار پکار کر کہہ اٹھے۔

میرا آنکھیں کھولو۔ محسن کی سنجیدگی ایک مذاق ثابت ہوگی لیکن ایسا کبھی نہ ہوا۔

بلکہ آہستہ آہستہ تمام ذمہ داری خاموشی سے اس کے کاندھے پر اس طرح آ پڑی کہ اسے احساس نہیں ہوا۔

آج پیرس کی صبح بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ سورج کی کرنیں ہرے بھرے سبزے کو موم کی طرح پگھلا رہی تھیں۔

درختوں سے ٹپکتا ہوا پانی خوبصورت لگ رہا تھا۔ جنگلی پھولوں کی بیلیں پھر سبز ہو رہی تھیں۔ برف میں چھپے رنگ نکل رہے تھے۔ بالکل اسی طرح سے ایک خیال ذہن میں دھند سے نکل کر آ گیا۔

یہ جیسمین کون ہے؟ اور اس کے آنے سے محسن کے شب و روز میں تبدیلی کیوں آ گئی۔ اب محسن رات کو بھی گھر نہیں آتے جب میں تھکی ہوئی آتی ہوں۔ بند کھڑکی سے باہر کی روشنیوں سے خوف آتا ہے۔ تب بھی نہیں۔ آنکھیں کھول کر دیکھوں تو ایک سیلاب زدہ بستی کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا۔ مجھے ہر پل خوفزدہ رکھتے ہیں۔ میں کون ہوں اور کہاں سے آ گئی ہوں؟ یہ گھر کس کا ہے؟ وہ سنہرے خواب جو پلکوں کے سائے تلے بکھرے رہتے تھے کیوں جل جل کر ٹوٹے ہو گئے ہیں۔ ان گلاب لمحوں کا حساب، ان راستوں کی مہک، میری چاہتوں کے خواب، میری منزل کیوں مجھے پور پور زخمی کرتی چلی جا رہی ہے۔ سکھیوں کی ہنسی، اپنوں کی محبت اور اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر ہنسا دینے والی بات، پھر کسی کی تمنا، چاہنے کے خواب کیوں دریائے سین کے گہرے پانی میں گر کر سو گئے ہیں۔ آکاش پہ تارے بجھ گئے ہیں۔ چاند گہنا گیا ہے اور آنکھیں خشک ہوتی جا رہی ہیں۔ یک دم اس سوچ سے کہ جیسمین کون ہے، دل دھڑکا جا رہا تھا تیز تیز۔ کبھی کبھی کوئی سرا کوئی گرہ ہاتھ آ جائے۔ تو ہاتھ میں پڑے ہوئے تنکے کی طرح اٹک جاتی ہے۔ تب دکھوں کے دریا ٹوٹ جاتے ہیں اور

—— میرا کے آنسوؤں سے دریائے سین کا پانی نمکین ہو جاتا ہے۔

دھرتی سسکتی ہے، ستارے ڈوب جاتے ہیں اور چاند دل میں ڈوب جاتا ہے۔ تب دل چاہتا ہے کہ آنچل کی گرہ سے آنکھوں کو سیراب کرتی رہوں۔ کوئی اپنا ہو تو دکھ رو لوں۔ کوئی اپنا کہے تو ہنس پڑوں۔ کوئی ہاتھ پکڑے تو میں مہک بن جاؤں —— خوشبو کا دریا بن کر ہواؤں میں اڑوں۔ کوئی تھامے تو میں رنگوں کی تتلی بن جاؤں، اڑتی اڑتی دور دیس نکل جاؤں۔ افشاں بھری بستی میں کھو جاؤں۔

لیکن نہیں، یہ بستی، یہ دریا، یہ حسن سب اندھا ہو گیا ہے۔ میں خواب ہوں، میں آنسو ہوں جو آنکھ سے ٹپکا

www.pkdigest.com

...ساتھ آنچل میں جذب ہوگیا۔ پھر صبح ہوئی۔ منزل کی طرف چل دیئے۔ محسن کی خاموشی اور بے اعتنائی خوفزدہ رکھتی ہے۔ کسی ہنستے ہوئے انسان کو خوفزدہ کرنا ہو تو بس بت بن کر بیٹھ جاؤ۔ پھر دیکھتے رہو کٹھ پتلی کا تماشا۔ جتنا وہ جیسمین کے بارے میں سوچتی رہی۔ سوچوں کے بھنور اسے توڑتے رہے۔ وہ تھکن سے نڈھال پھر بھی بھنور میں ڈوبتی ابھرتی رہی۔ پھر اچانک نہ جانے کہاں سے احتجاج کی ہمت یکجا کر لائی۔

"ہیلو جیسمین۔ ہاؤ آر یو؟"

"فائن۔ اور تم۔؟"

اور تم کی بازگشت سنائی دی۔ اس اجنبی شہر اس اجنبی ماحول میں کوئی ہم زبان وہ خود ہی قریب کے کاؤنٹر پر گھومتے ہوئے چانما وڈ کے بار کو تھام کر کھڑی ہوگئی۔ جیسمین غیرارادی طور پر میرا سے اردو میں مخاطب تھی اور میرا اس کے حلیے اور لباس پر حیران تھی۔ الفاظ کی بازگشت "اور تم کیسی ہو۔"

"تو جیسمین، تم اردو اسپیکنگ ہو؟"

اس نے بغیر میرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آف کورس۔"

"میرا۔ تم میرا ہو؟"

"ہاں۔ میں مائرہ ہوں، سب میرا کہتے ہیں۔"

"اور میں یاسمین ہوں۔ لوگ یہاں جیسمین کہتے ہیں۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔" جیسمین نے کہا۔ بےنیازی سے بوتل کھولی اور گلاس لے کر دوسری طرف چل دی۔

میرا کا دل چاہا کہ وہ یاسمین کو روک لے اور پوچھے کہ تم کون ہو؟ کہ اب نہ خواب آتے، نہ آنکھوں میں کلیاں کھلتیں۔ بس دن یونہی گزرتے جا رہے تھے۔

میرا کچن میں انتہا سے زیادہ مصروف تھی کہ پھر اچانک اسے یاسمین کا خیال آگیا۔ بس یونہی کسی سے وہ پوچھ بیٹھی۔ کیوں اس کی ملاقات اب یاسمین سے نہیں ہو رہی۔

"یو ڈونٹ نو ہو از شی (تمہیں نہیں پتا وہ کون ہے)؟" کیتھی نے تعجب سے پوچھا۔

"نو (نہیں)۔"

"شی از مسز محسن (وہ محسن کی بیوی ہے)۔"

"مسز محسن۔ نہیں نہیں۔ نو نو۔ آئی ایم مسز محسن" اس نے کیتھی کی طرف دیکھ کر کہا لیکن کیتھی بتا رہی تھی کہ نہیں تم سے پہلے یاسمین کچن میں کام کیا کرتی تھی۔ لیکن اب باس کو اہم کام کے لیے جیسمین کی ضرورت تھی۔ اس لیے وہ بار سے اٹیچ ہے اور باہر کے کام کرتی ہے۔"

"ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔" تو یاسمین جانتی ہے کہ میں کون ہوں؟ مجھ سے بہتر تو یاسمین ہے کہ وہ یہ تو جانتی ہے کہ میں کون ہوں۔ تجسس کو ایک ثبوت مل گیا تھا۔ وہ کیتھی کو جھٹلاتی رہی لیکن حقیقت کو کون آئینہ دکھلاتا۔ آنسو آنکھوں میں خشک ہوگئے۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے رات ایک بجے کچن سے باہر آئی۔ گھر کے تمام راستوں پر انگارے بھر گئے۔ ٹھنڈ سے زیادہ اس کے احساسات سرد ہو رہے تھے۔ گرتی ہوئی برف سے وہ بےخبر ریسٹورنٹ کے باہر ڈرائیور کے انتظار میں کھڑی تھی۔ ہارن کی آواز پر میرا نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر یاسمین عرف جیسمین براجمان تھی۔

میرا نے کھوئی کھوئی نظروں سے یاسمین کو دیکھا۔ لیکن احتجاج کے سارے راستے بند تھے۔ پھر کیا کسی سے شکایت کیا۔ یہ سونے کا پنجرہ ہے جس میں بند ہونے کے خواب اس کے اپنے تھے، منزلوں کی تھکن، یہ مسافت، یہ انتخاب اس کا اپنا تھا۔ تھکن سے پاؤں شل ہو رہے تھے۔

ہارن کی دوسری آواز پر اس نے نظر اٹھا کر بھی یاسمین کی طرف نہیں دیکھا۔ یاسمین خود گاڑی سے اتر کر اس کے پاس آگئی۔

"ہیلو میرا۔"

میرا ایک بت کی طرح اس کے ہاتھوں میں جھول گئی۔ لب خاموش، نہ صدا، نہ احتجاج۔ اعصابی تھکن سے نڈھال ہو کر وہ گر ہی پڑتی، اگر یاسمین اسے سہارا نہ دیتی۔

"میرا، میرا۔ بولو۔" لیکن میرا خاموش تھی۔

جیسمین نے بمشکل اسے گاڑی میں ڈالا اور اسے اس کی خواب گاہ میں پہنچا کر چلی گئی۔

رات چپکے چپکے اس کے دکھوں پر سسکتی رہی۔

خاموشی تنہا اپنی آنسوؤں بھری رات دریائے سین کے خوبصورت کناروں پر خوابوں کے ستارے گرتے رہے اور میرا اپنے بیڈ پر لیٹی رہی۔ ایک اچھی نیند سو جانے کی تمنا لے کر۔ سو کر ذرا اٹھنے کی خواہش، تھکن کی مسافت اپنی صبحوں اور راتوں کا حساب مانگتے ہوئے سوچتے ہوئے نہ جانے کتنے گلاب لے سو گئے رہے، بھٹکتے رہے۔ تمام راستوں پر قفل ڈالے اپنی تمام تر بےبسی کے ساتھ وہ دن چڑھے تک بستر پر لیٹی رہی۔ اس کی تو زندگی خود اتنی مصروف تھی کہ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ کل رات محسن کہاں رہے اور دن کب سر پہ آگیا۔

کال بیل کی آواز پر میرا اٹھ بیٹھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے یاسمین کھڑی تھی۔

"ہیلو میرا۔ اب کیسی ہو؟"

"شکریہ۔" اس نے اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔ تو یاسمین اندر چلی آئی۔

دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ تھوڑی دیر بعد یاسمین بولی۔

"میں نے تمہارے حالات کے بارے میں محسن کو الزام [illegible] کر دیا تھا میرا، محسن نے جب تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا تھا تو مجھے اس حقیقت کا علم تھا لیکن مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تم میری ذات سے لاعلم تھیں۔ باوجود کوشش کے میں تمہیں یہ تکلیف دہ خبر نہیں دینا چاہتی تھی کہ میں بھی مسز محسن ہوں۔ لیکن تمہیں جو دکھ پہنچا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔

میں ریسٹورنٹ کی اس بھاری ذمہ داری سے دستبردار ہونا چاہتی تھی۔ تم سے پہلے میں بھی اسی مقام پر تھی جہاں تم آج ہو۔ جب میں نے احتجاج کیا تو محسن نے مجھ سے اچھی لڑکی ڈھونڈ لی۔ نہ محسن میرا تھا اور نہ محسن تمہارا ہے۔ سر چھپانے کے لیے ایک آسرا ہے بس۔ وہ آج کل ریسٹورنٹ میں آئی نئی لڑکی [illegible] کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ شاید تیسرا پنچھی جال میں پھنسنے والا ہے۔"

میرا خاموش بیٹھی یاسمین کو تکتی رہی۔ ایک ایک لفظ کا زہر کانوں میں ٹپکتا رہا۔ اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ کر بکھرتی رہی۔ کب یاسمین اٹھ کر گئی اسے کچھ یاد نہیں۔

آج شب محسن نظر آئے لیکن لئے دیئے سرد رویے کے ساتھ کہ وہ باوجود کوشش کے کوئی استفسار نہ کر سکی۔ زندگی کے اس نئے انداز کے بارے میں نہ پوچھ سکی۔ فیصلے خود کرنا تھا۔ کسی ایک موڑ پر اسے خود ہی رک جانا تھا۔

دو دن سے وہ کام پر بھی نہیں گئی تھی۔ ذہنی اور جسمانی طور پر وہ خود کو تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ محسن نے پلٹ کر بھی نہیں پوچھا تھا کہ وہ کیسی ہے۔ کافی دیر سے بیٹھی وہ میگزین کے صفحے الٹ رہی تھی۔ میں یہ گھر چھوڑ دوں، واپس چلی جاؤں، محسن سے تمام رشتے توڑ لوں۔ اس ماحول میں گھٹ گھٹ کر صرف ایک ملازم کی طرح سے زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے میں کسی اور جگہ ملازمت کر لوں۔

کافی دنوں سے اماں کا خط نہیں آیا۔ اس نے ایک ہفتے سے لیٹر بکس بھی نہیں کھولا۔ شاید سدرہ نے خط لکھا ہو۔

وہ بس یونہی سوچتی ہوئی باہر آگئی۔ لیٹر بکس میں اماں کا خط دیکھ کر اٹھا لیا۔ وہ ایک بار پھر اپنی قسمت پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ آنسو کچھ خشک ہوئے تو یونہی بے مقصد دور شفاف پانی کی چادر کو تکتی رہی۔ وہ دریائے سین کے کنارے کنارے چلتی چلی گئی۔ ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل رہا تھا۔

ہوا میں جنگلی پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ قدرتی انداز میں چھپے ہوئے اس کنارے کو جہاں وہ کھڑی تھی، قدرت نے اپنی تمام خوبصورتی کا انمول خزانہ لٹا دیا تھا۔

شاہ بلوط اور بید کے درختوں پر سے پرندوں کی آوازیں دور سے آ رہی تھیں۔ وہ یونہی بے مقصد کھڑی رہی۔ گیلی مٹی اس کے قدموں تلے دبتی چلی گئی۔ کبھی کبھی نیولی کے پل سے کشتی گزرتی تو سکوت وجود میں حرکت ہوتی۔

کھڑے کھڑے تھک گئی تو گیلی مٹی پر بیٹھ کر بلا مقصد گھروندہ بناتی رہی۔ جب گھروندے کی دیواریں تیار ہوگئیں تو اس نے اپنے ہاتھوں سے بنتے ہوئے اس گھروندے کو خود ہی توڑ دیا۔ پاس کھڑے بچے جو بہت غور سے دیکھ رہے تھے، میرا سے اپنی

زبان میں پوچھ رہے تھے۔
"آپی۔۔۔ یہ بہت پیارا گھر تھا، آپ نے کیوں توڑ دیا؟"
"بچو مٹی کے گھر ٹوٹ ہی جایا کرتے ہیں۔" بچے کچھ نہ سمجھتے ہوئے چل دیئے۔

وہ وہیں گھنے درخت کے نیچے شفاف پانی کی چادر پر سدرہ کا خط تھامے بیٹھی رہی۔ کتنی بار پڑھنے کے باوجود خود میں تشنگی محسوس کر رہی تھی۔

یہ خط تو اس دنیا کے پھیلے ہوئے کناروں کی طرح ہے جو پھیلتا ہی چلا جائے گا۔ ان لفظوں کو اگر میں نے مقید کیا تو سدرہ اس دریا کی طرح ہو گی جس کا کوئی سرا نہیں، جس کی کوئی قید نہیں۔ انسان بھی دریا ہے اگر اس کے چاروں طرف حصار نہ باندھا جائے تو وہ خود رو پودوں کی طرح اندر ہی اندر بھر جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح شہتوت اور بید کے گھنے درخت ہیں۔ ان جنگلی بیلوں کی طرح جو پانی میں پھیلی پڑی ہیں۔

میرا گھر لوٹ جا، اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے۔ ایک ایک کر کے سفید پانی کی چادر پر اس کے گزرے ہوئے دن و رات گرتے رہے۔ وہ آنکھیں بند کرتی لیکن دریا سین کے پانیوں میں ہر شکل کا دائرہ ابھرتا اور بکھر جاتا۔ اماں ابا۔۔۔ اس دائرے میں یہ شکل بھابی کی ہے۔

میں اسے پہچانتی ہوں۔ اظہر بھائی کی شادی اور ہمارا فرسٹ ایئر کا رزلٹ دونوں ایک ساتھ خوشی بن کر آئے تھے۔ اماں کتنی خوش تھیں اور ہم لوگوں کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ لیکن یہ کیا بھابی کی جادو بھری محبت کچھ ایسی ثابت ہوئی کہ اس نے اماں کی جنت اور ہم سب کی محبت کو چند دنوں میں ہی چھین لیا۔ بھابی ہر وقت کمرے میں بند رہتیں۔ ہم لوگ اظہر بھائی سے باتیں کرنے کو ترس گئے۔ وہ بھی کیا دن تھے جب شام ڈھلتے ہی میں بڑے آنگن میں پانی کا چھڑکاؤ کر کے چھڑکاؤ لگاتی۔ سدرہ گھڑونچی پر رکھی سی پانی کی مٹکی لا کر رکھ دیتی۔ صحن میں بان کی چارپائی پر سفید چادر اماں ڈالتی تھیں۔ سنہری سنہری دھوپ جامن کے چھدرے پتوں سے چھن چھن کر صحن کی کچی دیوار پر گر رہی ہوتی۔

اظہر بھائی سیدھے ابا میاں کے بستر کے پاس پڑی ہوئی کین کی کرسی پر بیٹھ جاتے۔ گرم گرم چائے کی پیالی پیے وہ ابا میاں سے آفس کے بارے میں ڈسکس کرتے۔ اماں چوکی پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی ہوتیں۔

ابا میاں کی ریٹائرمنٹ کے بعد ہماری دونوں بہنیں سسرال کی ہو چکی تھیں۔ ان دونوں کی آمد ہم لوگوں کو نئی تکلیفوں میں مبتلا کر جاتی تھی۔ اظہر بھائی کی ملازمت نے اماں اور ابا کی پریشانیوں کو دھو ڈالا تھا۔ بس اماں کو تو ایک دھن سوار تھی۔ اظہر بھائی کی چاند سی دلہن آ جائے۔ چاند اترا، دلہن آئی مگر روشنی نہ رہی۔ وہ اظہر بھائی اب اس صحن میں بیٹھنے کے بجائے سیدھے کمرے میں چلے جاتے۔ ابا میاں خاموشی سے یہ دکھ جھیل تو گئے۔ مگر پھر اسی خاموشی سے وہ ایک رات ہم سے جدا ہو گئے۔ اماں ہر وقت خاموش رہتیں۔ میں اور سدرہ تنہا کمرے میں رہتے۔ اظہر بھائی اور بھابی جلد ہی گھر چھوڑ گئے۔ بھابی بڑے گھر کی تھیں اس لیے وہ اب مسلم لیگ کے کوارٹر میں رہتے ہوئے شرم محسوس کرتیں۔ صرف ہمارے گھر سے انہیں ڈگری یافتہ اظہر بھائی درکار تھے۔ ورنہ بقول ان کے ہم لوگ اس قابل نہ تھے۔ اماں نے جاتے وقت دعائیں ہی دی تھیں کہ جہاں رہیں بس وہ خوش رہیں۔ ہمارے مستقل رونے پر اماں سمجھاتیں کہ اچھا ہے کہ وہ اب خود مختار زندگی گزار رہے ہیں۔

اظہر بھائی جس طرح ہم لوگوں کو چھوڑ کر گئے۔ ہم خود کو تنہا محسوس کرتے۔ اب اماں ہر وقت اسی فکر میں رہنے لگیں کہ کسی نہ کسی طور مجھے اور سدرہ کو گھر سے رخصت کر دیں۔ ابھی میں نے انٹر ہی کیا تھا کہ خالہ زبیدہ نے روحیل کے نام کی انگوٹھی مجھے پہنا دی۔ روحیل، اماں، سدرہ سب ہی کو پسند تھا۔ خالہ زبیدہ کو اماں اور ہم لوگوں سے خاص ہمدردی تھی کہ ہمارے اور ان کے دکھ ایک سے تھے۔ سہیل بھائی بھی اظہر بھائی کی طرح خالہ سے جدا ہو گئے تھے۔ خالہ اپنی دونوں بیٹیوں اور روحیل کے ساتھ سامنے والے کوارٹر میں کچھ عرصہ پہلے آئی تھیں۔ ان کے برے دنوں میں اماں اور ابا میاں نے ان کو بیٹیوں کی طرح چاہا تھا۔ اسی لیے انہیں ہم لوگ بہت عزیز تھے۔

روحیل جو وقت کے ساتھ ساتھ جسم و جان میں شریانوں کی طرح پھیلتا چلا گیا۔ راحت، ناہید، سدرہ اور میں ساری ساری دوپہر جامن کے درخت کے نیچے کیرم بورڈ کھیلتے، کھانا بھی تقریباً اکٹھے ہی کھاتے۔ کھانا اس گھر میں تو پانی خالہ زبیدہ کے گھر جا پیتے۔ ہماری محبت پورے محلے میں مثال تھی۔ کبھی کبھی روحیل بھی شریک رہتا۔ اظہر بھائی کبھی کبھار ملنے کے لیے آ جایا کرتے اور جانے کے بعد اماں کا دامن بھیگا رہتا۔

میں نے پرائمری اسکول میں نوکری کر لی تھی۔ زندگی بہت مطمئن اور پرسکون تھی۔ روحیل کی تو سدرہ دیوانی تھی۔ ہر وقت چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ راحت، ناہید اور سدرہ تینوں مل کر مجھے تنگ کرتیں روحیل کے نام سے۔ وہ دن کس قدر خوبصورت لگتے۔ بظاہر میں سب سے ناراض رہتی لیکن دل اس چھیڑ چھاڑ پر ہنستا رہتا۔ رنگوں بھرے لمحوں کی جھنکار رہتی۔ راتوں کو ہم دیر تک چھتوں پر باتیں کرتے۔ اماں ہم سب کو ڈانٹتیں، ڈانٹ بھی اچھی لگتی۔ ہنسی کا دورہ تو سدرہ کو پڑتا تھا۔ ہنستے ہنستے آنسو چھلک پڑتے۔ خالہ زبیدہ آوازیں دیتی رہتیں لیکن راحت اور ناہید جانے کا نام نہ لیتی تھیں۔ خالہ بھی اماں کی طرح راحت اور ناہید کے لیے پریشان تھیں۔

روحیل نے گریجویشن کر لیا۔ لیکن نوکری کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ شاید اسی لیے ان کے ذہن پر ہر وقت ملک کی سوچ غالب رہتی۔ تلاش معاش نے مایوس کر دیا تھا۔ روحیل جلد از جلد ملک سے باہر جانا چاہتے تھے۔ خالہ زبیدہ سہیل بھائی کے بعد روحیل کو ہرگز کھونے کو تیار نہ تھیں۔ لیکن ایک روز آخر روحیل اپنے مستقبل کے لیے سہیل بھائی کے پاس پیرس چلے گئے۔ وہاں ان کا اپنا بزنس تھا۔ سہیل بھائی نے تو خالہ زبیدہ کو کبھی نہیں پوچھا تھا لیکن روحیل سہیل سے بہت مختلف تھے۔ ہر وقت سب کی فکر لگی رہتی۔ ایک سال میں خالہ زبیدہ کے گھر کا نقشہ بدل گیا۔ خالہ زبیدہ ایک دن کہہ رہی تھیں اب کوارٹروں میں کون ہماری بیٹیوں کو بیاہنے آئے گا۔ اماں تو یہ بات سن کر ہی ٹھنڈی پڑ گئیں۔ لیکن خالہ جا چکی تھیں۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے خالہ اپنا گھر بیچ کر چلی گئیں۔ جاتے ہوئے راحت اور ناہید بہت خوش تھیں لیکن ہم لوگ برسوں کی رفاقت پل میں رو رہے تھے۔ اماں نے خالہ کو بھی دعا دے کر رخصت کر دیا۔ خالہ نے نئے گھر میں بلایا تھا۔ کیا شاندار سنگ مرمر لگا تھا۔ روحیل ولا۔ لیکن میں اور اماں اس گھر میں ان فٹ لگ رہے تھے۔

ہاؤس وارمنگ پارٹی میں ناہید اور راحت اپنے نئے پڑوسیوں سے تعارف کروا رہی تھیں۔ لیکن میرا احساس مجھے شرمندہ کر رہا تھا۔ میں آج راحت اور ناہید کے درمیان ان فٹ لگ رہی تھی۔

پیسے نے جہاں خوشحالی دی تھی وہاں رہن سہن میں کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئی تھیں۔ یہ سمجھنے کی بات تھی۔ کل جو لوگ ایک پلیٹ میں کھاتے تھے۔ وہ کانٹوں اور چمچوں کا استعمال کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ ہم سب ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ راحت اور ناہید بھول چکی تھیں۔ ہم نے ایک اسکول میں ملازمت کر رکھی تھی اس لیے وقت گزر ہی جاتا۔

لیکن اماں ان لوگوں کے جانے کے بعد بہت تنہا ہو گئی تھیں۔ میری ہر سانس روحیل سے اٹکی تھی۔ روحیل کی خبریں اکثر ہی مل جایا کرتی تھیں۔ پڑوس میں روحیل کے دوست رہتے تھے۔ روحیل کو گئے ہوئے پانچ سال ہو گئے تھے۔ اور یہ پانچوں سال اپنے اندر سب سے زیادہ تلخیاں لایا۔ زبیدہ خالہ اماں کی تمام امیدوں کو توڑ گئیں۔ اماں کی بھی مجبوری راحت تھی۔ جن لوگوں نے راحت کو پسند کیا تھا، انہیں روحیل بھی پسند آ گیا تھا۔ اور خالہ یہ بازی ہارنا نہیں چاہتی تھیں۔ بقول خالہ روحیل خود بھی یہ چاہتا تھا۔

اماں چپ چپ رہنے لگیں۔ یہ خبر ہمیں زندہ درگور کر گئی۔ فاصلے جو محبتوں نے سمیٹے تھے، دور ہو گئے۔ ہمارے دکھ بانٹنے اکثر پڑوسی آتے۔ اماں کے پاس ایک ہی جواب تھا۔ بہن کوئی اچھا سا رشتہ بتانا۔ لیکن دور دور تک گئے۔ ہم غریبوں کے کوارٹر میں کسی نے بھی آ کر نہیں جھانکا اور جو آتے بھی تو ہماری غربت اور ہمیں دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ نہ انہیں حسن نظر آیا، نہ ذہانت، دولت گھر میں تھی نہیں۔ اب تو سدرہ بھی بی ایس سی کر چکی تھی۔ ایک ایک کر کے ساری سہیلیاں رخصت ہو چکی تھیں کوئی امریکہ تو کوئی انگلینڈ میں آباد تھیں۔

رات اماں پڑوس میں کسی شادی سے واپس آئی تھیں۔ رشتہ کسی اخبار سے طے پایا تھا اور لڑکی رخصت ہو کر ہالینڈ جا رہی تھی۔ اداسی رگ و پے میں بسنے لگی اور پھر روحیل، ناہید اور راحت بہت شدت سے یاد آئے۔

www.pkdigest.com

آنسوؤں سے تکیہ بھیگ گیا۔ سدرہ اٹھ کر پانی پیتی رہی۔ اماں رات بھر جائے نماز پر بیٹھی رہیں اور میں اماں کے خوف سے کروٹ بھی نہ بدل سکی کہ کہیں دل کا بھید نہ کھل جائے۔

صبح ہوئی تو حسب معمول میں اٹھی لیکن دروازے پر کھڑی رہی ہاکر کے انتظار میں۔ دوسرے دن سے گھر میں اخبار آنے لگا۔

اماں خود کو اس نئی امید سے بہلا رہی تھیں۔ بچاری ایک ایک اخبار کو سنبھال کر رکھنے لگیں کہ مہینے کے آخر میں بیچ دیں گی۔

ایک دن ایک اشتہار پر نظر ٹھہر گئی۔ ضرورت رشتہ کے کالم میں لکھا تھا۔

"صرف ایسی لڑکیاں جو بیرون ملک رہنا پسند کرتی ہوں۔ خود مختار لڑکیاں خود لکھیں۔"

ایک لمحہ کی دیر کیے بغیر میں نے اماں کی طرف سے خط لکھ کر پوسٹ کیا تھا۔ سدرہ میرے ساتھ اس راز میں شریک تھی۔ اماں بے خبر تھیں اور پتا نہیں کیوں میں نے انہیں بے خبر ہی رکھا۔

کچھ دنوں بعد آنے والی ڈاک میں کئی خط شامل تھے۔ سارے خطوں کو ہم نے اور سدرہ نے رات میں چھپ چھپ کر پڑھا کہ کہیں اماں کو خبر نہ ہو جائے۔ ڈاکٹر، انجینئر اور فارن سیٹل لوگوں کے کئی خط تھے۔ بس ایک خط پہ نظر ٹھہر کر رہ گئی۔

لڑکا پیرس میں مستقل رہائش پذیر ہے۔ اور اپنا ذاتی کاروبار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ صرف لڑکی کا امور خانہ داری میں ماہر ہونا شرط ہے۔

نجانے اس سے کتنے خواب روحیل کی شکل میں بن کر ٹوٹ گئے۔ تمام خطوں میں سے ایک خط چن ہی لیا۔ پتا نہیں کیوں؟

محسن ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اب ان سے ملنے کا مرحلہ آ گیا تھا۔ اماں کو آخر اطلاع دینی ہی پڑی۔ میرا خیال تھا اماں مجھے تو جان سے مار ڈالیں گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

محسن ہمارے گھر آ کر اماں سے ملے ساری تفصیلات اماں کو بتا دیں۔ میں خود مختار تھی۔ اس لیے اپنے فیصلے کا اختیار بھی مجھے تھا۔ محسن سے میں مل چکی تھی۔ اماں نے اظہر بھائی کو بلا کر بتایا تو وہ بھی راضی تھے اور بھلا کیوں نہ ہوتے محسن میں بظاہر کوئی برائی بھی نہ تھی۔

انہیں جلد ہی چلا جانا تھا۔ اس لیے نکاح پہلے رخصتی بعد میں طے پائی اور محسن ہر طرح کا اطمینان دلا کر واپس چلے گئے۔

میں ایک اچھا جیون ساتھی چن کر اور پیرس جا کر صرف اور صرف روحیل کو دکھانا چاہتی تھی کہ میں تم سے اچھی زندگی گزار رہی ہوں۔ اظہر بھائی اور بھابی اب ہر روز آتے۔ وہ بھی اب کافی بدل چکے تھے۔ اماں مطمئن تھیں کہ اظہر بھائی کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہو گیا۔ بھابی کا کہنا تھا کہ اماں تنہا نہیں رہ سکتیں۔ اس لیے وہ روز ادھر آ جاتی ہیں۔

محلے والے ہماری قسمت پر رشک کرتے اور میں بھی اب دن رات وہاں جانے کے خواب دیکھا کرتی۔ پھر پل پل مجھے وہاں جانے کا خیال ستاتا رہتا۔

کاش اس وقت۔۔۔ اس ایک پل کو میں اپنے انجام پر نظر ڈالتی تو شاید یوں تنہا اور سنسان جگہ پہ بیٹھی زندگی اور آنسو نہ بہا رہی ہوتی۔ ہر گزرا پل اس وقت مجھے رلا رہا تھا، دکھی کر رہا تھا۔ اس نے بھی دل کھول کر ان آنسوؤں کو بہنے دیا۔

"میرا ایک بار پھر فیصلہ کرنا ہے۔ جذباتی ہو کر نہیں بلکہ دماغ سے کام لے کر۔" اس نے روتے روتے خود سے کہا۔ "محسن نے اتنا بڑا جل دیا ہے تمہیں اب اپنے اور محسن کے درمیان کوئی ایسا رشتہ تلاش کرنا ہو جو تمہیں ان آنسوؤں سے نجات دلا جائے۔ جو اس شب کے بھیگے ہوئے دامن کو تم پر پھیلنے سے پہلے سمیٹ لے۔ زندگی کے ان انجانے راستوں پر چلتے چلتے تم تھک جاؤ گی۔ اگر جاؤ گی، ٹوٹ جاؤ گی۔ کسی ایک سرے پر رک جاؤ۔ یوں رات کے اندھیروں میں بھاگنے سے نجات کے رستے نہیں ملتے یوں کھو دینے سے راہ نہیں ملتی۔

یہ جنگل بیلوں کی طرح ہے۔ کیوں تم دریا میں ڈوب رہی ہو۔ خود رو پودے بھی اپنی حفاظت کرتے ہیں تم تو پھر بھی ایک انسان ہو۔ لوٹ جاؤ پھر اسی گھر جہاں کی

www.pkdigest.com

چھت اپنی تھی، خشک روٹی اور ایک پانی کا گلاس تمہارا اپنا تھا۔ لیکن یہ ریشمی چادر جو محسن نے تمہارے تن پر ڈالی ہے اس سے وہ کھدر کی ردا اچھی تھی جس میں تم اپنے جسم کو چھپائے رکھتی تھیں۔ جو دل کے زخموں کو چھپائے رکھتی تھی۔ لیکن یہاں پر ایک ایک ٹانکا ادھڑ کر باہر آرہا ہے۔ محنت کر کے اتنی تھکن نہیں محسوس ہوتی جتنی آج یہ جان کر ٹوٹ رہی ہوں کہ وہ شخص میرا ابھی نہیں ہے۔
ہر عورت ایک مکمل شوہر چاہتی ہے۔ تقسیم شدہ شوہر کی بیوی، ان قدرتی پھیلے ہوئے کناروں کی طرح ہے جن کا کوئی سرا نہیں جن کی کوئی منزل نہیں جو زخموں کی تپش بڑھا دیتے ہیں۔ جو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتے ہیں۔"
وہ بہت کچھ سوچتی رہی اور پھر آخر کار گھر لوٹ آئی۔
رات بستر پر لیٹ کر بھی وہ بے چین رہی کہ پچھلے تو گھر اور محسن کے علاوہ اپنی ذات بھی یاد نہیں رہی تھی۔ لیکن دو برسوں میں آج کیوں اتنی کسک بڑھ گئی ہے کہ نڈھال لگ رہی ہوں۔ اے خدا مجھے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔
اے خدا! میں نے آج فیصلہ تجھ پر چھوڑ دیا جو بہتر ہے کر دے۔
پیرس کی بھیگی رات کی طرح وہ سسک سسک کر رو رہی تھی، ٹھنڈک کا احساس بڑھ گیا تھا۔
محسن کے انتظار میں رات بیت رہی تھی لیکن محسن آج شب بھی گھر میں نہیں آئے تھے۔ ہاتھ میں دبا ہوا خط بھیگ کر نرم پڑ گیا تھا۔ وہ تھکے ہوئے مسافر کی طرح بے دم سی بیڈ پر پڑی تھی۔ اسے پھر سدرہ اور اماں یاد آگئیں۔ اس نے ایک بار پھر دل کی تسلی کے لیے ان کا خط پڑھنے بیٹھ گئی۔ اماں کے خط کے ساتھ ہی ایک اور خط تھا جس کو وہ آنسوؤں کی دھند میں نہیں پڑھ پائی تھی۔ آنکھوں کو میرا نے رگڑا اور پڑھنے لگی۔
اماں نے لکھا تھا کہ سدرہ کے منگیتر کو تم محسن سے کہہ کر وہاں بلوا لو صرف اظہر کے سسرال والوں نے بات طے کرتے وقت یہی شرط رکھی ہے۔ تم اس بات کا جواب کیوں نہیں دیتیں۔ وہ لوگ جواب کے منتظر ہیں میرا تمہاری بہن کے مستقبل کا سوال ہے۔ یہ کام ہر قیمت پر کر دو۔ ورنہ وہ لوگ رشتہ توڑ دیں گے۔

میرا۔ یہ کام ہر قیمت پر کر دو۔ میرا سدرہ کے خوابوں کی قیمت۔ میرا یاد ہے زیبو ماسی جو بمار کا آتی تھی۔ لیکن کتنی تھی کو گر پڑتی ہے۔ بے چاری ہر ماہ کسی نہ کسی کا زینہ دھوتے ہوئے گر جاتی تھی۔ حالانکہ سب جانتے تھے کہ اس کے شوہر نے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا ہے۔ پھر بھی وہ زخموں پر دوسروں سے پھاہا نہیں رکھواتی تھی۔
گھر ٹوٹنے سے سب پر قیامت ٹوٹ جائے گی بدنو پھر تیری ہی طرح کسی اخبار کا چکر کاٹے گی۔ سب کی بھتی جو وقت رخصت آنچل میں بھر لائی تھی، آنسوؤں میں ڈوب جائیں گی۔ اظہر بھائی اور بھابی بھی لوٹ جائیں گی۔
میرا سدرہ کی محبت کی قیمت کیا یہ آنسو ہیں۔ ہر آں کو چھینے کی مت مارو۔ میرا تم تو پہلے ہی مر چکی ہو۔ اب جن لوگوں کی قسمت تم سے وابستہ ہو چکی ہے ان کا خیال کرو۔
"دکھ دینے کا حق تمہارے پاس نہیں ہے میرا۔ آنسو کمزور کر دیں گے تمہیں۔ مت روؤ امت روؤ میرا۔" اس نے خود کو سمجھایا [illegible] دینے کے لیے کوئی بھی نہ تھا۔ ایک خدا کی ذات تھی جسے [illegible]
وہ رو رو کر اپنے لیے بہتری کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔
وہ ٹیرس پر ٹہل ٹہل کر کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتی تھی۔ من میں آگ سی دہک دہک کر سرد پڑ گئی۔ اور پھر آخر کار وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔ وہ محسن کے انتظار میں تھی اور سب کچھ کہہ دینا چاہتی تھی۔
نیلگوں آسمانی رنگ اندھیرے سے نکل رہا تھا۔ کلیسا کے آہنی دروازے پر آرچ بشپ کھڑا تھا۔ لوگ دریا کے کنارے اپنی اپنی دعاؤں میں مگن تھے۔
لیسے سے گاڑی کا گیٹ کھلا تو محسن گھر آ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ٹیرس سے بیڈروم میں واپس آگئی۔
"کیا ہوا ہے جو تم نے یہ حالت بنا رکھی ہے۔ یہ سب ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یاسمین کہہ رہی تھی کہ تم بیمار ہو تو بھی آرام کر لو ایک ہفتے تک۔"
میرا نے دزدیدہ نظروں سے محسن کو دیکھا اور اس کے سامنے ایک کاغذ رکھ دیا۔
"یہ کیا ہے؟" محسن نے کاغذ پر نظر دوڑاتے ہوئے

پوچھا۔ جس پر لکھا تھا۔
"ایک ماہ کی چھٹی، چھ ماہ کی ایڈوانس تنخواہ سدرہ کے منگیتر کے لیے ورک پرمٹ اور ایمپلائمنٹ ویزا چاہیے۔ ورنہ میں اس ہوٹل میں کام نہ کر سکوں گی۔ میں نے کسی دوسرے ہوٹل میں ملازمت کا بندوبست کر لیا ہے مسٹر"
میرا کو بے بس کر دینے والا محسن آج اس کے سامنے خاموش رہ گیا تھا۔ آج اسے پرچانا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ آج میرا کی بات کو رد کرنا بڑا مشکل تھا۔
اس نے حیرت سے میرا کو دیکھا جو کسی پتھر کی طرح اپنے فیصلے پر قائم تھی جس کی آنکھوں میں عزم اور ارادہ صاف جھلک رہا تھا۔
محسن نے کافی دیر کے بعد سوچ کر کہا۔
"ٹھیک ہے۔ ایمپلائمنٹ ویزے کا بندوبست ہو جائے گا لیکن انہیں چھ ماہ فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں کام کرنا پڑے گا۔"
میرا دکھتا ہوا دل لیے اماں کو خط لکھ رہی تھی آنسو بھل بھل کر گال پر بہہ رہے تھے لیکن اس نے اپنے محسن کا قرض اتار دیا تھا۔ کوئی ملال کوئی دکھ نہیں تھا۔
سب دکھ مٹا کر وہ ریسٹورنٹ کی طرف بہت تیزی سے خود ڈرائیو کر کے جا رہی تھی۔ شانزے کی خوبصورت رم جھم کرتی ہوا میں اور حسین لگ رہی تھی۔ شاہ بلوط کے پتے اس کے عزم اور ارادے کو داد تحسین دے رہے تھے۔
آخری موڑ کاٹ کر اس نے گاڑی کو روکا۔ اور آج اسی دریا کے کنارے اس نے ماثرہ حبیب کو دفنا دیا اور اب وہاں صرف میرا تھی جس نے وقت کی گرفت اب اپنے ہاتھ میں لے لی تھی کہ جو زندگی واپس لوٹ کر اب وہ گزارتی یہ اس سے کہیں بہتر تھی کہ واپسی کی صورت میں اب صرف جگ ہنسائی تھی۔ اور رسوائیاں اس کا مقدر ہوتیں۔
اماں اور سدرہ کی خوشیاں اس کے پیروں سے لپٹ گئی تھیں۔ کیا ہوا میرا، کچھ نہیں ہوا۔ کوئی طوفان آیا نہ ہی کوئی بجلی گری ہے صرف محسن نام کا ایک مجبوری کا لبادہ اوڑھ کر زندہ رہنا ہوگا اس بھیڑ میں۔ ورنہ کہاں جاؤ گی۔ اس حسین سمندر میں محسن کا نام ہی ایک سہارا ہوگا۔ اگر بے سہارا ہو کر گھر لوٹ جاؤ تو معاشرے کی دیواریں گھٹ جائیں گی اور ۔۔۔ پست ہو کر ختم ہو جاؤ گی ساتھ ہی اماں اور سدرہ بھی۔
"نہیں نہیں میرا نہیں۔ تمام دکھ تم خود تنہا دل میں اتار لو۔ محسن ہو سکتا ہے اور بھی کئی حصوں میں بٹ جائے لیکن تم بھی ایک حصہ ہو میرا۔ محسن کی زندگی کا۔" اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ گاڑی کا رخ ہوٹل کی طرف موڑ دیا۔

☆......☆......☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشاجی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	160/-

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

www.pkdigest.com

کاجل سے خفا آنکھیں

فوزیہ غزل

''آذین بھائی پاکستان آ رہے ہیں۔''
ثمرہ نے انہیں اندر آتے دیکھ کر زوردار آواز میں بتایا تھا۔

"Really" سدرہ نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''بالکل، ان کا صبح فون آیا ہے کہ وہ پرسوں رات تین بجے کی فلائٹ سے پاکستان پہنچ رہے ہیں'' ثمرہ کا لہجہ کھنک رہا تھا اور سدرہ کے ہمراہ کھڑی مبرا کے اندر سناٹے اتر گئے۔

''آذین واپس آ رہا ہے کیوں اور کس لیے! کیا یہ ضروری تھا کہ پانچ سال بعد جب یہ شخص واپس اس گھر میں آتا تو میں یہیں موجود ہوتی اس کی ذات سے متعلق تلخیوں کا زہر پینے کے لیے۔''
اس کی آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگیں

رہا تھا وہ اس شخص کے آنے سے پہلے کہیں غائب ہو جائے۔
گزرے اور آنے والے وقت کو سوچ کر دل چاہ
''وہ تو پہلے ہی ہواؤں میں اڑتا رہتا تھا۔ دوسروں کا مذاق اڑانا انہیں نیچا دکھانا اور دل شکنی کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا اب تو نیو یارک اور لندن کی یونیورسٹیوں میں وقت گزار کر وہ بالکل آسمان پر پہنچ چکا ہوگا۔'' مبرا نے پرسوچ انداز میں اک نظر سب کے چہروں پر ڈالی تھی۔ سب لوگ خوشی کا حسب توقع اظہار کر رہے تھے اور کرنا بھی چاہیے تھا۔ آذین اس گھر کا سب سے بڑا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ اپنی ذہانت خوش گفتاری اور جاذبیت سے سب کا دل موہ لیتا تھا اسے ہر شخص کے ساتھ اس کی دلچسپیوں کے مطابق گفتگو کرنے کا فن آتا تھا

مکمل ناول

اور اسی فن کے استعمال سے وہ ہر اک کو آئینے میں اتار لیتا تھا۔ ویسے ہی جیسے ایک دن اس گھر کے افراد کو اس کے خلاف شیشے میں اتار لیا تھا اور اس کا عکس دھندلاہٹوں کے حوالے کرکے خود پردیس جا بسا تھا۔

''ہاں پتا چل گیا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''تو تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔'' وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''خوشی میرے خیال میں ہمارے درمیان ایسا کوئی حوالہ نہیں جو باعث مسرت ہو جسے یاد کرکے میں اس کے آنے کی خبر پہ کوئی خوشگوار تبصرہ کروں۔''

''پھر بھی میرا وہ تمہارا فرسٹ کزن ہے اور......''

''Please اس کزن شپ کی نہ تو اس کی نظر میں کوئی اہمیت ہے نہ میری نظر میں جن لوگوں کے لیے اس سے رشتہ اور تعلق ہے وہ اس کے آنے کی خوشی میں بھنگڑے ڈالیں گیت گائیں I don't care'' وہ خشک انداز میں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

''کس قدر پرسکون زندگی گزر رہی تھی یہ پچھلے پانچ سال اس نے کیسے کشٹ کاٹنے کے بعد اپنے لیے جینے کے بہانے تلاشے تھے اور خود کو اک اونچے باوقار با اعتماد اور معزز مقام تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو سنجیدگی ذہانت اور برداشت کی بھٹی میں یہ چڑھا دیا تھا وہ لوگ جن کی نگاہوں میں بڑی محنت بڑے صبر اور بڑے حوصلے کے ساتھ اس نے اپنے لیے شفقت محبت اور نرمی کے چراغ جلائے تھے۔ وہ انہیں ماضی کی ذلالت اور تضحیک کے حوالے کرنے پھر آرہا تھا اس کے سکون کے سمندر میں اضطراب کی گہری لہریں اٹھنے لگی تھیں اور ان لہروں کی ہلچل دل کے سوئے درد کو پھر سے جگانے لگی تھی

خود کو حتی الامکان لاتعلق رکھتا ہے۔'' فیصلہ کرکے وہ ہلکی پھلکی ہوئی اور اس کے پاس آبیٹھی۔

''آیئے میرا آپی میں چائے لیے آپ کے انتظار میں تھی۔'' مبشرہ بولی۔

''نہیں مبشرہ اس وقت میرا چائے کا موڈ نہیں ہو رہا۔'' وہ بے دلی سے بولی۔

''کیوں آپ تو اس وقت لازماً چائے پیتی ہیں۔''

''ہاں مگر آج کینٹین سے دو دفعہ پی تھی اسی لیے مزید پینے کا موڈ نہیں ہو رہا تم سناؤ کیسا رہا تمہارا کالج ٹرپ۔'' وہ بات کا موضوع بدلتے بولی۔

''بہت زبردست مجھے معلوم نہ تھا کہ پاکستان کے پہاڑی علاقے اپنے دامن میں اتنا حسن سمیٹے ہوئے ہیں۔ مری نتھیا گلی چوٹی میراں سوات کالام اتنے حسین نظارے ایسی خوبصورت وادیاں اور قدرت کی اتنی دلفریب رعنائیاں کہ بس جی چاہتا تھا سب چھوڑ چھاڑ پلکیں موندے بس خوشبو بھری ان وادیوں کے حسن و سحر میں بیٹھے رہیں۔ یہ آٹھ دن یوں پلک جھپکتے گزرے کہ پتا ہی نہ چلا۔'' مبشرہ آنکھوں میں گزرے ایام کی چمک دمک لیے مسحور سی بولی۔

''اور دیکھو لو یہی خوبصورت وادیاں یہی دلفریب مناظر اور یہی ہنستے بستے چہرے ہم آنسوؤں اور آہوں سے غمزدہ دکھی اور رنجیدہ کر رہے ہیں۔ کتنی خوبصورت تھی یہ دنیا کتنا حسن دیا تھا رب نے ہمیں مگر ہمارے اندر کتنا فتنوں اور سازشوں نے اس کا سارا حسن دھندلا دیا۔''

''یہ تو ہے اور بڑا دکھ یہ ہے کہ ہم اسے بچانے کو اب بھی کچھ نہیں کر رہے منتظر ہیں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کہ کوئی آسمان سے اترے اور ہمارے دکھ ہمارے گناہ سنبھالے جبکہ ہم اپنی ناپاک منصوبوں کے ہاتھوں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے

کے بھی قابل نہیں رہے کجا کہ کسی انعام و اکرام کے۔

''خدا خیر کرے بہت سنجیدہ اور عالمانہ قسم کا ماحول بنا ہوا ہے۔'' سدرہ اپنا چائے کا کپ اٹھائے ان کے برابر آبیٹھی۔

''بس یونہی حالات حاضرہ پہ بات ہو گئی تھی تم کہو موڈ ہے تو ایک چکر مارکیٹ کا لگالیں مجھے کچھ ضروری بکس لینی ہیں اور دو نئے فلیٹ شوز۔'' میرا نے اسے پرخیال انداز میں دیکھا تھا۔

''ابھی گزشتہ ہفتے تو تم نے دو پنسل ہیل والے سینڈلز لیے ہیں۔'' سدرہ نے بھنویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔

''یار وہ تنگ کرتے ہیں آرام دہ انداز میں چلا نہیں جاتا اور تم تو جانتی ہو میرا سارا دن یونیورسٹی ڈیپارٹمنٹس کے چکر کاٹتے گزرتا ہے تو دقت ہوتی ہے چلنے میں اسی لیے سوچتی ہوں کہ چند سوفٹ چپل قسم کی اسٹائلش سی جوتیاں خرید لوں۔''

''او کے پھر چینج کرلو نعیم بھائی گھر پہ ہیں ان کی گاڑی لے لیتے ہیں ذرا ایڈجسٹ ہو جائے گی ٹائم کی۔'' سدرہ اٹھتے ہوئے بولی۔

☆......☆......☆

آج یونیورسٹی سے واپسی میں اسے کافی دیر ہوگئی کیونکہ اسے اسائنمنٹ کے لیے لائبریری سے بکس ایشو کروا کے کچھ اہم پوائنٹ نوٹ کرنے تھے وہ اور سدرہ بڑی تیزی سے اہم چیزیں نوٹ کرکے فارغ ہوئیں تو خاصا وقت ہو چکا تھا۔

گھر دیر سے آنا مسئلہ نہ تھا، مسئلہ بڑی امی کا پورشن تھا یہاں سے گزر کر اسے اپنے پورشن میں جانا پڑتا تھا اور بڑی امی کے ہاں آج کل ہر وقت میلہ سا لگا رہتا تھا آذین کے آنے کی اطلاع پا کے اس کا ذکر صبح و شام کا معمول بن چکا تھا اور اسے اس ذکر سے وحشت ہوتی تھی۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشاء جی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبر: 7321690-7310797

www.pkdigest.com

"کیا تھا جو یہ شخص کچھ اور دن میری زندگی پرسکون رہنے دیتا میں کچھ اور وقت بے فکری سے گزار لیتی۔" وہ گیٹ سے اندر آتے ہوئے سوچ کر رہ گئی۔

"بی بی آپ کو پتا ہے آذین باؤ پاکستان آنے والے ہیں۔"

گھریلو ملازمہ چھنوا سے دیکھتے ہی اپنے پہلے دانتوں کی نمائش کرتے بولی۔

"ہاں پتا چل گیا۔" وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی۔ اپنے معمول کے مطابق کپڑے بدل کے کھانا کھایا سب کو پوچھا اور آذین کے آنے کی خبر پر کوئی ردعمل ظاہر کیے بغیر وہ روزانہ کی طرح آج بھی نبرین چچی کے پورشن میں ثمرہ، سدرہ کے ساتھ بیٹھی اسائنمنٹ تیار کرتی رہی مختلف نکات پر بحث میں مصروف تھی۔ اگلے دو دن تک جان بوجھ کر اس نے خود کو صرف اپنے کمرے تک محدود رکھا اور تیسرے دن جب وہ کچن سے چائے کا مگ لے کر اپنے بیڈروم کی جانب جا رہی تھی تبھی آذین رافیل اور چچی پھپھو سے گلے ملتا لڑکیوں کے سروں پر شفقت سے ہاتھ رکھتا وہ بہت سوبر اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ تجلی چہرے پر سجے دلکش نقوش اپنوں سے ملنے کی خوشی میں تمتما رہے تھے۔ اور پہلے سے قدرے مضبوط کسرتی جسامت وہ ماضی سے زیادہ پرکشش نظر آ رہا تھا۔ وہ جو چائے سے بھرا مگ لیے جانے کو کھڑی تھی اک گہرا سانس لیتی آگے بڑھی۔

"کیسی ہو؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا لمحہ بر کو اس کی نظریں انھیں آذین کے چہرے پر گزری باتوں کا شائبہ تک نہ تھا۔

"فائن" وہ مختصر جواب دے کر فوراً مڑ گئی تھی۔ پھر اس نے سارا دن صرف آذین سے بچنے کے لیے سر درد کا بہانہ کر کے سو کر گزارا تھا۔ لیکن شام کو اسے ڈنر پر باہر نکلنا ہی پڑا کہ یہ بڑے کا حکم تھا چاہے کسی کو بھوک ہو یا نہ ہو لیکن شام کو تمام افراد دسترخوان پر موجود ہونے چاہئیں۔ نیا پہرہ وہ خاموشی سے امی کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور سالن پلیٹ میں نکال کر روٹی لینے کے لیے ہاٹ پاٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا اسی پل امی کے دوسری طرف بیٹھے آذین نے بھی روٹی اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ سے ٹکرائے پل بھر کے لیے اس کے اندر سناٹا ڈور گئی جلدی ہاتھ کھینچ کر وہ اٹھ گئی۔

"مبرا کیا ہوا، کھانا کھائے بغیر کیوں جا رہی ہو۔" بڑی امی نے فوراً ٹوک لیا۔ دل نہیں چاہ رہا ان ٹیکٹ میری طبیعت ٹھیک نہیں، آپ بس کسی سے کہہ کر چائے کا ایک کپ مجھے بھجوا دیں۔

"طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو پہلے بتانا تھا تمہارے لیے کچھ اور پکا لیتے۔" ممانے تشویش سے دیکھا۔

"یہ چاول لو اور تھوڑے کھا لو پھر چائے پی لینا۔" چچی نے اسے پلیٹ پکڑائی تو وہ پلیٹ لیے اپنے کمرے میں آ گئی اور کتنی دیر اپنے دائیں ہاتھ کو گھورتی رہی جس پر آذین کے مردانہ ہاتھ کا لمس ٹھہر سا گیا تھا۔

"کمینہ ذلیل خود تو بڑا پارسا بنتا ہے اور ایسی حرکت۔" وہ غصے سے بل کھا رہی تھی۔

"سمجھتا کیا ہے آخر یہ خود کو، اب میں پانچ سال پہلے والی ڈرپوک، دبو اور بے اعتمادی نوعمر لڑکی نہیں رہی جسے کوئی بھی الزام لگا کر کسی بھی طریقے سے دبایا دھمکایا جا سکتا ہے۔ اب میں ایک پراعتماد مضبوط اور باحوصلہ شخصیت کی مالک ہوں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جان چکی ہوں اور رہے تم آذین علی تو تمہارے دماغ تو میں منٹوں میں ٹھکانے لگا دوں گی۔"

آنکھیں بند کرنے سے قبل وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ بہت نامحسوس طریقے سے خود کو الگ تھلگ کر چکی تھی اور اس کا زیادہ وقت اسٹڈی روم میں گزرتا تھا رامین نعمان اور مبشرہ چونکہ اس سے اسٹڈیز میں ہیلپ لیتے تھے اور ان دنوں ان کے فائنل ٹرمز تھے سو وہ بڑی تن دہی سے انہیں تیاری کروا رہی تھی اور آذین یہ سب بہت خاموشی سے دیکھ رہا تھا اسے اچھی طرح یاد تھا یہ وہی مبرا تھی جس کی سکول رپورٹ ہمیشہ کمزور ہوتی تھی جو مرمر کے پاس ہونے کے نمبر لیا کرتی تھی اور اس وقت وہ پنجاب یونیورسٹی کی ٹاپ پوزیشن ہولڈر سٹوڈنٹ جو انگلش لٹریچر کے ماسٹرز کو عنقریب مکمل کرنے والی تھی، ایک اعتماد سے پر ذہین لڑکی بن چکی تھی اور یہ حیرت انگیز تبدیلی آئی کیسے نے یہی بات اس کے لیے حیرانی کا باعث تھی اور مبرا کے لیے اس شخص کا دوبارہ سے یوں آنا اور یکسر تبدیل شدہ انداز و اطوار کے ساتھ کہ وہ جو ہر وقت دوسروں کا مذاق اڑانا ان کی تحقیر و تذلیل میں لگا رہتا تھا اتنا ریزرو اور سنجیدہ کیسے رہنے لگا تھا باہر کی آب و ہوا تو اسے مزید بگاڑ دیتی نہ کہ سنوارتی۔

"خیر مجھے کیا جو بھی جیسا رہے میرا کون سا اس سے تعلق ہے کہ اپنا دماغ کھپاؤں۔ ویسے بھی چوہے کے لیے شیر کا بھیس بدلنا وہ بھی اتنے دن ممکن نہیں آخر کو اپنی اطوار پر آئے گا اور یہی لوگ جو اس کے متوازن اور سلجھے مزاج پہ تبصرے کرتے نہیں تھکتے منہ میں انگلیاں دابے نظر آئیں گے۔" وہ خود کو مطمئن کرتی ہوئی زیر لب مسکرائی۔

"آپی کیا بات ہے اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے۔" نعمان اچانک بولا تو وہ چونکی۔

"تمہارے لیے یہ جاننا ضروری نہیں تم اپنے سبق پہ دھیان دو۔" وہ ایکدم سے سخت مزاج ٹیوٹر بن گئی۔

"آپی سچ سچ بتائیں آپ پچھلے جنم میں کسی پرائمری سکول میں استانی تو نہیں رہیں۔" نعمان کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔

"کیوں" وہ اسے گھورنے لگی۔

"یہ رعب و دبدبہ اور ایسا گرجدار لہجہ تو دس بارہ پڑھی پرائمری کلاسز کے بچوں سے سر کھپائی کرتی عمر رسیدہ استانیوں کا ہوتا ہے۔"

"شٹ اپ، تم یہ انڈین موویز اور انڈین چینل کم دیکھا کرو کیونکہ ہمارے مذہب میں یہ جنوں والا کوئی چکر نہیں۔ وہ غرائی۔

"لیکن روح کو تازہ کرنا بھی انسان کا حق ہے۔" وہ فوراً بولا۔

روح تازہ کرنے کو اپنے رب کا ذکر کرو اچھے موضوعات پہ لکھی سنجیدہ کتابوں کا مطالعہ کرو۔" وہ نصیحتی لہجے میں بولی۔

"اور اگر ایسی کتابیں پڑھنے کو دل ہی نہ مانے تو....."

"کیسا بدتمیز ہے ذرا جو اسے فکر ہو ہنس کھیل کے وقت گزار گیا۔" وہ جھلا کر بولی۔

"آپ کو نہیں پتا آج آسٹریلیا اور سری لنکا میچ ہے اور وہ اسے کسی صورت مس نہیں کر سکتا۔" اظہر نے کہا تو وہ سر پکڑ کے رہ گئی۔

"آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے بڑے بھائی سیر تھے تو یہ سوا سیر وہ رات بھر یہ کرکٹ میچ دیکھتا تھا اور اگلے دن پرچہ خالی پکڑا آتا تھا، تو یہ کیوں پیچھے رہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"آپ نے ہم سے کچھ کہا۔" مبشرہ نے کتاب پر جھکا سر اوپر اٹھایا۔

"نہیں تم پڑھو اپنا۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی تھی۔

☆.....☆.....☆

"کیا ہوا تم کئی دن سے ہماری طرف آ ہی نہیں رہی ہو۔"

ثمرہ آج اسے پکڑ کر ہی بیٹھی۔

"یونیورسٹی سے آ کر اتنا تھک چکی ہوتی ہوں کہ کیا بتاؤں اور میں نہیں آتی تو تم نے کون سا راستے گھسا دیے۔"

www.pkdigest.com

"تھک تو تم پہلے بھی جاتی تھیں پھر بھی ہماری طرف لازماً آتی تھیں اور امی سے ملے بغیر تمہارا کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا تھا اور رہی میرے آنے کی بات تو تم بخوبی واقف ہو آذین بھائی کے ملنے جلنے والوں کا تانا بندھا رہتا ہے۔ میری کچن سے جان چھوٹے تو باہر نکلوں۔"

ثمرہ نے نان اسٹاپ بولتے ہوئے اسے گھورا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے سب کے ایسے ہی مسئلے ہوئے ہیں۔"

"تم کونسا وزیر ماحولیات بن گئی ہو کہ مسائل درپیش آگئے۔ اپنے گھر سے یہاں آتے میں کونسے مسئلے پیش ہونے لگے۔" ثمرہ چڑ کر بولی۔

"کیا یہ پوچھنے کی ضرورت ہے جبکہ وجہ سے تم وقف بھی ہو۔" وہ غیر معمولی سنجیدگی سے بولی۔

"سمرا تم ابھی تک اسی اک بات کو ذہن میں لیے بیٹھی ہو وہ ایک بچپنے کا قصہ تھا غلط یا درست تم دونوں میں کون تھا یہ کھوجنے کا بھی کسی کو ہوش نہ تھا جبکہ آذین بھائی تو—"

"Samra please leave this topic"

"میں اس سلسلے میں کچھ نہیں سننا چاہتی وہ بھی تم سے"

سمرا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو یوں اس طرح کرنے سے وقت گزر جائے گا جبکہ تم دونوں ایک گھر میں رہتے ہو اور دن میں کئی بار تم دونوں آمنے سامنے ہوتے آتے ہو تو ایک دوجے کو بلائے وقت گزرے گا۔ جبکہ اب تم دونوں اس ٹین ایج سے نکل کے میچور ایج میں آچکے ہو تو ایسی خفگیاں کیسے چلیں گی۔" ثمرہ لفظ لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولی۔

"یہ سب کچھ ایسے اور اسی انداز میں چلنا ہے اگر نہیں تو اپنے بھائی سے کہو وہ میری زندگی کے وہ دن وہ لمحے واپس کردے جو محض اس کی اک ناگوار شرارت کے عوض مجھے پل میں ارزاں کر گئے تھے۔ وہ سارے دن میں نے بے اعتباری کی آگ میں جھلتے گزارے تھے۔ وہ سارے لمحے جو دکھ کے کوہ گراں کو میری آنکھوں کے حوالے کر کے مجھ سے رونے کا حق بھی لے گئے تھے۔ وہ سارے پل جب میں نے اپنوں کی آنکھیں رویوں اور لہجوں میں نفرت، شک تضحیک اور تحقیر دیکھی تھی مجھے پانچ سال ہو گئے اس جھوٹی ملامت کے بوجھ تلے دبے خود کو نکالتے سنوارتے اور تم کہتی ہو میں اسی اک بات کو لیے بیٹھی ہوں وہ اک بات نہیں ہے۔ ثمرہ شرمندگی ندامت اور بے عزتی کا انمٹ داغ ہے جسے میری سانسوں نے ہر لمحہ اپنی پیشانی پر تپتے محسوس کیا ہے اور میں اپنے آئینہ پندار کو ذلتوں چور دیکھتے ہوئے کسی کو یہ بھی نہ کہہ پائی تھی کہ میں کتنی محتاط اور پارسا ہوں میرے لیے محبت پسند کے الفاظ جب کوئی معنی ہی نہ رکھتے تھے۔ میں ان کے مفہوم سے ہی لاعلم تھی اسی وقت مجھے ان کا شرمناک لباس پہنایا تھا تمہارے بھائی نے اور اپنے فعل پر ذرا شرمسار بھی نہ تھا پھر اس شخص کو میں کیسے معاف کردوں کیا مجھے کسی نے معاف کیا تھا۔ جبکہ میں بے گناہ بھی تھی اور وہ تو قصوروار بھی ہے۔" وہ دکھ سے گھولتے لہجے میں بولتی گئی۔

ثمرہ اسے دیکھتی رہ گئی چپ چاپ سنجیدہ۔

"ثمرہ جلدی سے کھانا لے آؤ، مجھے شدید بھوک لگی ہے۔" آذین باہر سے ہی بولتا آرہا تھا۔

"تم تو بیٹھو ادھر کدھ چلی ہو" ثمرہ نے اسے اٹھتے دیکھ کر ٹوکا۔

"بشرہ میرے انتظار میں کتابیں لیے بیٹھی ہوگی میں چلتی ہوں تم آجانا" وہ کہتی ہوئی مڑی تو لہراتا ہوا آسمانی آنچل اندر داخل ہوتے آذین

کے چہرے پر سے ہوتا ہوا گزر گیا وہ وہیں کھڑا اس کی خوشبو کو سانسوں میں اتارتا رہا یہ جانے بغیر کہ وہ اس کے متعلق کیا رائے رکھتی ہے۔

لمبی جاگتی راتوں کے
تنہا موسم میں
محبت کی ہتھیلی پر
یقین کا بدن رکھ دو
اپنی قبولیت کا شگن رکھ دو

☆—☆—☆

"یہ جاننے کے باوجود کہ اس شخص کا تذکرہ میرے لیے کس قدر تکلیف دہ ہے۔ کیوں بار بار مجھے اسی کے حوالے ملتے ہیں آخر یہ اک شخص میری زندگی سے نکل کیوں نہیں جاتا۔ شب سیاہ کی طویل اور خوفناک سیاہی کے تند میری زندگی کے شب و روز پہ چھایا ہوا کیوں ہے۔"

یہ طویل راتیں بھی بالآخر ختم ہو جاتی ہیں مگر غم کیوں ختم نہیں ہوتا، اور انسان ختم ہو جاتا ہے پر پھر بھی جیئے چلا جاتا ہے جیسے میں جیئے جاتی ہوں۔ اپنے خواب، خواہشات اور کو اپنے سامنے مرتے جلتے دیکھ کر بھی۔ بعض لوگوں پہ موت کتنی آسان ہوتی ہے مجھ پہ وہ بھی نہیں مہربان ہوئی۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بھلائی کے امیدوار ہوں اچھائی کے متمنی ہوں اور برائی پیش آجائے زندگی کے راستوں کو خوش امیدی کی روشنیوں سے جگمگانا چاہیں اور ان روشنیوں کو نا امیدی کا اندھیرا نگل جائے۔ تو خواب کیسے راکھ خواب بنے ہی نہیں دیتی بلکہ امیدوں آرزوؤں کو ویران کر دیتی ہے اور یہ ویرانی احساس و شعور کو یا گل کر دیتی ہے انسان لمحوں میں دوستوں کے ہاتھوں خود کو گنوا بیٹھتا ہے حوصلہ ٹوٹ جائے تو جیا نہیں جاتا ناں میرے بھی حوصلے ٹوٹ گئے تھے۔" سمرا کی پلکیں چھلکیں۔

"اور یہ حوصلے بد اعتمادی کے اس بیج نے توڑے تھے جو تم نے میرے بچپنے کے چہرے پر لگا دیا تھا اور میں بد اعتمادی و بے اعتباری کے اس بیج کو تناور بنتے دیکھتی رہی کہ تم نے میرے حق میں کوئی راستہ یا لہجہ چھوڑا ہی نہ تھا اس بے اعتباری کو اعتباری کا لباس پہنائے خود از لیتی کی منزلوں سے گزری یہ وہی لمحے جانتے ہیں جنہوں نے مجھے درد کے موسم جھیلتے اور پانیوں سے بھیگتے دیکھا ہے۔" وہ دکھی آنکھیں بند کر گئی۔

"اس درد کو میں جان سکتی ہوں صرف میں آذین علی کہ میں نے یہ درد اپنی ہر سانس یہ اپنے اندر سلگتا پایا ہے اس درد کو تم نے بخشا تھا آذین یہ درد مجھے تم نے سونپا تھا اس وقت جب میرے مسکراہٹوں، رنگوں، موسموں اور خوابوں سے آشنا ہونے کے دن تھے۔ میری مہکتی سوچ کے وہ زاویے جو زندگی کو صرف اک خوش کن احساس سمجھ رہے تھے۔ سنناہٹ کا بوجھ دے دیا اور میں خود کو کیسے جوڑ پائی اپنے کھڑے ہونے کو پاؤں بھر راستہ کن دقتوں سے بنایا یہ بھلا بولنے والی بات ہے۔ یہ سب بھولنے والا نہیں ہے اور جب مجھے یہ اذیتیں ہی نہیں بھولتیں تو تم کیسے بھول سکتے ہو آذین علی تم جو اک قاتل نفرت سنگ راہ کی صورت میرے راستوں پر کھڑے ہو اور میرے پاؤں کی دھن پھر سے بڑھنے لگی ہے اپنے سفر کی تختیوں کو سوچ کر دیکھ کر۔

پھر میں تمہیں کیسے معاف کروں معاف کرنا کیا اتنا آسان ہے، سب کے لیے تمہاری ہستی اہم ہے مگر میرے لیے صرف میرے وہ ماہ و سال اہم ہیں جو میں نے اک ناکردہ جرم کی تلافی کے طور پر خود کو آگ سے گزارتے ہوئے طے کیے۔ ان لمحوں کی تپش اب بھی میرے موجود سے آنچ دیتی ہے اور اس آنچ میں تم بھی سلگو گے اسی بے بسی اور خاموشی سے جیسے مجھے سلگایا تھا۔ میرا ہر درد تب مٹے گا جب تم درد سے گزرو گے۔ میرے سکون کا پیمانہ بھرے گا جب اضطراب تمہاری آنکھوں کو پانیوں کے حوالے کر دے گا۔" گہری رات کے

www.pkdigest.com

خواب بہار کی خوشبو بھری ساعتوں جیسے رنگین خواب۔'' وہ بہت مست انداز میں بولی۔

''یار تم اپنے خوابوں کا کوئی حدود د ربعہ تو بتاؤ تا کہ ہم ان کی تعبیر کا اسباب کر سکیں۔''

''بڑے عالیشان سے آفس میں ساڑی پہن کے پنسل ہیل کی ٹک ٹک کر کے چکنے صاف ستھرے فرش پر سو بر انداز میں چلتی بزنس وومن جو شاندار اور کشادہ سے ٹیبل پہ رکھی فائلوں کے پلندے پر سائن کر کے کنٹریکٹ کی منظوری دے رہی ہو۔''

''تم اور بزنس وومن گھٹنے کا لیکچر تو تم سے نوٹ نہیں کیا جاتا بزنس کلاسز کیسے پڑھوگی، بس پر روٹی پکانا سیکھ لو تو بہت کامیابی ہے۔'' نعمان اس کی بات پہ ہنستا ہوا بولا۔

''تم خاموش رہو میٹریل طوطے تم مرد لوگ کسی عورت کو ترقی کرتا کیسے دیکھ سکتے ہو۔ تم تو یہی چاہتے ہو کہ عورت بس چولہا چکی اور ریں ریں کرتے بچوں میں پھنسی اپنے حقوق سے بے خبر بے بس مخلوق بنی رہے اور تم لوگ عیش وعشرت میں پھنے خان بنے پھرتے رہو۔ دیکھ لینا وہ دن دور نہیں جب میں ایک کامیاب بزنس وومن ہوں گی اور تم جیسے مرد ذرا ذرا سے کام کے لیے ہاتھ باندھے میرے سامنے کھڑے جھڑکیاں کھایا کرو گے۔'' وہ گردن اکڑا کے بولی۔

''بس بس آنکھیں کھول دو ابھی تم زمین پہ کھڑی ہو اور پاؤں میں جوتے بھی نہیں پہلے جوتی کا بندوبست تو کرلو پھر آفس میں ٹک ٹک کر کے جانے کے خواب بھی دیکھ لینا وہ اس کے بال کھینچتے ہوئے وہ بولا تو اسے اچھی خاصی تپ چڑھ گئی۔

''تم کمینے انسان، بدتمیز کرتے شرم تو نہیں آئی۔''

''جب تمہیں دن دیہاڑے یہ اونچے اور چھوٹے خواب دیکھتے شرم نہیں آتی تو باقی سب ؟'' وہ پھر سے اس کے سر پر چپت لگاتا بولا۔

وہ تاؤ کھا کے اٹھی تھی کہ نعمان چھلانگیں لگاتا یہ جا وہ جا۔

''ویسے مبشرہ تم ٹھیک کہتی ہو ہم عورتوں کی بھی کیا زندگی ہے صبح صبح اٹھو اور نوکروں کی طرح کاموں میں جت برتن کپڑے دھونا استری کرنا بچے سنبھالنا آئے گئے کو دیکھنا، سکون تو جیسے زندگی سے ناپید ہو جاتا ہے اتنا کر کرا کے بھی جب ذرا سی بات پہ سب حساب کتاب چکتا ہو جائے تو دل جینے سے بیزار ہو جاتا ہے۔'' یاسمین بھابی اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''تو اور کیا مردوں کی تو عیش ہیں آرام سے اٹھے پریس شدہ کپڑے پہنے اچھا کھایا پیا اور ملازمت پر چلے گئے وہاں سے آکے آرام سے کھاپی کے چار گھڑی ٹی وی سنا کے سکون سے لیٹے زندگی تو یہ ہے۔'' سدرہ نے کہا۔

''خیر ابھی ایسا بھی نہیں مرد بھی بہت مشقت کرتے ہیں۔ کمانا اور سرد و گرم تلخیوں کے ساتھ کام کی سختیاں جھیلنا یہ سب اتنا آسان تو نہیں ہم لوگ تو گھر بیٹھے باتیں کر لیتی ہیں وہ باہر قسم قسم کے لوگوں اور رویوں کو دیکھتے ہیں یہ انہی کا کام ہے۔'' ثمرہ نے نکتہ اعتراض اٹھایا۔

''اور آج کا یہ ڈیبیٹ کمپٹیشن مس ثمرہ نے جیت لیا ہے اسی خوشی میں یہ سونے کا تاج ان کے سر پر رکھا جا رہا ہے۔'' نعمان ایک بار پھر نمودار ہوا خالی تربوز کے چھلکا اس کے سر پر رکھ دیا اور وہ تینوں ہنس ہنس کر دوہری ہوئی تھیں۔

☆......☆......☆

مبرا اور سدرہ یونیورسٹی جانے کے لیے ناشتہ کر کے تیار کھڑی تھیں مگر ڈرائیور کا کوئی پتا نہ تھا۔

''اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ مجھے ڈرائیونگ سیکھنے دیں بندہ ایسی دیر سویر میں یوں مشکل کا شکار تو نہ ہو۔ اب یہاں کھڑے پاگلوں کی طرح کسی مددگار کی راہ دیکھتے ہیں۔'' مبرا امی کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کوئی پاگل نہیں ہوتیں تم ابھی کوئی چھوڑ

سیاہ سناٹے کو دیکھتے نم نگاہوں سے وہ سوچتی گئی نیند اور سردی سے بے نیاز۔

جو دل پر تحریر ہے وہ جرم معاف کون کرے!
وہ رسوائیاں بخشی ہوئی تیری معاف کون کرے!
سایا کر کے تلوار کا سنا دیا !
رائے سے حاکم کی اب اختلاف کون کرے!
ٹوٹے پندار کے زخم سی کر لہو کون کرے انگلیاں
دریدہ بدن پر سیاکس کا غلاف کون کرے

☆......☆......☆

''مبرا بیٹا تم تو لیٹ ہی یونیورسٹی جاؤ گی ناں۔''

بڑی امی اسے کچن میں آتے دیکھ کر بولیں۔

''آج مجھے جانا نہیں ہے پرسوں ایک بہت اہم ٹیسٹ ہے میں گھر رہ کر اس کی تیاری کروں گی۔'' وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے بولی۔

''تو پھر ایسا کرو آذین کے لیے چائے بنا دو اسے کسی کام سے جانا ہے۔'' وہ کوئی بہانہ بنا کے وہاں سے نکلنے والی تھی کہ آذین وہیں چلا آیا۔

''تم بیٹھو آذین یہ موٹی والا پراٹھا کھاؤ گرم گرم مبرا سے کہا ہے یہ تمہیں چائے بنا دے گی۔'' بڑی امی اسے کہتی ہوئی باہر نکلیں اور وہ جز بز ہوئی ساس پین میں چائے کے لیے پانی ڈالنے لگی۔

''تمہیں اچھی طرح معلوم ہے میری عادت کا کہ میں پانی والی چائے نہیں پیتا۔'' اس کے مصروف انداز کو دیکھتے ہوئے وہ ناگواری سے بولا۔

''مجھے تمہاری عادتوں کا بایو ڈیٹا معلوم نہیں اتنے نخرے کرنے ہیں تو خود بنا لو۔'' وہ بے رخی سے کہہ کر چولہے کے سامنے سے ہٹی۔

''اتنی روڈ کیوں ہو رہی ہو'' پہلے تو تم ایسے نہ تھی۔'' وہ کہہ اٹھا۔

''تمہیں میرے مزاج کی تلخی یا نرمی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ کھولتے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولی۔

''تعلق کیوں نہیں ہونا چاہیے ہمارا ایک مضبوط رشتہ ہے ہم کزنز ہیں۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

''تمہیں اس رشتے کے حوالے سے کوئی غرض نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ میں صرف ان رشتوں کو مانتی ہوں جو میرے سگے اور خونی رشتے ہیں۔ یہ آپسی تعلق داری سے میرا کوئی لنک نہیں۔'' وہ بے رخی سے بولی۔

''link تو بنانے سے بنتے ہیں۔'' وہ اپنی خوش نما آنکھوں کو جنبش دیتے ہوئے بولا۔

''مجھے ایسے تعلقات بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اس کا انداز خشک تھا۔

''مگر زندگی کو ایسے تعلق اور رشتوں کی بہت ضرورت ہے۔'' وہ ذرو دے کر بولا۔

''تم اپنے کام سے کام رکھو تمہیں میرے زندگی کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت ہے نہ آئندہ مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے کی اور مجھے بلانے یا مجھ سے گفتگو کرنے کی کوشش مت کرنا مجھے تم سے نفرت ہے۔'' چائے کا کپ اس کے سامنے رکھ کر وہ رکی نہیں تھی۔

اور آذین علی بالکل چپ چاپ میز کی چکنی سطح پر رکھے کپ پر نظریں جمائے اس کے قدموں کی دور ہوتی آہٹوں کو شمار کرتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

''کیا کر رہی ہو۔'' سدرہ نے پیچھے سے آکر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تھے اور وہ آنکھیں موندے بولی تھی۔

''خواب دیکھ رہی ہوں۔''

''کیسے خواب۔'' وہ اس کے برابر بیٹھی۔

''گلابی چمکتی دھوپ جیسے خواب گندم کے سنہری خوشوں جیسے مہکتے خواب ساون کی بے تحاشا اور اچانک گھر کے آنے والی مست بارش جیسے

www.pkdigest.com

آ سکے گا تم لوگوں کو۔'' ممی نے کہا۔

''وہ تو چھوڑ آئے گا مگر تب تک ہمارا پہلا پیریڈ مس ہو جائے گا اور بھلا یہ ڈرائیور گیا کہاں اس وقت اسے علم نہیں کہ ہمیں یونیورسٹی جانا ہے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''ابھی چھٹی لے کے گیا ہے وہ بیچارا اس کی بچی بیمار تھی گاؤں میں وہ اس کے بہتر علاج کے لیے اسے شہر لانے کے لیے گیا ہے۔'' ممی آرام سے بولیں۔

''تو جب آپ چھٹی دے رہی تھیں آپ کو یہ نہیں پتا تھا کہ ہمیں کتنا مسئلہ ہوتا ہے۔'' اسے خوا مخواہ تاؤ آئے جا رہا تھا۔

''تم ٹھہرو ذرا میں دیکھتی ہوں اگر فہیم بھائی اٹھ گئے ہوں تو وہ ہمیں آفس چھوڑ آئیں گے۔'' سدرہ کتابیں سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر باہر نکلی۔

''چلو تم دونوں میں نے آذین سے کہا ہے وہ آفس جاتے ہوئے تم لوگوں کو یونیورسٹی ڈراپ کر دے گا۔'' بڑی امی نے لاؤنج میں آتے ہوئے کہا تو اس کا موڈ پہلے سے زیادہ خراب ہو گیا مگر وہ ظاہر کیے بغیر سپاٹ سے انداز میں بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"Coming Girls" موبائل جیب میں رکھتے ہوئے بلیک کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس وہ کار پورچ سے نکالنے لگا۔ مبرا نے بہت اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھا پھر کتابیں سنبھالے قدم اٹھاتی پچھلا دروازہ کھول کے اندر بیٹھ گئی۔

''ایگزامز کب ہو رہے ہیں تم لوگوں کے۔'' وہ بیک مرر سے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''سر پہ ہی سمجھیں بس فائنل سمسٹرز کی تیاریاں ہی کر رہے ہیں۔'' جواب سدرہ نے دیا تھا۔

''تیاری کیسی ہے تم اکیڈمی وغیرہ جاتی ہو کہ نہیں۔''

''اکیڈمی جاتے ہیں اور تیاری بہت اچھی ہے سیکنڈ سمسٹر میں ہماری فرسٹ پوزیشن آئی تھی ارادہ ہے کہ یونیورسٹی کے ٹاپ پوزیشن ہولڈرز سٹوڈنٹ میں اپنا نام لکھوا لیں دیکھیں راوی کیا لکھتا ہے۔'' سدرہ ہنستے ہوئے بولی۔

''جاب وغیرہ کرو گی یا ماسٹرز کی ڈگری کو چولہے روٹی کی نذر کر دو گی۔''

''وقت پر منحصر ہے۔ فی الحال کوئی آئیڈیا نہیں۔''

سدرہ کے کہنے پر آذین نے لمحہ بھر خاموش سپاٹ تاثرات لیے بیٹھی مبرا کا چہرہ دیکھا تھا پھر گہرا سانس لے کر توجہ ڈرائیونگ کی طرف پہ سوال کیے جا رہا تھا مگر وہ کوئی تاثر دیے یا دلچسپی ظاہر کیے بغیر خفگی سے انداز میں بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔

''چھٹی کے ٹائم میں لینے آ جاؤں گا مجھے مس کال دے دینا۔''

انہیں اتارتے ہوئے وہ بولا تو مبرا ایسے تیزی سے یونیورسٹی کا گیٹ کراس کر گئی اور سدرہ سر ہلا کے اس کے پیچھے چلی گئی انہیں جاتے دیکھتے ہوئے وہ گاڑی ریورس کرنے لگا۔

☆......☆......☆

وہ کھانا کھانے کے بعد فریش ہونے کے لیے موسیقی کے ساتھ ڈرائی فروٹ سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ کیرم بورڈ کھیل رہے تھے۔ سب کزنز ہال کمرے میں اکٹھے تھے ہاؤ ہو کے شور نے ہنگامہ مچایا ہوا تھا۔ جب ملازمہ گلشن نے اندر جھانک کر بتایا۔

''مبرا بی بی آپ کو چھوٹی بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔''

''تم لوگ میرے آنے تک گوٹیں نہ ہلانا میں ممی کی بات سن کر آتی ہوں۔''

انہیں تاکید کر کے وہ ممی کے کمرے کی طرف آئی تو وہاں سے بڑی امی بڑے ابو اور اس کے ڈیڈی نکل رہے تھے۔ اسے حیرت اس لیے نہ ہوئی کہ

پہلے بھی یہ سب لوگ اکثر یونہی اکٹھے بیٹھا کرتے تھے اور نسرین چچی بھی ان لوگوں میں شامل ہوتی تھیں کبھی بچوں میں ان کی بیٹھک پارٹی تبدیل ہوتی رہتی تھی۔

''ممی آپ نے مجھے بلایا تھا۔'' مبرا اندر داخل ہوئی۔

''ہاں ادھر آ جاؤ میرے پاس۔'' انہوں نے اسے بیڈ پر بلا لیا۔

''کل سعدیہ اور ارشد آ رہے ہیں۔ تمہاری پھپھو بھی ہوں گی تم یونیورسٹی سے چھٹی کر لینا۔''

''ممی وہ لوگ ملتان سے آئیں گے آتے آتے دوپہر تو ہو جائے گی اور تب تک تو میں ویسے بھی یونیورسٹی سے آ جاؤں گی۔''

''نہیں تمہارا چھٹی کرنا بہتر ہے سدرہ اور ثمرہ بھی گھر ہوں گی تمہارا اکیلے جانا ٹھیک نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولیں۔

''اوکے چھٹی تو میں کر لوں گی لیکن صبح کیا کوئی خاص بات ہے۔'' وہ حیران ہوئی۔

''ثمرہ کے لیے پرپوزل لا رہی ہیں تمہاری پھپھو ارشد سے چھوٹے اظہر کا اور ان کا چھوٹا سا فنکشن کرنے کا ارادہ ہے ہوں گے تو بس گھر کے لوگ مگر، چونکہ ایک دو اور لڑکیوں کو پابند کرنے کا خیال ہے تو گھریلو تقریب میں باقاعدہ رسم ہو گی۔'' وہ خاصے تفصیلی انداز میں بولی تھی۔

''اوہ اچھی خبر ہے اور سرپرائزنگ بھی اور ثمرہ تو ویسے بھی اظہر سے بہت متاثر ہے۔'' پھر چونک کر پوچھا۔

''ویسے بھی دوسری لڑکیاں کون سی ہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ایک تو تمہاری پھپھو کی زنیرہ ہے جسے نسرین بھابی اپنے راحیل کے لیے پروپوز کریں گی اور دوسری تم ہو۔'' ممی کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''میں؟'' اس نے بے حد تحیر سے انگلی اپنی سمت کی تھی۔

''ہاں تمہارا پرپوزل بہت دیر سے اوکے تھا بس آذین کا انتظار تھا کہ وہ آ جائے تو باقاعدہ اعلان ہو جائے۔'' ممی کا انداز بہت سرسری سا تھا۔

''مگر ممی یوں اچانک مجھ سے پوچھے بنا مجھے بتائے بغیر۔'' وہ دکھ سے بولی۔

''لڑکا دیکھا بھالا اچھا سمجھا ہوا ہے اپنا بزنس ہے پھر گھر کی بات ہے اس میں پوچھنے بتانے کی ضرورت نہ تھی۔'' وہ آرام سے بولیں۔

''گھر کی بات کیا مطلب۔'' میں سمجھی نہیں۔'' وہ الجھ کے بولی۔

''آذین کے ساتھ تمہاری نسبت طے کر رہے ہیں تمہارے فائنل ٹرمز ہوتے ہی شادی کر دی جائے گی۔'' ممی جتنے سکون سے کہہ رہی تھیں وہ اسی شدت سے تڑپ کر بولی تھی۔

''کیا آذین کے ساتھ؟''

''ہم جانتے ہیں تمہیں اعتراض نہیں ہو گا۔ آذین میں کوئی خامی نہیں ہے اس کی وجہ سے اسے رد کیا جائے۔''

''ممی آپ کو پتا ہے کہ اس نے کیا کیا تھا میرے ساتھ کیسے مجھے تماشہ بنا دیا تھا سارے خاندان میں میرا کیریئر میرا مستقبل میری اسٹڈیز سب کچھ اس کی وجہ سے داؤ پہ لگ گیا تھا۔ نفرت ہے مجھے اس کمینہ فطرت انسان سے اور آپ زندگی بھر کے لیے مجھے اس کے حوالے کر رہی ہیں۔ میں بیٹی ہوں آپ کی اور آپ میرے ساتھ......'' وہ غم کی شدت سے رو پڑی تھی۔

''وہ بہت پہلے کی بات ہے اس وقت تم بچی تھیں جو ہوا پرانی بات ہے ویسے بھی غلطی سراسر تمہاری تھی ہم تو حیران ہیں کہ وہ کس قدر اعلا ظرف لڑکا ہے تمہارے متعلق سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نسبت پر خوش ہے۔''

ممی عقیدت و شرمندگی کے ملے جلے

www.pkdigest.com

جذبات سمیت بولی تھیں۔

"جب ماں ہو کر آپ ہی انصاف نہیں کر رہیں تو، وہ پھر غیر ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی شدت کرب سے۔ مگر وہ سختی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔

"لیکن آپ یہ جان لیں کہ آپ لوگوں کو میں خود پر تجربے کرنے نہیں دوں گی۔ کیونکہ مجھے بھی اپنی مرضی سے جینے کا اتنا ہی حق ہے جتنا آذین کو۔"

"تم پریشان مت ہو کوئی برا نہیں کر رہے ہم تمہارے ساتھ تم اچھی زندگی گزارو گی آذین کے ساتھ۔"

"اچھی زندگی آپ جانتی ہیں وہ اچھی زندگی کیسے ہوگی؟ کن امتحانوں سے گزورنگی اور وہ کیسا سلوک کرے گا میرے ساتھ" اس کی آواز پھٹ گئی۔

"آذین بہت Qualified اور Gerius شخص ہے ایسے لڑکا جو ایک شاندار بیک گراؤنڈ اور مضبوط پوزیشن رکھتا ہو پرسنالٹی وائز بھی پرکشش ہو تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہوگی تو اور کیس کے ساتھ ہوگی۔"

"آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ایسے جینیس اور قابل شخص کے لیے مس فٹ ہوں اس کے لائق نہیں اس کے ساتھ نہیں چل سکتی یہی سوچ کر مجھے بخش دیں۔" وہ پھر بلک اٹھی تھی۔ ساجدہ بیگم نے پریشانی سے اپنی بچی کو دیکھا تھا۔

"سب راضی ہیں۔ میں کیسے بنا وجہ کے یوں؟ تم سمجھ نہیں رہیں کیوں مجھے مشکلات کا شکار کر رہی ہو۔"

"مشکلات کا شکار تو آپ کر رہے ہیں وہ شخص کر رہا ہے جیسے اس نے مجھے چند سال پہلے کیا تھا اور میں یہ بتا رہی اب میں وہ سولہ سترہ سالہ دبو اور کمزور سی لڑکی نہیں رہی جو اپنے خلاف سب کچھ غلط ہوتے دیکھ کر بھی ڈر سے خاموش رہے۔ مجھے اپنے حق کے لیے بولنا اور لڑنا آ گیا ہے۔"

"مبرا یہ حماقانہ باتیں چھوڑو اپنے کمرے میں جاؤ۔" ساجدہ بیگم سختی سے بولیں۔ وہ چند لمحے بھیگی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر جھٹکے سے اٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

"آپی آپ دیکھیں ذرا سب کیا کر رہے ہیں میرے ساتھ صبح منگنی ہے سب طے ہو گیا صرف آذین کے کہنے پر اور مجھے کسی شمار میں نہیں رکھا گیا۔" اپنے سیل فون پر وہ سعدیہ سے شکوہ کر رہی تھی۔

"اور یہ ممی کو دیکھیں اوپر سے کتنی براڈ مائنڈڈ بنتی ہیں اور شادی جیسے اہم معاملے میں مجھے پوچھنا یا بتانا تک گوارہ کیا۔" وہ بھرائی آواز میں بولی۔

"کیا مطلب تم سے پوچھا نہیں ممی تو کہہ رہی تھیں تم سے پوچھ لیا ہے اور تمہاری رضامندی سے رشتہ طے ہو رہا ہے۔" سعدیہ پر حیرت سے بولی۔

"جھوٹ ہے آپی مجھ سے کسی نے کچھ کہا نہ مناسب بڑوں کی مرضی سے ہو رہا ہے۔"

"حیرت ہے کم از کم ممی کو تو تمہاری رائے لینا چاہیے تھی۔"

"رائے تو صرف آذین کی اہم ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے بنا کسی قصور کے مجھے ذلالت کے حوالے کر دیا تھا پھر بھی یہ سب اور آپ تو سعدیہ آپی میری سچائی اور بے گناہی کی سب سے بڑی گواہ ہیں۔ آج مجھے آپ کی گواہی اور ساتھ چاہیے۔ میں ہرگز اس شخص کے ساتھ شادی کے لیے رضامند نہیں۔" وہ بلک اٹھی۔

Tens مت ہو مبرا حوصلہ رکھو میں کل آ رہی ہوں ناں سب ٹھیک کر لوں گی۔ کوئی کچھ بھی کہے میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ ویسے ہی جیسے پانچ سال پہلے تم نے میرا ساتھ دیا تھا۔" سعدیہ اسے یقین دلاتے ہوئے بولی تھیں۔

"آپی مجھے بھنور میں چکرانے کے لیے تنہا

مت چھوڑیے گا۔ میں پہلے اس بھنور سے بہت مشکل سے نکلی ہوں اور میری ویل پاور اتنی نہیں ہے کہ بار بار خود کو دکھوں کی بھٹی میں تپتے سلگتے پگھلتے دیکھوں اور کہاں ضبط کا مظاہرہ کروں۔" وہ آنسوؤں سے بھرے لہجے میں بولی۔

"مبرا Be brave تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔ اپنے حواس کو قابو رکھو حوصلہ مت دو میرا یقین کرو میں کسی کو تمہارے ساتھ غلط کرنے نہیں دوں گی اور اب اپنے ذہن سے تمام تفکرات کو جھٹک دو خود کو پرسکون رکھو۔ آرام سے سو جاؤ۔ اس یقین کے ساتھ کہ تمہارے ساتھ اچھا ہوگا زندگی میں بہت سی خوشیاں تمہارے حصے کی ہیں تو تمہیں ضرور ملیں گی۔" سعدیہ رسان سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"Thanks آپی آپ کے کہے الفاظ نے مجھے اک حوصلہ سا دیا ہے۔"

"ہی حوصلے کو لے کر خود کو متوازن اور مضبوط رکھو اور بھروسا بھی رکھو خود پر کہ تم تنہا نہیں ہو تمہارے ساتھ کوئی برا نہیں کر سکتا کیونکہ تم خود بہت اچھی ہو اور اچھائی کو ڈیزرو کرتی ہو او کے اینڈ گڈ نائیٹ۔" انہوں نے الوداعی سلام کے ساتھ رابطہ منقطع کیا اور وہ کچھ دیر موبائل کی آف اسکرین کو دیکھتی رہی پھر نگاہیں اپنے کمرے کی مشرقی دیوار کے درمیان میں لگی گلاس ونڈو پر جما دیں۔

اس کے کمرے کے بالکل سامنے آذین کا کمرا تھا کھلی کھڑکی سے اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا وہ آفس سے آ کر فائلز لیے بیٹھا تھا بلیو جینز کے ساتھ لیمن کلر کی ٹی شرٹ پہنے وہ بہت ینگ سم لگ رہا تھا۔ پڑھتے ہوئے چونک کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا پھر بھٹکتی ہوئی نگاہیں کھڑکی کے پار بیٹھی مبرا پر گئی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ بے اختیار اٹھ کر اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔

"اس کی عمر تو دیکھیں چھوٹی سی ابھی دودھ کے دانت ٹوٹے نہیں اس کا یہ حال ہے تو آگے تو ماشاءاللہ۔" آذین کا استہزائیہ لہجہ گونجا تھا۔

"جب وہ خط میرے دوستوں نے پڑھا اور مجھے چھیڑا تو یقین جانیں کہ میں سوچ رہا تھا زمین پھٹے اور میں اسے میں سما جاؤں۔" وہ بولتا جا رہا تھا اور ممی اسے کھا جانے والی نگاہوں سے بس گھور رہی تھیں۔

"ذرا پڑھیں تو ایسی باتیں توبہ توبہ....."

وہ خط پڑھنے میں مصروف تھا اور ممی اس کی دھنائی میں۔

مبرا کی نگاہوں کے سامنے دھند چھانے لگی سر چکرا رہا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر دیے اپنے خوفناک ماضی سے پیچھا چھڑانے کی سعی کرنے لگی مگر یادیں تھیں کہ کسی آندھی طوفان کی مانند درد کے نوکیلے نشتر چبھوتے ہوئے اسے خار دار ماضی کے حوالے کرنے کے درپے تھیں۔ اس نے اپنے دکھتے سر کو تھامتے ہوئے ایک بار پھر چہرہ موڑ کر دیکھا وہ ابھی تک وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا بنا پلکیں جھپکائے۔

مبرا کی پلکوں سے کئی آنسو نکل کر رخساروں پر پھسل گئے اور ماضی کا سارا کرب ان آنسوؤں کے ساتھ ایک بار پھر اس کی رگوں میں پھلتا چلا گیا۔

کیا داستاں لکھوں؟
شکستگی پر ہواؤں کی
کہ ہاتھوں میں لہولہو
کہ انگلیاں ہیں کٹی ہوئی
تذکرہ کروں کیا؟
ان جاں توڑتی ساعتوں کا
جو آئی توڑتی ساعتوں کا
کہ رگیں دماغ کی ہیں پھٹی ہوئی
خواہشوں پر تبصرہ کوئی؟
ہو بھی تو بھلا کیا ہو اب

www.pkdigest.com

کہ اندرونی خلفشار کے ہاتھوں
سانس سانس ہے تھکا ہوا
ہر تار ہے دل کا کھنچا ہوا
وہ موسم کی دلکشی جو
قسمت میں اپنی تھی ہی نہیں
کہ ہر قدم تھا غبارِ راہ میں اٹا ہوا
وہ لمحہ زبان و بیان کا
گرفت میں نہ اس کا
کہ سوچ بھی کئی زاویوں میں بٹی ہوئی
کہانی سنائیں کیا؟
کہ ورق ورق ہے پھٹا ہوا
وہ جو مرکزِ نگاہ تھا
تھا راستوں سے ہٹا ہوا

☆......☆......☆

دودھ جیسی سفیدی میں ہلکی گلابی زمائش لیے چمکتی رنگت اور تیکھے نقوش والی گول مٹول بچی جو بے بی پنک کلر کی بہت خوبصورت فراک اور ہم رنگ سینڈل پہنے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آئی تھی اسے عباس اور ساجدہ اعجاز نے بہت محبت سے اپنے پاس بلایا تھا۔

"میری شہزادی بیٹی بہت پیاری لگ رہی ہے شہزادی کو تیار کس نے کیا ہے۔" اعجاز عباس اسے گود میں اٹھاتے ہوئے بولے تھے۔

"سعدیہ بجو نے۔" پانچ سالہ بچی بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"اب یہ کیسے پتا چلے کہ شہزادی نے جانا کہاں ہے۔"

"میکڈونلڈ۔" وہ فوراً بولی۔

"نہیں چھوٹی ممی آپ "Zoo" چلیں میں بھی ساتھ جاؤں گا۔"

نو سالہ آذین علی فوراً آگے بڑھ کے بولا تو اعجاز عباس اور ساجدہ ہنس دیے۔

"ضرور بیٹا ہم Zoo چلیں گے بھلا اپنے بیٹے کا کہا ہم کیسے ٹال سکتے ہیں۔"

"نہیں "Zoo" اتنی دفعہ گئے ہیں۔ اچھا۔ "میکڈونلڈ" چلنا ہے۔" ننھی مبرا نے بیر پٹخے۔

"میکڈونلڈ" اگلے ویک اینڈ پہ بھی اب جو ہمارا بیٹا چاہے گا وہ ہوگا۔"

ساجدہ آذین کو پیار کرتے ہوئے بولی اور آذین غرور سے مسکرایا اسے دیکھتے ہوئے۔

اور یہ پہلا لمحہ تھا جس نے اس کے دل کو تھاما تھا وہ معصوم سی بچی جو ہمیشہ اپنے والدین کو آذین پر پیار اور شفقت لٹاتے دیکھ کر چپ ہو جاتی تھی۔

اس کا دل بھی سوچتا تھا "یہ آذین علی ہمیشہ میری جگہ پر بیٹھ کے میرے حصے کا پیار چھین لیتا ہے یہ ایسا کیوں کرتا ہے اور چھوٹی ممی اسے گود میں بیٹھا کے پیار کرتی ہیں وہ آجائے فوراً مجھے پرے کر کے اس ناشتہ کروانا شروع کر دیتی ہیں اس کے نخرے کبھی آلو والا پراٹھا کبھی مولی والا پراٹھا کبھی ایگ سینڈوچ کبھی سادہ جیم توس اور ہم سب پورے کرتیں وہ بھی بیٹھی دیکھے جاتی۔" جو ساجدہ بیگم کو دھیان آجاتا تو کہتیں۔

"مبرا تم کیوں ہاتھ چھوڑ بیٹھیں کھاؤ ناں۔"

"ممی آپ کھلائیں۔" وہ لاڈ سے ٹھنکتی۔

"مبرا ضد نہ کیا کرو تم اب بچی نہیں رہیں بڑی ہو چکی ہو اپنے ہاتھ سے کھایا کرو۔" وہ جھڑکنے والے انداز میں کہتیں۔

"آذین تو مجھ سے بھی بڑا ہے اسے کیوں کھلاتی ہیں۔" وہ بولی

"چپ رہا کرو تم بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔" ممی نے اسے تھپڑ رسید کیا تھا۔

"ساجدہ" اعجاز عباس نے بہت دبنگ لہجے میں گھورا تھا۔

"دیکھ نہیں رہے آپ کیسے زبان چلانے لگی ہے۔" وہ بولی

"یہ سب تمہارے رویے کا قصور ہے تم بچی کو نظرانداز کر کے دوسرے بچوں کو اہمیت دو گی تو اس کے ذہن میں ایسے سوالات جنم لیں گے۔ وہ احساس کمتری کا شکار ہوتی جائے گی۔"

"اعجاز آپ کیا کہہ رہے ہیں اسے نظرانداز کرتی ہیں بھلا ان تین بچیوں کے علاوہ اور کیا ہے سارا دن ان ہی کے چاؤ چونچلوں میں مصروف گزرتا ہے۔"

"اپنے آپ کو نظرانداز کر دیا میں نے آپ کے لیے آپ کی بیٹیوں کے لیے۔ ایک نظر اعجاز پر ڈالی اور بولیں۔

"دل میں بیٹے کی خواہش تو ہے اب اگر یہ کمی پوری کرنے کو میں آذین پہ توجہ دیتی ہوں تو وہ آپ کو پسند نہیں ہے۔" وہ رونے لگی تھیں۔

اور اعجاز عباس کچھ کہہ نہ پائے تھے۔ کہ بیٹے کی خواہش تو ان کے دل میں بھی تھی مگر یہ قدرت کا فیصلہ تھا کہ اس نعمت سے انہیں محروم رہنا تھا۔ کیونکہ بشرہ کی پیدائش کے وقت بوجہ "کمزوری ساجدہ بیگم کو کچھ ایسی اندرونی پیچیدگی درپیش آگئی کہ وہ آگے کے لیے ماں بننے سے محروم ہو گئیں اسی محرومی کو وہ اپنے جیٹھ ارشاد عباس کے بیٹے آذین سے محبت کر کے پورا کرتیں۔ ارشاد عباس کے دو اور بیٹے بھی تھے فہیم اور نعمان پھر دیورانی کا بیٹا راحیل بھی تھا مگر آذین پر انہیں بہت ٹوٹ کے پیار آتا تھا کہ ایک تو وہ قد کاٹھ اور صحت کے حوالے سے دوسرے بچوں سے اچھا تھا پھر تیکھے نقوش صاف رنگت اور حد درجہ ذہانت جو پڑھائی کے ساتھ کھیل کود میں بھی سب کو مات کر دیتی تھی۔ وہ سب کا لاڈلا تھا سوائے اپنی ماں کے جو بچوں کو کھلاؤ سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی آنکھ سے" والے محاورے پر عمل پیرا تھیں ان کا رویہ سب بچوں کے ساتھ یکساں تھا اپنے بچوں اپنی بچیوں ثمرہ اور سدرہ کے ساتھ وہ سعدیہ مبرا اور بشرہ کو بھی پیار کرتیں اور یہی کیفیت نسرین کی تھی وہ اپنے اکلوتے بیٹے راحیل کے ساتھ جیٹھانیوں کے بچوں کو بھی دیکھا کرتیں۔

ناشتے لنچ ڈنر یہ سب بچوں کی پسند کو مدنظر رکھا جاتا اور سلسلہ یونہی چلتے چلتے کچن در پورشن علیحدہ ہو گئے مگر ایسی صلح صفائی سے کہ دلوں میں فرق نہ آیا بچے سکولوں سے کالجز میں آگئے تھے۔ آپس اتفاق و سلوک کی فضا بہت شدت سے پروان چڑھی تھی۔ مگر دو نفوس کو چھوڑ کر اور وہ تھے مبرا عباس اور آذین علی ان کے درمیان ہمیشہ ایک نامحسوس دیوار کھڑی رہی ہر بات ہر مسئلے پے اختلاف رائے رہتا۔ ایک دوسرے کی مخالفت کو یہ جیسے فرض سمجھ بیٹھے تھے۔ حالانکہ اب دونوں بچے نہ تھے۔

آذین تھرڈ ایئر کا تو وہ فرسٹ ایئر کی سٹوڈنٹ تھی۔ لیکن دونوں میں ذرا نہ بنتی تھی سب ہنسا کرتے تھے ان کی تو تو میں میں پر سعدیہ اور فہیم تو باقاعدہ سمجھانے بیٹھ جایا کرتے نعمان اور ثمرہ شرطیں لگاتے کہ یہ لڑائی کتنا عرصہ ان کی بول چال بند رکھے گی۔

☆......☆......☆

"ویسے بھی کیا زندگی ہے یہ بھی ایک بور ڈل لائف اسٹائل ایک ہی انداز سے ایک جیسے شب و روز وہی بھاگ دوڑ ایک کمرے سے اٹھو دوسرے میں گھس جاؤ وہاں سے اٹھو تو لان میں لان سے نکلو تو کالج کوئی نیا احساس نہ تازگی کا جھونکا یہ ڈیڈی لوگوں کو بھی کیا سوجھی سب بھائی ایک ہی جگہ گھس کر بیٹھ گئے۔ بھلا الگ الگ شہروں میں الگ جگہوں پر رہتے عید تہوار پر ملنے ملانے آتے جاتے، لوگوں کی کتنی لمبی رشتے داریاں ہوتی ہیں ہماری یہ عباس والا کے اندر تک محدود ہیں۔"

وہ متاسفانہ انداز میں کہتی صوفے پر گری تو سعدیہ ہنس پڑی۔

"مبرا بی بی ان لمبی رشتے داریوں سے سب سے پہلے تم اکتاتیں جب وقت بے وقت کچن میں تمھے کھانے بنانے پڑتے وہ بھی لمبے

www.pkdigest.com

چھوڑے میتو والے پھر تم کہتیں نہیں زندگی وہی اچھی ہے جو بندہ اکیلے گزارتا ہے۔''

''اتنا اکیلا، اکیلا بھی نہ ہو انسان جتنے ہم ہیں۔''

''اکیلا، کیوں، ماشاء اللہ بھرا ہوا گھر ہے تم ہر بات بنا سوچے سمجھے منہ سے نکال لیا کرو عقل تو ہر وقت جیسے گھاس چرنے گئی رہتی ہے۔'' ممی اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''اوہ ممی آپ کو تو بس بہانہ چاہیے مجھے ڈانٹنے کا اب انسان کچھ کہہ بھی نہ سکے۔''

''تمہاری زبان تو بلا وجہ کیے جاتی ہے اب کم آتی جاتی ہو تم باہر گھر سے اکیڈمی پھر کالج، پھر چچی کے ہاں سب اکٹھی ہو کے اس کا دماغ چاٹتی ہو سیر کے بہانے پورے لاہور کا چکر لگاتی ہو روزانہ پھپھو شہر سے باہر ہے وہاں کوئی اور جائے نہ جائے تم مہینے دو مہینے بعد وہاں بھی ہو آتی ہو۔'' ممی بولیں۔ ''اور جو بے وجہ بے تکے وقت بے وقت اول جلول قسم کی سہیلیوں کے گھر گھمن گھیرے چکر ہوتے ہیں وہ کسی شمار قطار میں نہیں۔'' آذین نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

''تم بکو اس بند کرو تم سے بات نہیں کر رہی تھی۔'' وہ غرائی۔

''صبرا تمیز سے کام لو، پورے چار سال بڑا ہے تم سے'' ممی نے گھرکا۔

''اور عقل لیک سال کی بڑائی والی بھی نہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔

''ہاں عقل تو ساری جیسے تم نے ہی ادھار لی ہوئی ہے جیسے ابھی تک جمع تفریق کے سوال تک حل کرنے نہ آئے میں تو یہ نہیں سمجھ پاتا کہ تم ریاضی میں صفر بٹا صفر ہونے کے باوجود میٹرک کلیئر کیسے کر گئیں وہ بھی پہلی بار میں۔'' وہ مسکراہٹ چباتا ہوا بولا۔

''تمہاری طرح پرچیوں (بوٹیوں) کا استعمال کیا تھا۔'' وہ جل کر بولی۔

''اوہ اسی لیے۔ میں بھی کہوں تم جیسے بکری اور بکرے کی تمیز و تفریق کا علم نہیں وہ الجبر اور جیومیٹری کیسے کر آئی۔'' وہ اسے مزید سلگا گیا۔

''بس کرو اب تم خبردار جو تم لڑے کیا بچوں کی طرح تم لوگ ہر وقت چونچیں لڑاتے رہتے ہو۔'' چچی نسرین بولیں۔

''یہ عادت تو آپ کی لاڈلی بھتیجی کی ہے۔'' آذین فوراً بولا۔

''ہندو ہو گئے تم بلکہ یہودی اور پارسی بھی، دیکھ ہی ہیں آپ کا لاڈلا کیسے زبان کے جوہر دکھاتا ہے اور آپ پھر مجھے تمیز کے درس دیتی ہیں۔'' وہ اسے جواب دیتی ہوئی ساجدہ کی طرف مڑی۔

''آذین شرم کیا کرو تم بھی بہن ہے تمہاری اور بہنوں سے منہ ماری نہیں کیا کرتے۔'' آذین کی والدہ نے ٹوکا۔

''اللہ نے دی ہوئی ہیں مجھے بہنیں اس کٹ کھنی بلی کو بہن بنانے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ارے جاؤ تمہیں بھائی بنا کون رہا ہے ہو اس قابل تم۔'' وہ استہزائیہ بولی۔

''تو جس قابل ہوں وہ بنا لو'' وہ لوفرانہ انداز میں دائیں آنکھ دبا کر بولا۔

''تم صرف اس عزت کے قابل ہو جو کسی دن میرے جوتے تمہاری کریں گے۔''

''اور وہ پاؤں تمہیں نصیب ہی نہ ہوں جو ایسے جوتے پہنیں۔''

''مجھے سب نصیب ہو گا تمہیں صرف جہنم نصیب ہو گی۔''

''تمہارے منہ میں خاک کم بخت بولنے پر آئے تو بس بولتی جائے گی بنا رکے۔'' ساجدہ نے ایک زوردار دھموکا اس کی کمر میں رسید کیا اور وہ نم آنکھیں لیے اسے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

''اور اس کی گلے پڑتی زبان آپ کو نظر نہیں آرہی وہ تو کب سے جیسے تلاوت کر رہا

ہے۔'' اس کے انداز لہجے اور الفاظ یہ سب بے طرح چبھنے لگے۔

''ہاں اس کی بات کو یونہی کرٹال دیا کریں، اور میری بات کو چڑھایا جاتا ہے میں تو ہوں ہی احمق اور بیوقوف جس کا جو دل چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔''

''اب تم اپنی زبان سے اپنی خصوصیات بیان کر رہی ہو کوئی اور کہے تو......''

''شٹ اپ تم میری بات میں مت بولا کرو۔'' اس نے گھور کے آذین کو دیکھا۔

''تو تم میری بات مت کیا کرو۔'' وہ مزے سے بولا۔

''تمہیں خود ہی ہر بات کو خود پر لینے کی بیماری ہے تو کوئی کیا کرے'' وہ چڑ کے بولی۔

''پلیز سیز فائر بس کرو، کتنا بولتے ہو تم دونوں ایمان سے سر درد کرنے لگا ہے۔ جانے کیا کھایا ہوا ہے چند نوں پہلے جینا اجیرن کر دیا تم دونوں نے ہر وقت محاذ جنگ کھولے رکھتے ہو۔'' قیم بھیا انہیں ڈانٹتے ہوئے اٹھے۔ تو وہ دونوں خجل سے ہو کر چپ ہو گئے۔

☆......☆......☆

''سعدیہ یار ایک بات بتاؤ یہ لو لیٹر کیسے لکھا جاتا ہے۔'' اس کی دوست تہمینہ نے نوٹس بناتے ہوئے اچانک پوچھا تھا۔

''I don't no کبھی لکھا نہ پڑھا۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''کیسی لڑکی ہو تم جسے یہ معلوم نہیں کہ لو لیٹر کیسے لکھا جاتا ہے۔''

''ہائے دادے تمہیں ضرورت کیا پڑ گئی لو لیٹر لکھنے کی۔'' سعدیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ضرورت کیا یونہی پوچھ رہی ہوں جنرل نالج میں اضافہ کو اور تم ہو کہ بتاتی نہیں۔''

''مجھے معلوم ہو کچھ تو بتاؤں نہ کبھی لو لیٹر لکھنے کی نوبت آئی نہ پڑھنے کی۔''

''اپنے کزن سے انگیجڈ ہو تم اور تمہیں لو لیٹر لکھنے کا پتا نہیں۔''

''انگیجڈ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ لو لیٹر لکھنے آجائیں۔ ویسے بھی ہم اس موضوع پر بات نہیں کرتے ہماری براہ راست بات چیت ہو جاتی ہے اور ہم اکثر ملتے رہتے ہیں کوئی ظالم سماج کا مسئلہ نہیں ہے ہمارے ساتھ اگر ملنے بولنے میں دشواری ہوتا ہم بہت دھواں دھار قسم کی محبت میں مبتلا ہوں تو شاید لو لیٹر کی ضرورت ہوتی اور جب ایسا کچھ ہے ہی نہیں تو یہ محبت بھرے خطوط لکھنا چہ معنی دارد۔''

''کم آن سعدیہ تم انگیج ہو اپنے کزن سے بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہو پھر بھی تم لوگوں کے درمیان محبت کے جراثیم ڈویلپ نہیں ہوئے امیزنگ۔'' تہمینہ حیرت سے بولی۔

''انگیج ہونے کا یہ مطلب نہیں لو لیٹر لکھنے شروع ہو جائیں۔ ہمارے درمیان اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے، فرینڈ شپ ہے ہم سب کے سامنے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کی دلچسپیوں مصروفیات کے متعلق پوچھتے ہیں۔ رہا محبت کا سوال تو وہ ابھی دور ہے ہماری زندگی جب مکمل سچائی اور ایمانداری سے ایک انگیجڈ رشتے کو شرعی و قانونی طور پر منظور ہے۔ کا درس دے گی۔ تو محبت کے جذبات ڈویلپ ہو سکتے ہیں کہ محبت انسان ایک دوسرے کے قریب رہ کر عادتوں کو سمجھ کر، رویوں کو جان کر ہی کرتا ہے۔'' سعدیہ سنجیدگی سے بولتی گئی۔

'Very Good' تم واقعی ایک باشعور اور سلجھی ہوئی لڑکی ہو مگر مسئلہ یہ ہے کہ جس لڑکی کو ''لو لیٹر'' لکھنے کا مسئلہ درپیش ہے وہ لوئر کلاس سے تعلق رکھتی ہے اور اسے مہینہ ہو گیا میرے ترلے منتیں پاتے لو لیٹر لکھوانے کو، اور میں بھی غصے سے کبھی نرمی سے ڈانٹ دیتی ہوں۔'' تہمینہ آہ بھر کر بولی۔

www.pkdigest.com

"کس لڑکی کی بات کر رہی ہو تم۔"

ہماری گھریلو ملازمہ گلشن وہ محبت کے مرض میں بڑی شدت سے مبتلا ہے۔ اور اس کے لور کا اصرار ہے کہ وہ اسے ایک جذبوں شدتوں سے بھرا محبت بھرا خط لکھے۔ جبکہ وہ چٹی ان پڑھ اب وہ میرے پیچھے پڑی رہتی ہے تم ہی بتاؤ کیا کیوں مجھے معلوم نہیں لو لیٹر کیسے لکھتے ہیں۔

"تو تم نہ لکھو ایک زوردار جھڑکی دو اور کام سے ہٹانے کی دھمکی وہ خود بخود اس عشق کے جھاگ سے نکل آئے گی۔" سعدیہ نے مشورہ دیا۔

"یہی تو نہیں کر سکتی تم نہیں جائیں کل صبح اس نے بڑی مسکینی اور عاجزی سے میرے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا تھا سچ بی بی بڑے دل سے بچی دعا دے رہی ہوں کہ رب سوہنا آپ کو اچا لمبا گورا چٹا پڑھا لکھا سوہنی بڑی گاڑی والا شوہر دے۔ آپ میرا یہ کام کر دیں ورنہ میرا شیدا تو مجھے چھوڑ جائے گا ناض ہو کے۔"

"اب تم بتاؤ ایک گورے چٹے اونچے لمبے گاڑی والے کو ایلفائیڈ ہم سفر کی دعا سن کر میں کیسے اس کا کام نہ کروں جبکہ تم جانتی ہو کہ مجھے شادی کا وہ بھی اچھے ہنڈسم امید بندے سے کتنا شوق ہے۔ کیا پتا گلشن بی بی کی یہ دعا منظوری پالے اور میں بڑی خوبصورت مہنگی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی ہوں اور اس کے محض محض ایک لو لیٹر کہہ کر دینا کون سا مشکل کام ہے۔" تہمینہ نے ساری رام کتھا سنائی۔

"عجیب احمق لڑکی ہو شادی کی دعا کے محض لو لیٹر لکھ کر دینے پر راضی ہو گئیں۔" سعدیہ ہنستے ہوئے بولی۔

"تم بس بنے جانا میرا کام نہ کرنا۔" وہ منہ بنا کے بولی۔

"سعدیہ آپی چائے حاضر ہے۔" مبرا اندر آئی تھی۔

"اسے کہتے ہیں زندگی کا مزہ گرما گرم چائے اور فٹافٹ ایک عدد لو لیٹر لکھ کر دو تا کہ میری مشکل آسان ہو۔" تہمینہ چائے دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔

"کیسا لو لیٹر تہمینہ آپی۔" مبرا نے چونک کر پوچھا تھا۔

بھئی محبت کے جنوبی طوفانی جملوں سے بھرا محبت سے بھرپور ایک عدد لو لیٹر چاہیے۔ اگر یہ لو لیٹر نہ لکھ کر دیا گیا تو دو دل ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔

وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔

"کون سے دو دل۔" مبرا نے اگلا سوال داغا۔

ہماری نوخیز گھریلو ملازمہ گلشن اور اس کے اکلوتے عاشق شیر کے دل جو محض ایک لو لیٹر ملا دے گا۔

"مبرا تم جاؤ اپنا کام کرو یہ تو یونہی بکواس کرتی ہے۔" سعدیہ نے اسے اٹھانا چاہا۔

"تم خاموش رہو مجھے بات کرنے دو مبرا تم تو انڈین موویز بہت دیکھتی ہو ان میں اکثر ہیرو، ہیروئنز ایک دوسرے کو لو لیٹرز لکھتے ہیں۔ یار تم ہی میری مدد کر دو۔" وہ اب مبرا کو گھیر چکی تھی۔

"ہاں ابھی پرسوں ہی تو میں نے عامر خان اور جوہی چاولہ کی فلم دیکھی ہے جس میں عامر خان نے ایسا پھڑکتا لو لیٹر لکھا تھا کہ جوہی چاولہ آگ پر چلتی ہوئی اسے ملنے آ گئی۔" مبرا پرجوش انداز میں بولی۔

"گڈ مسئلہ ہی حل ہو گیا ایسا کرو تم وہ فلم ایک بار پھر دیکھو اور وہ سارا لو لیٹر نوٹ کر کے مجھے دے دو۔" تہمینہ تیزی سے بولی تو سعدیہ نے فوراً ٹوکا۔

"مبرا یہ کام نہیں کرے گی مبرا اسے فلم دے دو یہ خود کر لے گی جو کرنا ہے۔" اور مبرا سر ہلا کے رہ گئی۔ مگر جاتے جاتے تہمینہ چپکے سے اسے یہ

کام پھر سونپ گئی۔

☆.....☆.....☆

جذبوں سے حدت زدہ آنکھوں میں
یار ریشمی خواب کی پلکوں میں
دل کی سنہری جالیوں میں
کہ کانوں کی ضد لیں بالیوں میں
لکیروں میں ہاتھوں کی
کہ پوروں میں انگلیوں کی
دھڑکن میں سانس میں
سینے میں کروں میں
جب سے چاہا ہے تم کو
تب سے میں دیکھ رہی ہوں خود کو
اور سوچ رہی ہوں کہ تم
"زندگی میں میری کہاں کہاں پر ہو؟"

"واہ، واہ زبردست اگر کسی اور نے یہ نظم لکھی ہے تو واقعی قابل تعریف ہے اگر تمہاری ذاتی کاوش ہے تو نری فٹے منہ سوچ ہے۔ شرم آنی چاہئے تمہیں ایسی باتیں سوچتے پھر سر عام لکھتے۔" ثمرہ منہ بنا کے بولی۔

"یہ سب میں نے نہیں ایک شاعرہ نے کہا ہے۔" مبرا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"وہ تو اچھی شاعرہ ہے اور تم کیا ہو نالائق نکمی سٹوڈنٹ مر کے میٹرک میں اتنے نمبر لیے کہ کالج میں ایڈمشن ہو سکے اور کالج کلاسز سٹارٹ ہو گئیں تو صاحبزادی بجائے کورس بکس کے شاعری سے شغل فرما رہی ہیں مبرا تم سیریس لو اپنے کیریئر کو اسٹڈیز مذاق نہیں ہوتیں۔" ساجدہ نے گھرکا۔

"میں کب مذاق کہہ رہی ہوں پڑھائی کا بھی ٹائم ہوتا ہے اور انجوائے منٹ کا بھی۔"

"تمہارا تو ہر ٹائم ہی انجوائے منٹ کا ہوتا ہے میری بچی، کبھی کیبل، کبھی سی ڈی پلیئر کبھی کیرم بورڈ ہی پڑھائی وہ بیچ میں کہیں کہیں آ جاتی ہے خالی جگہ پر کرنے کو۔"

"ارے بھابی کیوں دماغ کھپائی کرتی ہیں۔ اس عمر میں لڑکیاں ایسی ہوئی ہیں۔" نسرین چچی بولی۔

"ایک یہی نرالی ہے ورنہ اس گھر میں دوسری لڑکیاں نہیں ہیں کیا؟ انہوں نے بھی اسٹڈیز اور دیگر Atctivitys کو میچ کر رکھا ہے یہ کیوں نہیں کر پائی۔"

"اگر یہ بھی پڑھا کو لڑکیوں کے نقش قدم پہ چلنے لگی تو پھر یہ کون یار رکھے گا کہ شاہ رخ کی نئی آنے والی فلم کون سی ہے۔ سلمان کا تازہ ترین معاشقہ کس اداکارہ سے چل رہا ہے۔ حدیقہ کیانی کا نیا البم کیسا رہا اور ہالی وڈ کی مووی نے آسکر ایوارڈ حاصل کیا۔"

"آذین لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔"

"اپنا تو جیسے علم نہیں سوائے کرکٹ کھیلنے کلب جم جانے کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا۔" وہ جل کر بولی۔

"دیکھ لیں چھوٹی امی زبان کیسے چلتی ہے اور کیسی مہارت ہے اسے لڑنے میں یہ کام تو بنتا کہے کر لیتی ہے۔" وہ ساجدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا پیچھے پڑے ہوئے ہو تم لوگ میری بیٹی کے" نسیم کچن سے بولی۔

"بڑی امی سمجھا لیں اپنے اس بدتمیز بیٹے کو میرے منہ نہ لگا کرے۔" مبرا اونچی آواز میں بولی۔

"اور اپنی اس کٹ کھنی بلی کو بھی سمجھا دیں کہ اپنے اطوار ابھی سے سدھار لے ورنہ اگلے جا کر جوتے پڑیں گے۔" آذین نے کہا۔

"میری بیٹی کو سب سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اتنی خوبصورت ہے خدا اس کے نصیب اچھے کرے۔" وہ پیار سے بولیں۔

"ارے بولی ماں خوبصورت تو سیٹھ قادر کی تہمینہ بھی ہے مگر اپنے کرتوتوں کی بنا پر دوسرے

www.pkdigest.com

مہینے ہی طلاق لے کر آ گئی۔'' آذین بولا تو ساجدہ نے کچھ دہل کر اپنی نوعمر خوبصورت بیٹی کو دیکھا۔

''خدا نہ کرے ایسا ویسا کچھ ہو میری بیٹی کو رب سوہنا ہر خوشی دیکھے اور اچھا گھر بار دے۔'' کچھ بھی تھا مبرا آخر تو ان کی بیٹی اور وہ ڈانٹ ڈپٹ تو سکتی تھیں مگر ایسی بات سننا ہرگز گوارہ نہ تھا۔

''آمین اور تم بھی بولتے ہوئے اپنی زبان کو ذرا کنٹرول رکھا کرو۔''

نسرین چچی ڈپٹنے والے انداز میں بولیں انہیں خود آذین کے الفاظ برے لگے تھے اپنی اس حمایت پر وہ بہت دل کھول کر ہنستے ہوئے امی کے گلے لگی تو ساجدہ نے شفقت سے اس کی روشن پیشانی چومی اور آذین کو یہ ہنسی کب گوارہ تھی وہ اب مبرا کو نیچا دکھانے کے لیے اس کی کسی کمزوری کی تلاش میں تھا اور یہ کمزوری جلد ہی ہاتھ لگ گئی۔

☆......☆......☆

میری جان میرے دل اور وجذبوں کے مالک وہمراز۔

رشید عرف شیدے!

سلام محبت پیارے شیدے تمہارے بے حد اصرار پر خط لکھ تو رہی ہوں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کاغذ کے بے جان ٹکڑے پر اپنے جذبات ومحبت کا اظہار کیسے کروں، وہ محبت وہ پیار جو صرف اور صرف تمہارے لیے میرے دل میرے سانسوں میں ہے اور یہ پیار ہر لمحہ تمہیں سوچنے دیکھنے اور پانے پہ اصرار کرتا ہے مگر ہائے یہ مجبوری اور ظالم سماج کی دیواریں جو ڈراتی، دھمکاتی اور روکتی ہیں مگر پیارے شیدے تمہارے پیار کو میرے دل سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں نکال سکتی بے شک تم آزما کے دیکھو ایک دفعہ آواز دو میں ہر رشتہ ہر بندھن اور دنیا کے سب پہرے توڑ کر تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں بخدا تمہاری محبت کے سوا مجھے دنیا کی کوئی دولت کوئی رشتہ نہیں چاہیے شیدے میں خوابوں میں نہیں حقیقت میں تمہارے ساتھ مرنا جینا چاہتی ہوں شیدے تم نہیں جانتے مجھے تم سے کتنی محبت ہے جتنی کہ شاید سوہنی کو مہینوال اور ہیر کو رانجھے سے بھی نہ تھی، بچ آزمالو۔

تمہاری اور صرف تمہاری..........

وہ نام لکھنے لگی تھی کہ پیچھے سے بڑی تیزی سے ایک مردانہ ہاتھ آیا اور وہ کاغذ لمحوں میں نگاہوں سے اوجھل ہو گیا وہ حیرت سے اچھل کے مڑی تھی اور دوسرے پل اس کے چہرے پر خوف اور دہشت چھا گئی تھی۔ آذین اس لو لیٹر پر نظریں دوڑاتے ہوئے ساتھ ساتھ اسے بھی دیکھ رہا تھا۔

''ہوں تو یہ وجہ ہے اسی لیے پڑھائی میں تمہارا دل نہیں لگتا دل غلط راہ پر جو لگا ہوا ہے۔'' اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔

''آذین تم اسے مجھے دے دو تم دیکھو تم غلط سمجھ رہے ہو تمہیں نہیں پتا یہ کیا ہے۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''یہ لو لیٹر ہے جو تم نے اپنے لور کو لکھا ہے اور باقی غلط سلط سب چھوٹی امی کو بتا کیونکہ یہ خط ان کی عدالت میں پیش ہوگا۔'' وہ کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھنے لگا۔

''نہیں آذین پلیز ایسا مت کرنا۔ تم بہت اچھے ہو۔'' وہ منت بھرے انداز میں بولی۔

''میں واقعی بہت اچھا ہوں اسی لیے اس گھر کی عزت کو مٹی میں رلنے سے پہلے بچانا چاہتا ہوں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

''دیکھو آذین تم سمجھے نہیں مسئلہ کیا ہے تم اسے مجھے دے دو میں ساری بات تمہیں بتاتی ہوں۔'' وہ باقاعدہ رونے والی ہو گئی۔

''میں سب سمجھ چکا ہوں۔ اب صرف تمہیں سمجھانے کی ضرورت ہے۔'' وہ بہت غصیلے لہجے میں کہتے ہوا مڑا اور اس کمرے سے نکلتا چلا گیا مبرا کو یکدم اپنے اندر بے بسی کا دھواں پھیلتا

محسوس ہوا۔

آج تو سعدیہ آپی بھی یہاں نہیں ہیں۔ وہ اپنی فرینڈ کی شادی میں گئی ہوئی تھی سدرہ کے ساتھ میری صفائی کون دے گا۔''

وہ سوچتے ہی ممی کے کمرے کی جانب بھاگی تھی مگر کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

''یہ ممی کا کمرہ لاکڈ کیوں ہے۔'' وہ پاس سے گزرتی مبشرہ سے پوچھنے لگی۔

''ابھی آذین بھائی ان کے پاس گئے ہیں کوئی ضروری بات کرنے ممی نے خود کمرہ بند کیا ہے تاکہ انہیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔'' مبشرہ نے کہا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا مگر بڑی امی اور نسرین چچی کے لیے پھر بند ہو گیا وہ بے چینی سے ہونٹ کاٹتے پریشان نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے ممی سے موبائل پر رابطہ کرنے لگی مگر ان کا موبائل آف تھا۔

مبرا کے وجود میں ڈر خوف شکستگی اور بے بسی ایک ساتھ سرایت کرنے لگی اسے اب سمجھ آیا تھا کہ سعدیہ نے اسے تہمینہ کو لو لیٹر لکھ کر دینے سے کیوں منع کیا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا مگر اسے اندر داخل ہوتے ہوئے یوں لگا جیسے ہر شے کو گہرے سیاہ اندھیرے نے ڈھانپ لیا ہے سب کی نگاہیں اس کی جانب تھیں اور ان نگاہوں میں ملامت تضحیک بے یقینی ویقین کے ساتھ اعتبار ٹوٹنے کی کیفیت بھی تھی۔

''مبرا یہ لو لیٹر تم نے لکھا ہے۔'' ساجدہ بیگم کا لہجہ بے حد سرد اور سنجیدہ تھا۔

''ممی یقین کریں میں......''

''میں پوچھ رہی ہوں اسے تم نے لکھا ہے تمہاری لکھائی ہے ناں۔'' وہ پہلے سے زیادہ سخت اور ٹھنڈے لہجے میں بولیں۔

''جی میں نے لکھا ہے۔'' وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکاتے ہوئے بولی۔

''ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم ایسی غلط حرکت مرتکب ہو سکتی ہو اسی لیے پہلے سب نے تمہاری ہینڈ رائٹنگ کی تصدیق کی اور یہ تصدیق ہو گئی تو......''

''بے شک یہ ہینڈ رائٹنگ میری ہے مگر......''

وہ تمام ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

اس کی عمر تو دیکھیں چھوٹی ممی، ابھی دودھ کے دانت ٹوٹے نہیں اس کے آگے تو ماشاء اللہ۔''

آذین کا استہزائیہ لہجہ ابھرا۔

''جب یہ خط میرے دوستوں نے پڑھا اور مجھے چھیڑا تو یقین جانیں کہ میں سوچ رہا تھا زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔''

وہ بولتا جا رہا تھا اور ممی اسے کھا جانے والی نگاہوں سے بس گھورتی جا رہی تھیں وہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ کوا اس کو کہتا ہے یہ سب میرے ہاتھ سے ابھی ابھی چھین کر لایا ہے اور میں نے یہ خط لکھا بھی تہمینہ کے کہنے پر اس کے لیے ہے۔ مگر ممی کے پے در پے پڑنے والے زوردار ہاتھوں نے اس کا دماغ لمحوں میں گھما دیا تاک ہونٹ کمر سر گردن ہاتھ، وہ جوتے سے مسلسل اس کی پٹائی کر رہی تھیں بڑی امی اور چچی نے بمشکل چھڑایا تھا اور تب تک وہ اچھی بھلی زخمی ہو چکی تھی۔

''کیا نہیں کیا میں نے ان کے سکھ خوشی اور آرام کی خاطر اپنی بھلی گورنمنٹ کی جاب تھی مگر اپنے گھر اور بچوں کو ترجیح دے کر ان کی بہتر تربیت اور بہتر نشوونما کے لیے چھوڑ دی بہترین لباس و خوراک کے ساتھ اچھے مہنگے تعلیمی اداروں میں ایڈمشن دلوائے جو مانگا دیا اور یہ اولاد مجھے کیا دے رہی ہے؟'' وہ بے ساختہ رو دیں۔

''اور یہ لڑکی تو جب سے پیدا ہوئی ہے سوائے میری مشکلات بڑھانے اور پریشانیاں پیدا کرنے کے اس نے اور کچھ نہیں کیا۔ کیوں پیدا ہوئی پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہیں گئی۔ کیوں مجھے

www.pkdigest.com

دکھ دینے کو رہ گئی۔"

ساجدہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے رونے لگی تھی۔

"بس کرساجو پاگل ہوئی ہے کیا جو ہو گیا مٹی ڈالو اور گھر کے مردوں تک یہ بات کسی طور پر پہنچے دو۔" نسیم اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"بھابی کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا مجھے اس نکمی اولاد نے۔" وہ سسکیں مبرا کا عجیب حال تھا وہ ساکت بیٹھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے بس دیکھے جارہی تھی۔

"دیکھیں کیسا حوصلہ ہے اس کا کتنے جگرے سے بیٹھی ہے ارے بے غیرت بدذات تو مر کیوں نہیں گئی ایسا کرنے سے پہلے کیوں تجھے عزت سے بیٹھنا راس نہیں آیا۔" وہ اٹھ کر ایک بار پھر اسے پیٹنے لگی تھیں۔

مبرا مار کھاتے ہوئے ان کا واویلا سن رہی تھی۔

"بھابی پلیز چھوڑیں دفع کریں جان سے ماریں گی کیا۔" نسرین چچی اور نسیم بیگم نے پھر اسے چھڑایا اور کمرے سے جانے کا اشارہ کیا اور اس کی ساکت آنکھیں ممی کو دیکھتے ہوئے جیسے خواب میں تھیں اسے رونا آرہا تھا نہ درد ہو رہا تھا اس کی حسیات جیسے ناکردہ جرم کے احساس تلے دفن ہو چکی تھیں۔

نسیم بیگم کی بہن بیمار تھیں انہوں نے کسی بچی کو اپنے ہاں بھجوانے کا کہا تھا۔ تو سدرہ اور سعدیہ شادی سے واپسی پر سیدھی کوئٹہ چلی گئیں اس کی معصومیت سچائی کو گواہی دینے کو کوئی نہ تھا پاس۔

زندگی کے تمام دروازے ایکدم سے اس پر بند ہو گئے تھے، کالج اکیڈمی سب بند تھا وہ سارا وقت اپنے کمرے میں پھانسی کے مجرم کی مانند بند رہتی کوئی اس سے کچھ سننے پر تیار تھا نہ ماننے یہ کوئی کچھ کہنا بھی نہ تھا کتنی عجیب بات تھی اس نے اپنی

زندگی سے خوشی کو خارج کیا کسی اور کے لیے کسی اور کی محبت کے لیے وہ محبت جو اس کی زندگی میں کہیں تھی ہی نہیں اسے بدنام کر گئی تھی اور یہ سب آذین علی کا کیا دھرا تھا یہ شخص بچپن سے اس کی چڑ اور ضد بنا ہوا تھا ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک ہر جگہ ہر مقام پر مبرا نے اسے اپنے حصے کی خوشیاں وصولتے اور دکھ اس کی جھولی میں ڈالتے دیکھا تھا اور اب وہ اس کی زندگی بھر کا اثاثہ داغدار کر گیا تھا یوں کہ وہ احتجاج بھی نہ بلند کر پائی اسے آذین علی سے شدید ترین نفرت محسوس ہوئی۔

"خدا کرے تجھے زندگی میں کبھی سکھ نہ ملے" اس نے دکھ دل سے بددعا کی کتنی دور ہو گئی تھی وہ سب سے اس ایک شخص کی بدولت اس کا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب اپنے کمرے تک محدود ہو چکا تھا ثمرہ اور مبشرہ اس کے پاس بیٹھتیں باتیں کرتیں بڑی امی اور چچی روز آتیں بڑے ابا اور ڈیڈی سب کے رویے وہی تھے بدلی تھیں تو ممی وہ اس مخاطب نہیں کرتی تھیں۔ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کرتی تھیں ان کی طبیعت خراب تھی مبرا بہت ہمت کر کے ان کے کمرے میں گئی تو وہ دوا کھا کے لیٹی ہوئی تھیں۔ ستا ہوا چہرہ اور پہلے سے قدرے کمزور وجود مبرا کو دکھ سا ہوا جانے انجانے اس کی حرکت نے ہی ممی کو بیمار کیا تھا جانے کیا سوچتی ہوں گی اس کے متعلق آنسو اس کی پلکوں کا بند توڑ کے نکلے اور وہ ممی کے پاؤں پکڑ کے ان پر سر رکھ کے زاروقطار روتی چلی گئی۔

"مبرا تم ہو کیا ہوا بیٹی۔" ساجدہ تڑپ کے اٹھیں تھیں تو آخر ماں تھیں بیٹی کے آنسو اندر تک ہلا گئے۔

"ممی پلیز مجھے معاف کردیں میں نے کچھ نہیں کیا میں بالکل بے گناہ ہوں۔" وہ سسکتے ہوئے بولی۔

"مجھے معلوم ہے سچ کیا ہے تمہیں صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں گناہ تمہارا نہیں مبرا قصوروار

تو میں ہوں کہ جس نے بیٹیاں پیدا کر لیں مگر ان کی تربیت نہ کر سکی میں ہی اصل مجرم ہوں کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ "جس شخص نے دو بیٹیوں کی نشوونما تعلیم و تربیت نیک اور احسن طور پر کی یہاں تک کہ وہ بیاہ دی گئیں اور پاکیزہ اطوار ہیں تو ان کے والدین جنت کے حقدار ہو گئے کیونکہ نیک بیٹیاں جنت کے راستوں کا نشان اور والدین پر جنت کو واجب کر دینے والی ہیں مگر تم نے تو میرے لیے دوزخ خرید مبرا۔" وہ پھر سے رونے لگیں۔

مبرا چپ سنجیدہ بنا پلکیں جھکائے انہیں دیکھے گئی اس کے پاس کہنے کو جیسے کچھ بھی نہ بچا تھا بے انتہا بے انت دکھ کے صحرا میں وہ ساکت بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

کوئٹہ سے واپسی پر سعدیہ کو یہ سب معلوم ہوا تو اس کے سر پر جیسے سات آسمان آگرے تھے۔ وہ حیرت کی زیادتی سے کتنی دیر بول نہ پائی اس ذہن میں سپارک سا ہوا۔

"گلشن شیدا تہمینہ اوہ گاڈ" وہ ماتھے پر ہاتھ مارتی خط ممی کے دامن میں پھینک کر مبرا کے پاس بھاگی تھی۔

"بیوقوف احمق لڑکی جب میں نے تمہیں منع کیا تھا تو تمہیں کیا ضرورت تھی یہ بلا اپنے سر ڈالنے کی اب دیکھ لیا پرائی ہمدردی کا نتیجہ۔" غصے سے اس نے مبرا کو تھپڑ مارا تھا۔

"آپی مجھے کیا معلوم تھا وہ کمینہ اس بات کو پالے گا اور یوں اچھالے گا میں تو تہمینہ کے کہنے پر۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"پھر وہی بات تہمینہ اگر تمہیں کنوئیں میں چھلانگ لگانے کو کہے گی تو کیا تم لگالوگی۔ انسان کو خود سوچنا چاہئے کہ اس کے حق میں کیا برا ہے کیا بھلا تم نے اپنے اوپر زندگی کے دروازے خود بند کیے ہیں، اب بتاؤ میں کس کس کو صفائیاں دوں تمہاری اگر سب سچ بتادوں تو میری دوستی پر حرف آئے گا مجھے تہمینہ سے سب تعلقات توڑنے پڑیں گے چپ رہوں تو تم قصوروار بنتی ہو بنا سوچے سمجھے کھائی میں گرنے والے تم جیسے لوگ ہوتے ہیں جو گرتے ہیں دوسروں کو بھی کھینچ لیتے ہیں۔" وہ غصے سے بولتی گئی۔

"آپی پلیز میری تو اسٹڈیز بھی رک گئی ہے میرا کیریئر داؤ پر لگ چکا ہے۔" وہ سسکی۔

"چپ کرو اب میں سوچتی ہوں کیا کرنا ہے آگے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ پھر ممی کو جس طرح سعدیہ نے کنوینس کیا وہی جانتی تھی ممی کچھ سننے ماننے کو تیار نہ تھیں۔

"ممی یقین جانیں جو کچھ ہوا یہ سب اک غلط فہمی کی بنیاد ہے مبرا بالکل بے قصور ہے۔"

"ہینڈرائٹنگ اس کی ہے غلط فہمی کیسی ہے۔"

"یہ وقت بتائے گا مبرا کی سچائی قدرت ظاہر کرے گی لیکن آپ ماں ہے آپ کو اپنے خون پر یقین ہے تو جان لیں کہ خط مبرا نے لکھا ہے مگر اس کے باوجود نہ تو وہ کسی سے محبت کرتی ہے اور نہ کسی سے لولیٹرز کا رابطہ ہے اس سے یہ خط لکھوایا تھا۔ کسی اور نے کسی اور کے لیے اور وہ کون ہے یہ مبرا ابھی بتا نہیں سکتی۔"

"اس نے کہانی گھڑ کے سنادی اور تم نے یقین کر لیا۔ اگر وہ بے قصور ہے تو بتائے کہ کس نے لکھوایا کیوں اور کس کے لیے۔"

"ساجدہ تم بھی بے کار بحث چھوڑو بچی ٹھیک ہو گی۔ ہو سکتا ہے کسی سہیلی کا معاملہ ہو۔" نسیم بیگم نے کہا۔

"تو سہیلی مر گئی کیا۔" انہیں غصہ آیا۔

"ممی پلیز جو ہوا مٹی ڈالیں آئندہ ایسا کبھی نہ ہو گا آپ مبرا کی اسٹڈیز تو نہ روکیں۔"

"پہلے کیا کارنامہ انجام دیا ہے اس نے مزید پڑھ کے کیا کرے گی، بس رہنے دو اسے چار دن گھرداری سیکھنے دو پھر اگلے گھر سدھا

www.pkdigest.com

رہیں۔" وہ بیزاری سے بولیں۔
"ابھی سترہ سال کی تو ہے وہ کچھ بڑی تو ہونے دیں۔" وہ الجھی ہوئی۔
"بس تم چپ رہو میں بہتر جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔" وہ سختی سے ٹوک گئیں۔
"ممی اگر بڑے ابا یا ڈیڈی پوچھ بیٹھے کہ وہ کالج کیوں نہیں جاتی تو آپ کیا کہیں گی۔ اس کی بیماری کا بہانہ کب تک چلے گا آخر پلیز ایک بار مان لیں میں ضمانت دیتی ہوں میرا آپ کے اعتماد کی لاج رکھے گی آپ کو آج کے فیصلے پر قطعاً شرمندگی نہ ہوگی۔" سعدیہ نے باقاعدہ ان کے پیر تھام لیے۔
"اچھا تم جاؤ میں سوچتی ہوں۔" ساجدہ فوراً پاؤں کھینچتے ہوئے بولیں۔
اور اگلے ہی دن میرا کا کالج اور دیگر سرگرمیاں پھر سے اسٹارٹ ہوگئیں مگر اس چند دن کے بعد باہر نکلنے والی میرا پہلے سے یکسر مختلف تھی۔ دبو، نالائق سست اور ہر پل لڑائی پر کمربستہ میرا جیسے کھو چکی تھی۔ ہر وقت کا بولنا ہنسنا غائب تھا اور اک سنجیدگی تھی ذہانت و اعتماد کیا لبادہ تھا۔ جو بچپن کے نکلی تو مڑ کے نہ دیکھا۔ آذین کو فوراً ایر کلیئر کرتے ہی اعلیٰ تعلیم کے لیے فارن بھجوا دیا گیا اور میرا پرسکون سی ہو کے خود پر لگے ندامت و شرمندگی اور ملامت کے زخم دھونے کو لگاتار محنت کرنے لگی اور محنت و لگن کی بدولت بہت جلد وہ ٹاپ پوزیشن ہولڈرز سٹوڈنٹ میں اپنی جگہ بنا گئی۔ اس کا محتاط رویہ لیے دیے رہنے والا انداز اسے یونیورسٹی میں ممتاز رکھتا۔ تو اچھا متوازن رویہ اور سب کو دل جیتنے کی کوشش میں معمولی سے معمولی کام کو بھی خندہ پیشانی سے کر دینا انھوں پرایوں میں منفرد بنا گیا۔
حسن و ذہانت کا مرقع تو پارسائی و پاکیزگی کا کمبل ہر برائی سے پاک میرا گزرتے وقت کے ساتھ خوبصورت دیدہ زیب ہوتی گئی حجاب اس کے لباس کا اک لازمی جزو بن گئے تھے۔
کتنی محنت کی تھی اس نے یہ سب کرنے کے لیے کس قدر مارا تھا اپنے آپ کو اور جب زندگی جینے کے قابل بننے لگی تھی تو وہ پھر سے آ گیا تھا۔
جو ہی جس نے اس سے جینے کے تمام حق چھین لیے تھے، اس کی ساری کشتیاں جلا کے سفر پر روانہ کیا تھا میرا کی ساکت نگاہیں کھڑکی کے پار کھڑے خوبرو سے شخص جا ٹکرائیں جس کی تمام تر مردانہ وجاہت کے باوجود اسے اس سے شدید ترین نفرت محسوس ہو رہی تھی۔
"تمہیں میں کبھی معاف نہیں کر سکتی آذین علی تم ہمیشہ ناپسندیدہ رہو گے۔" اس کی آنکھیں پھر سے چھلک اٹھیں تو وہ رخ موڑ کے دیوار سے ٹیک لگا کے چہرہ پونچھنے لگی۔

سوز جگر بھی وہی، سوز الم بھی وہی
اے میرے دوست تیرے بخشے غم بھی وہی
اسی طور سے لگتا ہے کوئی برسوں بعد
کراتے ہوں دن کے لمحوں میں خوف و وحشت
مصیبت ہجر جھیلتی ہوئی رات کے زخم بھی وہی

☆......☆......☆

تمام رات اس نے روتے جاگتے آنکھوں میں کاٹی تھی وہ شخص جس کے لیے گزرتے سے اپنے اندر نفرت کو پل پل شدید ہوتے دیکھا تھا اک انتہائی معتبر عزیز اور قریبی رشتے کا حوالہ لے کر اس کی زندگی میں داخل ہونے جا رہا تھا اور وہ یہ سب قبول کرنے کو ہرگز تیار نہ تھی۔
خود پر لاپروائی بے نیازی اور طمانیت کا لبادہ چڑھا لینے کے باوجود وہ اک ان دیکھی آگ میں سلگ رہی تھی اس شخص کو سوچ کر جو اسے دنیا میں سب سے زیادہ ناپسند تھا جو بچپن سے اس کی خوشیاں چھینتا آیا تھا اس کی ہر جیت کے آڑے آتا رہا تھا۔ جس نے اس سے کبھی نرم رویہ نہیں برتا وہ اسے دیکھتی تو سانسیں تنگ پڑنے لگتیں اور یہی شخص اس کی زندگی تنگ کرنے والا تھا کیونکہ کچھ

گھنٹوں بعد آج کی تاریخ میں وہ مستقل طور پر اس شخص سے منسوب ہو رہی تھی۔
اس کے اندر تنفر کی تیز لہریں اٹھ رہی تھیں دل کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ اٹھتی بیٹھتی ٹہلتی چلتی وہ اک ہی بات مسلسل سوچ رہی تھی۔ آذین علی سے پیچھا کیسے چھڑایا جائے؟
تبھی بشرہ دروازہ ناک کر کے اندر آئی تھی وہ فوراً سیدھی ہو کے دیکھنے لگی۔
"اسلام علیکم میرا آپی آج تو بہت سوئیں نماز بھی قضا کر دی۔"
"نیندیں تو میری کب کی چھن چکیں اب سوتی کہاں ہوں بس خوابوں کے کنکر چنتی ہوں۔" اس نے تلخی سے سوچا اور بکھرے بال اکٹھے کر کے کیچر لگانے لگی۔
"تم ابھی تک اٹھی نہیں دلہن رانی اور مہمان آنے شروع ہو گئے۔" ثمرہ بولتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔
"مہمان کون سے۔" وہ چونک کے پوچھنے لگی۔
"ہماری ننھیال والے بھی کہ پہلا حق انہی کا بنتا ہے جو دادا اور دادی زندہ ہوتے تو آج کا دن مزید خوشیاں لیے طلوع ہوتا۔" ثمرہ نے کہا۔
"اچھا ہے کہ مر گئے وقت پر جو زندہ ہیں وہ کون سا خوشیوں کی سیج پر بیٹھے ہیں۔" میرا کی سوچ پھر سے تلخ ہوئی۔
"ویسے یہ ہوتی ہے قسمت مانگو نہ کھو بیٹھے بٹھائے بابے سہرے ہو گئے۔" سدرہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی۔
"تم فکر نہ کرو تمہارا ٹانکا بھی فٹ ہو چکا ہے اور بور کے اور تم بھی کھانے والی ہو۔" ثمرہ ہنسی تو سدرہ نے فوراً کہا تھا۔
"اور تمہارے میاں صاحب تو آ بھی چکے بس دو ہفتوں کا وقفہ ہے پھر تم ہوگی اور موسم رنگیلے سہانے۔"
ثمرہ بس ہنس کر رہ گئی اس کا نکاح دو سال قبل ماموں زاد سے ہو چکا تھا۔ جو ملازمت کے سلسلہ میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے اور اب آ چکے تھے۔ تو ثمرہ کی رخصتی کا ارادہ فائنل ہو چکا تھا۔
"لڑکیو کہاں ہو تم لوگوں سے کہا تھا میرا کو پارلر لے جاؤ۔ مہمان آنا شروع ہو چکے ہیں اور تم ہو کہ یہیں ایک ایک کر کے گھسی بیٹھی ہو نہ اندر کی خبر نہ باہر کی۔" بڑی امی دبنگ آواز میں پکاری سب بھاگیں۔
ان سب کے باہر نکلنے پر میرا ایک لمبا سانس خارج کرتی واش روم کی جانب گئی منہ ہاتھ دھو کے باہر نکلی اور کپڑے اتار کے ہیئر برش سے بال سنوارتے ہوئے پھر سے کچھ لگایا ہاتھوں پر کلینزنگ ملک لگاتے ہوئے وہ پلٹی تو سعدیہ جھپٹی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔
"اسلام علیکم کیسی ہو میرا تم پر تو دلہناپے کا روپ پہلے ہی چڑھ گیا۔" وہ اسے خود سے لپٹاتی ہوئی بولیں تو اس کے گلے میں جیسے آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا۔
"ویسے تم ماشاءاللہ ویسے اتنی سافٹ اور فیئر رنگ کی مالک ہو پارلر والوں کو مفت کا چیک دینا ہے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔
"آپی آپ تو ایسا نہ کہیں آپ کو تو میں نے اپنی وکالت اپنے حق بولنے کو بلایا ہے نہ کہ اپنی شکستگی و بے چارگی کا جشن منانے کو۔" وہ آزردہ سی ہو کے بولی۔
"I am so sorry اب مذاق چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے ماحول ایسا بنا ہوا ہے کہ منہ سے نکل گیا۔ بہرحال تم Tense مت ہو میں کرتی ہوں بڑوں سے بات۔" سعدیہ اسے حوصلہ دے کے نکلی۔

☆......☆......☆

پچھلے دو گھنٹوں سے بند کمرے میں کیا

www.pkdigest.com

میٹنگ ہو رہی تھی کون سا فیصلہ کینسل اور کون سا او کے ہو رہا تھا۔ وہ جلے پیر کی بلی کے مانند لاؤنج میں چکر کاٹ جانے کو بے تاب تھی۔

"اسے کہتے ہیں خدا جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کے دیتا ہے۔ میرا تم واقعی بہت خوش قسمت ہو سب فیصلے بہت اچھے ہو رہے ہیں مگر تمہارا فیصلہ سونے کے تاج میں اکلوتے ہیرے جیسا سنہرا ہے۔" سدرہ لاؤنج میں دھرے صوفے پر گرتے ہوئے بولی۔

"کیسا فیصلہ؟" وہ ڈوبتی ابھرتی ہوئی بولی۔

"ارے بھئی شادی کا فیصلہ اور کون سا سب منگنی کا کہہ رہے تھے مگر امی بولیں۔" گھر کی بات ہے سیدھا سیدھا نکاح پڑھوا دیں رخصتی بے شک میرا کا فائنل ایئر مکمل ہونے پر ہو جائے اور سعدیہ آپی ارشد بھائی یاسمین بھابی فہیم بھیا سمیت سب نے بھرپور تائید کر دی۔ اور اب آپ کا نکاح ہوگا۔ آج ہی ہے ناں قسمت کی بات۔"

"نکاح، شادی میری" اس کی رنگت یکدم زرد پڑ گئی۔

"ساجن جی گھر آئے دلہن کیوں شرمائے۔" سدرہ اب ہنستے ہوئے گانے لگی اور وہ ساکت سی یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

اکیلی رات اور دکھ کا آنچل
اس کی یاد اور دکھ کا آنچل
بڑی مدت سے قائم ہے جدائی
تیرا میرا ساتھ اور دکھ کا آنچل
شام ڈھلے ہجر کنارے
پھیل رہی رات اور دکھ کا آنچل
کس دریا کی نذر کروں
بکھری ذات اور دکھ کا آنچل
کس کے خلوص کا تحفہ کہوں
ٹوٹے خواب اور دکھ کا آنچل
خون میں بھیگتا جاتا ہے
ہوا کا پات اور دکھ کا آنچل

سلگتی میرے تن گی
رات اور دکھ کا آنچل ہے

"کیا تھا یہ سب زندگی کے بارے میں یہ تو نہ سوچا تھا۔ زندگی جو روپ لے کر سامنے آئی تھی سمجھ نہ آتا تھا۔ اس کے چہرے پر اعتبار کرے یا رنگ پر۔ ہنستے مسکراتے سب اپنے چہرے اپنے لوگ اس کے روبرو تھے چمکتے دمکتے ملبوسات اور خوشی سے چہکتے لہجے اور ان سب میں وہ تھی اداس مضمحل آزردہ خالی آنکھیں، بے حس دل اور ہر شے ہر چہرے کو بے گانگی سے دیکھتی نگاہیں۔

"سعدیہ آپی آپ کو تو میں نے اپنی راہ کے کانٹے ہٹانے کے لیے بلایا تھا اور آپ نے مستقل میرے لیے کانٹوں کی سیج تیار کر دی۔" وہ اسے اٹھانے کے لیے آگے بڑھیں تو میرا کا دل بے طرح چلایا تھا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو خدا نظر بد سے بچائے۔" انہوں نے زرتار دوپٹہ درست کرتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔

"مائی گڈنس میرا یہ تم ہی ہو۔ بہت زیادہ زبردست لگ رہی ہو۔ ایسا نہ ہو آذین بھائی کی نیت بدل جائے اور وہ رخصتی کے لیے شور مچا دیں۔" سدرہ بھی تحیر آمیز خوشی سے بولی تھی۔

اور میرا ان کے تبصروں سے بے نیاز دلہناپے کے حسین روپ میں سجی منجمد کھڑی تھی۔ اسے بہت دھیرے سے آذین کے برابر میں بیٹھا دیا گیا تھا اور بیٹھتے ہی نکاح نامے کے کاغذات اس کے سامنے رکھ دیے گئے تھے۔ اس نے لحہ بھر نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا سعدیہ آپی اور امی اشارے سے سائن کرنے کو کہہ رہی تھیں۔ وہ یکلخت ہی دکھ اور تاسف کی انتہا پہ آ کھڑی ہوئی۔

"یہ ہیں میری ماں بہن جنہیں میری خوشی کا کوئی احساس نہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے مجھ پر زندگی تنگ کر دی ہے۔"

"اجازت دیں بھائی صاحب۔" نکاح

خواں اعجاز عباس سے مخاطب ہوئے۔

"اجازت ہے، میرا بیٹی دستخط کر دو۔" ڈیڈی نے کہا تو اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

آنسو کا قطرہ ہتھیلی کی پشت پر گرا اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے دستخط کر دیے۔

"مبارک ہو مبارک ہو" سب آذین کو گلے مل رہے تھے۔

"یہ ہے میری قسمت یہ شخص جو بچپن سے میرے لیے ناپسندیدہ رہا اور عمر بھر کے لیے میرے اعصاب پر مسلط ہو گیا۔" اس کے آنسو مسلسل بہتے ہوئے چہرہ بھگو رہے تھے۔

"بہت خوش قسمت ہو تم میرا آذین تعاون کرنے والا اور پرخلوص شخص ہے۔" پھپھو نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"ہاں واقعی اس نے بہت خلوص اور دل سے میری زندگی برباد کی ہے۔" وہ اندر ہی اندر سلگی۔

"ہاں تو ڈیئر کزنز اب سیدھے ہو جائیں ذرا اب کے ساتھ آپ کا موؤی سیشن اور فوٹو سیشن شروع ہونے لگا ہے۔" راحیل کیمرہ لیے آگے بڑھا تھا۔

"نہیں راحیل، میرے سر میں درد ہو رہا ہے میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔" میرا کسی کا بھی خیال کیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا بچی سب کی خوشی کا احساس کرتے ہیں تھوڑی دیر کی بات ہے یادگار موقع ہے اکٹھے تصویریں بنا لینے دو۔" بڑے ابا اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔

"میرا آپی پلیز سمائل" راحیل پکارا تھا۔

سعدیہ نے دیکھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی ہلکی سی رمق بھی موجود نہ تھی۔

"جانے یہ بیل منڈھے چڑھے گی یا نہیں۔"

وہ اندر سے پریشان ہوئیں۔

آذین نے تصویر بنوانے کے لیے اس کے شانوں پر بازو دراز کیا تھا اور وہ کسمسا کر پرے ہٹی تھی اس حرکت پر ممی نے نگاہوں ہی نگاہوں میں سرزنش کی جسے وہ آرام سے نظر انداز کر گئی۔ سب کزنز اصرار کر کے آذین کو پوز بتاتے ہوئے تصویر بنا رہا تھا۔ گھنٹہ بھر اسی کام میں لگ گیا تھا۔

پھر زنیرہ اور راحیل کی سگائی اور دو ہفتے بعد ثمرہ کی رخصتی کا اعلان کیا گیا تو یک پارٹی میں ایک خوشگوار ہلچل مچ گئی۔ بزرگ لوگ مسکراتے ہوئے ان کے گھل ملنے کو دیکھتے اپنی گفتگو میں بھی مصروف تھے۔

"آج کی اس محفل کے روح رواں آذین بھائی ہیں بہت مرادوں بھرا دن ہے ان کے لیے تو ہو جائے آذین بھائی کی طرف سے ایک شوخ گیت۔" نعمان بڑے اسٹائل سے ہاتھ کا مائیک بنا کے بولا تو سب لیس کرنے لگے۔

"نا بھئی نا یہ گیت ویت ہمارے بس کا روگ نہیں کیوں خواہ مخواہ نامور سنگرز کی روحوں کو تڑپانا چاہتے ہو۔" آذین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ایک اور آپشن بھی ہے آپ شاعری سنا دیں دل کو چھوتی دھڑکنوں کے تار ہلاتی۔" نعمان فوراً بولا تو سب پیچھے پڑ گئے اور مجبوراً آذین کو حامی بھرنا پڑی۔ وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اپنے برابر بیٹھی میرا کو لحہ بھر دیکھتے ہوئے۔

بہت دلکش لب و لہجہ میں اپنی خواہشوں، محبتوں کو بیان کرتے ہوئے اس کے اندر اک ہلچل سی بیدار کر گیا۔

میرے خوابوں کو تمنا کے شگوفے دینا
میری آنکھوں کو کسی محبت کے تحفے دینا
ہتھیلی پہ میری رکھنا قبول دعا کا مرہم
میرے بے نور تخیل کو روشنی کے ترجمے دینا
رشتہ آرزو کا نہ خواب سے ٹوٹنے پائے
نوک لب پہ سرخوشی کے ذائقے دینا
میں بڑی لمبی مسافت پہ ہوں میرے ہمدم
میرے قدموں میں منزل کے راستے دینا

www.pkdigest.com

تجھ کو دیکھوں تو پلکوں تلے جلتے ہیں چراغ
نگاہوں کو خوش نمائی کے ذائقے دینا
ملائیں تجھ سے جو ابھریں وہ لکیریں ہتھیلی پر
اصل جس میں ہو وہ زائچے دینا
مجھے دینا نہ جدائی عمر بھر کے لیے غزل
دینا تو بس رفاقت کے آئینے دینا

☆.....☆.....☆

اس کے ہاتھ میں اخبارِ جہاں کا تازہ شمارہ تھا اور سامنے چلتے ٹی وی کے کیبل چینل پر بہت اچھی مووی آ رہی تھی مگر اس کی توجہ نہ فلم پر تھی اور نہ اخبار پر وہ دونوں سے لاتعلق کہیں اور گم تھی۔ اندر آتی سعدیہ نے کچھ دیر اسے دیکھا مگر مبرا کے کوئی رسپانس نہ دینے پر وہ بول پڑیں۔

"ہیلو مبرا میں ہوں، تم تو کل سے اپنے کمرے کی ہو گئیں، باہر نکلی نہیں۔"

"آپ کو زندہ نظر آ رہی ہوں نا تو سمجھیے بہت اچھی ہوں اور رہی باہر کی بات تو باہر کا ماحول آپ نے اتنا اچھا بنا دیا کہ میں خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتی۔" وہ تلخ کر بولی۔

"مبرا کیسے بات کر رہی ہو" سعدیہ کچھ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"جیسا سلوک آپ نے کیا ہے میرے ساتھ میری زندگی کے ساتھ اس کے لحاظ سے تو بہت نرمی برت رہی ہوں ورنہ....." وہ بولتے ہوئے یکدم چپ ہو کر رخ موڑ گئی۔

"مبرا چندا ناراض ہو میری بہن۔" سعدیہ نے بے چینی سے اس کا چہرہ پکڑ کے اپنی طرف کیا تو وہ رو رہی تھی۔

"مت کریں یہ ڈھکوسلے بازی میرے ساتھ پہچان گئی ہوں آپ کو بہت اچھی طرح۔" وہ جھٹکے سے پیچھے ہو کر بولی۔

"مبرا یوں امت کرو۔ ہم سب تمہارے دشمن تو نہیں۔"

"دوست بھی نہیں۔" وہ فوراً بولی۔

"مبرا تم سمجھتی نہیں ہو۔ آذین بہت اچھا بہت پڑھا لکھا اور دیکھا بھالا لڑکا ہے۔ یقین کرو تم اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزارو گی۔" وہ نرمی سے بولیں۔

"عمر بھر کے لیے تو عذاب کا سورج آپ نے میرے سر پر دہکا دیا ہے۔ قہر بھری دھوپ میں کھڑا کر دیا ہے مجھے اس میں اچھائی کیا ہے اور وہ شخص کتنا اچھا ہو مجھے کیا لینا جب میں اس سے شدید نفرت کرتی ہوں تو اس کی خوبیوں سے میرا کیا کام۔"

"یوں مت کہو مبرا، وہ اب تمہارا شوہر ہے۔" سعدیہ نے ٹوکا۔

"کیوں بنایا ہے آپ لوگوں نے اسے میرا شوہر کس نے یہ اختیار دیا تھا۔ آپ لوگوں کو کہ میری زندگی کے ساتھ ایسا سنگین مذاق کریں۔ میں آپ سب کو معاف نہیں کروں گی۔" وہ چبھتے ہوئے بولی۔

"مبرا آہستہ بولو، کیوں خوامخواہ دماغ خراب کر رہی ہو اپنا بھی دوسروں کا بھی، اچھا بھلا پڑھا لکھا ہینڈسم بندہ ملا ہے اور تمہارے نخرے نہیں سنبھلتے اس کو لڑکیوں کی کیا کمی تھی بھلا تم تو خوش قسمت ہو کہ اس نے تمہارے نام قرعہ ڈالا ہے۔"

"تو اس ہینڈسم اور قابل شخص کے لیے آپ کوئی اچھی اور قابل لڑکی منتخب کر لیتیں کس نے کہا تھا کہ خوش قسمتی کا یہ ڈھول میرے سر پر بجا کے مجھے ہمیشہ کے لیے بدنصیبی کے خانے میں سلا دیں۔"

"تم ناشکری لڑکی ہو۔ عادت پڑ گئی ہے تمہیں ہر پل بھڑکتے رہنے کی۔" سعدیہ غصہ سے بولی۔

کیا ہوا ہے تم لوگوں کو کیوں شور ڈالا ہے اور مبرا تم کیا تماشہ لگائے بیٹھی ہو باہر سب آوازیں سنائی دے رہی ہیں، ممی اندر آئیں۔

تماشہ تو میں بنی ہوں آپ کی مہربانی سے اور اب آپ سب کو بتاؤں گی کہ تماشہ بنایا کیسے جاتا ہے دوسروں کی زندگی کو۔"

وہ تڑ سے کہہ کے باہر نکلی، سعدیہ اور ممی ایک دوسری کو پریشانی سے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆.....☆.....☆

"آذین سچ سچ بتاؤ اس رشتے سے تم بھی خوش ہو یا صرف ایکٹنگ کر رہے ہو۔" سعدیہ اس وقت آذین کو گھیرے کھڑی تھی۔

"خوش ہوں سب میری مرضی سے ہوا ہے ناخوش ہونے کی کیا بات ہے۔" وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

"جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو۔" سعدیہ نے غور سے دیکھا۔

"Please belive me مجھے کیا ضرورت ہے بھلا جھوٹ بولنے کی اور آپ کو یہ وہم کیوں ہوا کہ میں خوش نہیں ہوں۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے ہوئے پوچھنے لگا۔

"In fect مبرا خوش نہیں ہے۔ وہ بہت مجھے اور ناراضگی کے عالم میں ہے۔" سعدیہ پریشانی سے بولی۔

"تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ پہلے وہ کون سا خوشی اور سرشاری کے عالم میں ہوتی ہے۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"آذین وہ بہت بیوقوف ہے کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

"کچھ نہیں کر سکتی وہ سب سے بڑی بات تو نکاح کی تھی جب وہ آرام سے ہو گیا تو اب وہ کیا کر لے گی۔"

"تمہاری لائف ڈسٹرب کرے گی، تم پریشان رہا کرو گے۔"

"میری لائف؟ آپ کو کیا لگتا ہے وہ پانچ فٹ کی ذرا سی لڑکی میری لائف ڈسٹرب کر سکتی ہے اور اگر وہ کچھ کرنے کی کوشش کرے گی تو مجھے اس سے نپٹنا خوب آتا ہے۔" وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"تمہیں منع کیا تھا تم نے خوامخواہ پریشانی مول لی ہے۔"

"پیاری آپی آپ Tens مت ہوں یہ پریشانی مجھے بہت عزیز ہے جان سے عزیر لوگ اگر پریشانی دیں بھی تو وہ بھی خوشی لگتی ہے۔ اس کے لہجے میں بہت سکون تھا۔

"تم میری بات کو سیریس نہیں لے رہے وہ تم سے نکاح پر ناراض سے تمہارا ساتھ اس کے لیے خوش کن نہیں ہے تمہارا وجود وہ قابل نفرت گردانتی ہے۔ تم اس کے ساتھ ایک اچھی زندگی کیسے بسر کرو گے۔"

"کہا نا کہ آپ پریشان نہ ہوں وہ کسی کے سامنے کچھ بھی کہے مگر میرے سامنے کچھ کہنے کی جرات اس میں نہیں۔"

"جب وہ تمہاری بیوی بن گئی تو یہ جرات خود بخود آ جائے گی۔" سعدیہ نے باور کرایا۔

"چلیں دیکھا جائے گا جرات کو جرات سے ماریں گے۔" وہ ہنس دیا کہہ کر۔

"یہ ممی لوگوں کو بھی جانے کیا سوجھی پکڑ کے نکاح کر دیا۔ منگنی تک بات رہتی تو معاملہ سنبھالا جا سکتا تھا۔ اب نکاح کو کیسے سنبھالیں۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" وہ آرام سے بولا۔

"تم پر چھوڑ دوں تم جانے کیا چاند چڑھاؤ گے۔ پہلے تو تم بتاؤ جب تمہیں اس کے رویے کا اندازہ ہو چکا تھا تو تم نے اس رشتے کے لیے حامی کیوں بھری۔" بلیک پینٹ شرٹ میں ملبوس آذین علی نے لان میں چھیلی گلابوں کی خوشبو اک گہری سانس کے ذریعے اپنے اندر کھینچی اور اپنی خوشنما آنکھوں کو لان پر ٹکاتے ہوئے بولا۔

"میں نے تو اپنے والدین کی خواہش اور رضا کو مقدم جان کر حامی بھری تھی آگے رہا کام اس کی ناراضگی یا انکار کا تو یہ کام آپ کے والدین

www.pkdigest.com

کا تھا کہ وہ سب طے کرتے وقت اس کی رضا معلوم کرتے۔ اب انہوں نے یہ نہیں کیا تو میں قصوروار کیسے؟"

"مطلب تم نے صرف اپنے والدین کی بات رکھی ہے۔ مبرا میں پرسنلی انٹرسٹ تو تمہارا بھی نہیں ہوگا۔" وہ یکدم بات پکڑ کر بولیں۔

"نہیں وہ میری فرسٹ کزن ہے۔ بچپن سے جانتا دیکھتا رہا ہوں۔" اتنا سیدھا وہ بھی نہ تھا کہ بات پر کھل جاتا۔

"تو محبت تو نہیں نا یوں گاڑی کیسے چلے گی دونوں جانب خشکی۔"

"خیر اتنی خشکی بھی نہیں جتنی آپ نے سمجھ لی ہے۔" اب وہ ذرا سا ہنس کر بولا۔

"ویسے بھی شادی کے بعد میں اسے بدل لوں گا۔" اب وہ سنجیدہ تھا۔

"یہاں اس ماحول میں اس گھر میں یوں اپنے والدین بہن بھائیوں کے سامنے وہ کیسے بدلے گی بلکہ زیادہ ضد پکڑ لے گی۔"

"وہ یہاں رہی تب ہے نا مجھے آفس کی جانب سے گھر مل رہا ہے اسے وہیں رکھوں گا۔ مجھے معلوم ہے وہ بہت جذباتی لڑکی ہے کل کو کوئی بھی حرکت اس سے سرزد ہو جو دلوں میں فرق لائے اس سے بہتر یہی ہوگا کہ میں اسے کچھ عرصہ سب سے دور رکھوں جب سب کنٹرول ہو جائے تو ہمیں یہیں رہنا ہے اپنوں کے بیچ۔" رسان سے بولتے ہوئے اس کے وجیہہ چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"اگر تمہارا یہ ارادہ ہے تو ٹھیک ہے ویسے تم اسے سب کچھ بتا دیتے تو اچھا رہتا کم از کم اسے اطمینان تو رہتا کہ سب پانچ سال قبل ہونے والے اس ناگوار واقعے کی اصلیت سے واقف ہیں اور اسے برا نہیں سمجھتے۔" سعدیہ نے کہا تو وہ اطمینان سے بولا۔

"یہ وقت آنے پر میں خود بتاؤں گا اور ویسے بھی اس وقت تک نکاح کا رشتہ میرے حوالے سے مبرا کے احساسات میں نرمی اور تبدیلی لا چکا ہوگا۔"

"یہ الفاظ و قیاس تو بعید ہے۔"

"امید تو ہے ناں سب اچھا ہونے کی اور کسی بھی کام کے لیے خوشی امید ہی کامیابی کی سیڑھی ہے۔"

"اگر اس سیڑھی کو کوئی پوری قوت سے گرانے کو تیار ہو تو....." سعدیہ نے کہا۔

"تو دوسرا پوری قوت سے بچا لے گا نہ صرف خود کو بلکہ اسے بھی۔"

یہ کہتے ہوئے آذین علی کے وجیہہ چہرے پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ سعدیہ نے کچھ جھلا کر اسے دیکھا تھا پھر خود بھی مسکرا دی۔

پھپھو کی فیملی واپس جا رہی تھی گاڑی میں بیٹھنے سے کچھ دیر قبل پھپھو مبرا سے مل کے اور سمجھا بجھا کے آئی پھر سعدیہ اور ارشد ملنے گئے تو مارے باندھے وہ ارشد بھائی کو تو خدا حافظ کہہ گئی مگر سعدیہ نے گلے لگانا چاہا تو بڑے نخس سے انداز میں یونہی ہاتھ چھوڑے کھڑی سعدیہ کی آنکھیں بے اختیار بھر آئی تھیں وہ تیزی سے رخ موڑ کر باہر نکلی مبرا گلاس ونڈو میں سے باہر دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

"تم ابھی تک سوگ میں ہو یار کیا زندگی کا مزہ کرکرا کر رہی ہو باہر نکلو۔" یاسمین بھابی اس کے کمرے میں آئیں۔

"مزہ تھا ہی کب جو کرکرا ہوا ہے ہاں آپ کو لگتا ہوگا کہ دوسرے بندے کو مصیبت میں دیکھ کر سب کو مزہ آتا ہے۔" وہ جل کر بولی۔

"مصیبت کیوں اللہ خیر کرے تمہارا مستقبل محفوظ ہے خوشیاں منتظر ہیں خود خوشی کی دستک کو راستہ نہ دو تو الگ بات ہے۔" یاسمین نے کہا۔

"بھابی آپ کو فہیم بھائی ملے ہیں اچھے سلجھے بندے ہیں آذین علی نامی شخص نہیں جن کی حقیقت

سے آپ واقف نہیں۔"

"کچھ بھی ہو مبرا برا مت ماننا بہن سمجھ کر کہہ رہی ہوں اگر کوئی بات یا انکار ہے بھی تو طریقے سے پرسکون رہ کر صورتحال سے نپٹو سب کو محسوس نہ بھی ہو اور تمہارا حل بھی نکل آئے کہ ہفتہ بھر بعد ثمرہ کا رخصتی فنکشن ہوگا یوں موڈ بنا کے رہنا اپنوں پرایوں کو سو باتیں بنانے کا موقع دے گا بہتر یہی نہیں ہے کہ آرام سے سب کو کنوینس کرو نہ کہ غم و غصے کے اظہار سے۔"

یاسمین نے رسان سے کہا تو وہ چند منٹ بالکل چپ ہو کر اسے دیکھتی رہی پھر سر اثبات میں ہلا کر اس کے ہمراہ باہر نکلی کہ جینے کا حل تو سوچنا تھا کسی طور سہی پر اس میں بھی تھوڑی مشکل تھی کہ پوریشن علیحدہ ہونے کے باوجود کھانا پینا چونکہ ایک دسترخوان پر چلتا تھا۔ آذین سے اس کا سامنا صبح و شام ہونا ایک یقینی اور عام بات تھی گو اپنے رویے کی بناء پر وہ بات محسوس نہ ہونے دیتی تھی اور بڑے ابا بڑی امی، چچی، ڈیڈی کزنز کے ساتھ وہ ہلکی پھلکی نوک جھونک اور خوامخواہ کی بحث میں مصروف ہوتی یوں آذین سے اس کا کھنچے رہنا کسی کو قابل توجہ نہ لگا مگر ثمرہ کی رخصتی سے دو دن قبل پھپھو آ پہنچیں تو انہوں نے یہ بات نہ صرف نوٹ کی بلکہ ساجدہ سے پوچھ بھی لیا۔

"یہ مبرا اور آذین آپس میں بات چیت نہیں کرتے کیا؟" ساجدہ ایکدم سٹپٹا گئیں اور جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

"آپا ایک جھجک سی تو ہوتی ہے اس رشتے میں وہی ہے اور کوئی بات نہیں۔"

"ساجو جھجک الگ بات ہے بالکل توجہ نہ دینا اور نظر انداز کرنا الگ بات۔"

"مجھے سمجھ نہیں آیا آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔" ساجدہ نے زچ ہو کے کہا۔

"وہ دونوں کزنز ہیں آپس میں بچپن سے ساتھ رہے ساتھ پلے بڑھے ہیں اس رشتے سے ہٹ کر ایک مخصوص فرینڈ شپ کی فضا ہونی چاہئے باکم از کم ہلکی پھلکی گفتگو جبکہ دونوں ایک دوسرے سے ایسا گریز برتتے ہیں جیسے ادھار کھائے بیٹھے ہوں۔"

"آپا کوئی بات نہیں دونوں محض ایک جگہ اپنوں کے بیچ رہنے کی وجہ سے احتراز برتتے ہیں جو آپ محسوس کر رہی ہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"خدا کرے جو میں محسوس کر رہی ہوں واقعی وہ بات نہ ہو مگر پھر بھی تم سے ایک بات کہنی ہے کہ اگر مبرا اس رشتے پر راضی نہ تھی تو یہ بندھن حصے کی کیا تک تھی۔" پھپھو آخر وہ بات کہہ ہی گئیں جو کب سے ان کے دل میں کھٹک رہی تھی اور اس بات نے ساجدہ بیگم کو جیسے چپ سادھنے پر مجبور کر دیا کیا کہتیں وہ کہ مبرا کے انکار اور اعتراض کو انہوں نے خود ہی سختی سے رد کر دیا تھا کسی اور تک پہنچنے سے پہلے اب تو صرف پیار محبت نرمی سے اسے سمجھایا ہی جا سکتا تھا۔

اور یہ کوشش وہ کر بیٹھیں تو مبرا جیسے بھڑک اٹھی۔

"سب کچھ تو آپ نے اپنی مرضی سے کر دیا یہاں تک کہ نکاح کروا کے دم لیا۔ اب آپ کیا چاہتی ہیں مجھ سے میں آپ کی بیٹی ہوں نمی سگی بیٹی سوتیلی نہیں پلیز رحم کریں مجھ سے بدلے لینے کی کوشش مت کریں۔" آخر میں اس کی آواز بھرا گئی تو ساجدہ بیگم ملتجیانہ انداز اپناتے ہوئے بولیں۔

"مبرا تم اس نکاح کی حیثیت کو نہ سہی جو رشتہ پہلے سے ہے کم از کم اس کی وجہ سے دوستوں والا رویہ تو رکھ سکتی ہو۔"

"دوستوں والا رویہ اور آذین علی سے شرم آتی ہے مجھے اس سے رشتہ ظاہر کرتے یا نرم رویہ اپناتے کیونکہ وہ یہ سب ڈیزرو نہیں کرتا وہ صرف نفرت ڈیزرو کرتا ہے اور میں اسے صرف یہی دے سکتی ہوں۔"

"مبرا یہ تو پھپھو تھیں جو تمہارا آذین سے کھچا

www.pkdigest.com

سید اختر ناز

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

کھانا نصیب نہیں ہوا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ اپنے کھجوروں کے باغ سے کھجوریں توڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا۔ کھانا جب سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہؓ کو بھجوا دو' کئی روز سے اسے کھانا نصیب نہیں ہوا۔

زندگی

ان کی روز مرہ کی زندگی غریبوں اور مسکینوں کی سی تھی اور انہی کے ساتھ ان کو خاص طور پر محبت اور یک جہتی کا احساس تھا۔ ہر قسم کے ہاتھ کا کام خود کر لیتے تھے۔ اس میں کسی طرح کی عار نہ تھی۔ گھر کی صفائی کرتے' مویشیوں کو چارہ ڈالتے' بازار سے سامان خریدتے' پھٹے کپڑوں کو پیوند لگاتے' ٹوٹے جوتوں کو گانٹھتے' نوکروں کے ساتھ بیٹھ کر اکٹھے کھانا کھاتے اور اگر بعض دفعہ کھانے کو کچھ بھی میسر نہ ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور بھوکے ہی سو جاتے۔ کبھی کئی کئی ہفتے چولہے میں آگ نہ جلتی اور پانی اور کھجوروں پر گزارا ہوتا۔

دنیا کا واحد معجزہ

لفظ "محمد" کے معنی مجموعہ "خوبی" اور "مخلوق کامل" کے ہیں۔ اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے' یعنی "محمد" کے معنی "جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔" تعریف کے بعد تعریف اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ محض اعتقاداً" نہیں بلکہ واقعتہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے پردہ اٹھتا جاتا ہے۔ علماء و فضلاء یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے حوالے سے اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے' دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو ختم کرنے کی ضرورت ان کے نزدیک اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ بادل ناخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتی ہے کہ بے شک پیغمبرؐ عرب کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عام انسان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اہل ایشیا اور یورپ کے بعض علاقوں کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے' اسی قدر وہ پیغمبر عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک چودہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے۔ مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہو گی۔ خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں جس قدر بھی ترقی کرتی جائے یا اپنے ماضی کو دہرائے دونوں حالتوں میں اسے کمالات نبوتؐ کے اعتراف سے چارہ نہ ہو گا۔ اس حیثیت سے نام مبارک کا ترجمہ خوبیوں اور اچھائیوں کا سلسلہ ہو گا۔

چیلنج آج بھی اسی طرح گونج رہا ہے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ضبط نفس پاکیزگی اور صداقت کا نمونہ تھی بچپن میں ہی لوگ آپ کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "الامین" پکارا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضروریات کو اپنے خاندان کی ضروریات پر بھی مقدم نہ جانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان تمام عرب بھر میں موقر اور معزز تھا۔ جب بھی قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے اور مخالفت کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں برملا کہا کرتے تھے۔

"اے قریش! میری زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے بسر ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ تو سہی کیا تم نے اس عرصہ میں مجھ میں کوئی بھی برائی دیکھی ہے؟"

یہ چیلنج آج بھی اسی طرح مشرق و مغرب میں گونج رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کو بھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی ایک واقعہ پر بھی حرف گیری کر سکے۔

سادگی کا یہ عالم

کھانے میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا عموماً "جو کی روٹی ہوتی تھی اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چھلنی نہیں تھی' اس لیے اس کی بھوسی پھونک مار کر اڑا دی جاتی تھی۔

چنانچہ عمر بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی چھنے ہوئے باریک آٹے کی روٹی تناول فرمائی اور نہ ہی کبھی دسترخوان پر کھانا کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ جو کچھ موجود ہوتا تھا' وہی تناول فرما لیتے تھے اور بھوک نہیں ہوتی تھی تو چھوڑ دیتے تھے۔

نصف کھجور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال سے زیادہ اپنی امت کی آسائش و سہولت کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ لگان و خراج سے جو مال و دولت اور اشیاء آپ کو موصول ہوتیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوری طور پر لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنے لیے کچھ نہ چھوڑتے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین روز تک گھر میں آگ نہ جلتی اور آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یا نصف کھجور کھا کر روزہ افطار کر لیتے۔

کھائیے اور کھائیے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر جب کوئی مہمان ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس سے فرماتے جاتے' کھائیے اور کھائیے' جب مہمان خوب سیر ہو تا اور بے حد انکار کرتا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصرار سے باز آ جاتے۔

سادہ زندگی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بہت سادہ بسر کی اور وفات سے پہلے فرمایا!

"کہ میرے ورثاء کو میرے ترکے میں روپیہ پیسہ کچھ نہ ملے گا۔"

حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دنیاوی سازو سامان میں سے کچھ تھا ہی نہیں جو کسی کو دیا جاتا۔ حالت تو یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ مبارک ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ... قرض نہ تھی کہ اسے چھڑاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ... ایک جبہ' ایک تھیلا اور تھوڑی سی ... چھوڑا۔ ... نہیں چھوڑی اور ان اشیاء کی بابت بھی ارشاد فرمایا کہ یہ خیرات کر دی جائیں۔

ٹاٹ کا ٹکڑا

حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں' گھر میں ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا جسے ہم دوہرا کر دیا کرتے تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک رات میں نے خیال کیا کہ اگر اس کی چار تہیں کر دیں تو غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ آرام ملے گا۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا' جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"رات کو تم نے میرے لیے کیا بچھایا تھا؟"

میں نے کہا۔

"وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹاٹ تھا مگر اس کی چار تہیں کر دی تھیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر طریقے سے آرام کر سکیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نہیں اسے تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی کر دو۔ اس نے مجھے نماز شب سے باز رکھا۔"

خدا کا شکر گزار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں۔" ارشاد ہوا۔

"کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔"

رونا آتا ہے

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے دودھ شریک بھائی مسروق

www.pkdigest.com

جانا محسوس کر کے بات کر گئیں کل کو دیگر مہمان آئیں گے وہ یہ بات اور طریقے سے محسوس کر کے اور باتیں کریں گے۔ تم اور کچھ نہیں تو کم از کم رویہ تو نارمل رکھو جیسا سب کو ٹریٹ کر رہی ہو آذین کو بھی کرو آخر منکوحہ ہو تم اس کی اور کچھ دن میں باقاعدہ بیوی جاؤ گی۔"

"نہیں ہے وہ میرا شوہر نہ میں اسے اپنی زندگی میں شامل سمجھتی ہوں نہ خود کو اس کی منکوحہ مانتی ہوں میں اس سے کسی بھی قسم کا تعلق یا رشتہ داری باعث نفرت سمجھتی ہوں اور یہ بات میں بلا تامل اس سے یا کسی سے بھی کہہ سکتی ہوں۔" وہ چڑ کر کہتی ہوئی لاؤنج کی بیرونی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو لاؤنج میں داخل ہوتے آذین علی کو دیکھ کر لمحے بھر کے لیے اس کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔

پھر وہ سر جھٹک کر سائیڈ سے ہوتی جھپاک سے باہر نکل کر لان میں آ گئی اور آذین علی وہیں کھڑا رہ گیا اس کے چہرے کے دلکش نقوش میں سوچ کی گہری پرچھائیں تھیں اور آنکھوں میں تفکر و دکھ کا ہلکا سا تاثر.......

☆......☆......☆

میں نے سوچا تھا تیری زلف کے سائے تلے
اک خواب کا حسین شہر کروں گا آباد
جس کے ہاتھوں میں ہو سورج کی کرن کی تقسیم
ایسی صبحوں سے بہت دور افق کے اس پار

کتنے حسین روپہلے اور ریشمی خوابوں سے مہکا رہتا تھا اس کا شہر دل کیا کچھ سوچ رکھا تھا اس نے آنے وقت کو خوبصورت اور عزیز تر امنگوں سے مہکانے کے لیے اور وہ کتنا متضاد رکھتی تھی اس کی خواہشوں اور چاہتوں کے یکسر برعکس اس سے برملا شدید نفرت اور بیزاری کا اظہار اس سے وابستہ خوبصورت رشتے کو رد کے مبرا عباس کس قدر پر سکون تھی۔

آذین علی بلاوجہ ہی آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا کتنی دیر خود کو ہر زاویے سے دیکھتا پر رہا۔ قیمتی ڈریسنگ میں ملبوس وجاہتوں اور مردانہ کشش سے بھرپور موہنے نقوش سے سجا وجود او نچا لمبا اور چوڑا جسم بلاشبہ وہ ایک ہینڈسم اور ڈیسنٹ مرد تھا جس کے پاس اعلیٰ تعلیم پرکشش جاب، امیرانہ حیثیت بڑا اینک بیلنس موجود تھا۔ وہ کسی طور نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا اور ہر جگہ صنف نازک کی توجہ کا مرکز ٹھہرتا تھا اسے ہمیشہ اپنے لیے سب سے محبت ملی تھی اور یہ توجہ و محبت وہ بڑے فخر سے وصول آیا تھا سوائے ایک شخصیت کے جو شاید اسے دنیا کے ہر رشتے اور ہر شے سے بڑھ کر عزیز تھی۔

مبرا کا نام اس کی یاد اس کے خواب اس کی دھڑکنوں کو بہت خوش کن احساس عطا کرتے تھے۔

مگر مبرا کا خشک سرد رویہ ان احساسات پر برف کی سل جما دیتا تھا اٹالین طرز کے ٹیرس پر کھڑا دونوں ہاتھ سینے باندھے وہ سوچ رہا تھا زندگی اور شریک زندگی کے متعلق۔

"مبرا سے رشتہ جوڑ کے کیا واقعی میں نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کی نفرت و بیزاری شدید تر ہو گی کہ میرے جذبوں کی سچائی ان الٹے دھاروں کا رخ سیدھے زاویے پر لا کر اسے محبت کے جنوں خیز احساسات سے دوچار کر دے گی۔"

اس نے مبرا کے پورشن کی طرف ایک نظر ڈالی۔

"کیا ہو گا اس سرد مزاج برف جیسی بے حس لڑکی کے ہاتھوں میری زندگی کا انجام، میں اس کی محبتوں کے لیے یونہی ترستا رہوں گا، کہ کوئی نرم لمحہ توجہ کا میرے پھیلے ہاتھوں پر رکھ کر زندگی کے راستوں کو مہکا دے گا۔"

"آخر کیا ہو گا اس فیصلے کا انجام جو گھر کے بڑوں نے اپنے رشتوں کو مزید مضبوط بنانے کو اپنے بچوں کو اک شرعی بندھن میں باندھ کے کیا یہ فیصلہ اور یہ بندھن پرانے رشتوں کے احترام خلوص کی لاج برقرار رکھ پائے گا کہ یہ جھگڑوں اور کدورتوں کے ہاتھوں دلوں میں دراڑیں ڈال دے گا۔

اس تعلق کا انجام پھول ہیں کہ کانٹے اس
سفر کے نصیب میں راستوں کی دھول ہے کہ منزل
کا مقام۔

ہجر کا گہرا احساس سینے میں درد چھوتی جدائی کا زخم کہ وصل کی خوش کن زندگی کا امید افزا اور خوشنما مسکراہٹوں سے سجا، مہکا سیدھا راستہ جو اک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے طے ہو گیا ہو گا اس کہانی کا انجام وہ تاسف آمیز انداز میں سوچتا چار ہا تھا۔

میری پہچان کا ایک شخص اسی شہر میں ہے
میں بھی زندہ ہوں ذرا اس کو بتا دے کوئی
کچھ تو تنہائی کا احساس مجھے کم ہو گا
میرے سائے کو اگر مجھ سے ملا دے کوئی

☆......☆......☆

ہنگاموں، محبتوں، خوشبوؤں سے بھری اک شام تھی جو بہت سا حسن اور چمک لیے کر عباس ہاؤس میں اتری تھی۔ پورا عباس ہاؤس رنگین قمقموں جدید برقی لائٹوں اور مایوں مہندی کے رنگوں سے سجا بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ ثمرہ کی سسرال والے مہندی لے کے آ رہے تھے لڑکیوں کی تیاری عروج پر پہنچی ہوئی تھی پیلے اور مہندی کلر کے خوبصورت امتزاج سے تیار شدہ زرق برق ملبوسات جو شہر کی مہنگی ترین بوتیک سے خریدے گئے تھے ہم رنگ جوتیاں، چوڑیاں، جیولری اور لڑکے لٹھے کے کڑکتے سفید سوٹ اور پیلے صافے گلوں میں لٹکائے پھر رہے تھے لان میں بیٹھنے کا انتظام تھا وہیں مہندی کے لیے بہت خوبصورت سٹیج بنا کے جھولا باندھا گیا تھا جو صوفہ اسٹائل میں تھا۔

"ارے یہ مبرا کدھر گئی وہ کیوں نہیں آئی ابھی تک لڑکے والے پہنچ گئے اور یہ لڑکی ابھی تک اپنے حجرے سے نہیں نکلی۔" پھپھو حسب عادت مبرا کو نہ پا کر بول پڑیں۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں فلو کے ساتھ حرارت سی ہے اسی لیے نہیں آئی۔" ممی نے بہانہ گھڑا تو وہ تیزی سے بولیں۔

"ارے تھوڑی دیر کو آ جاتی رونق لگی ہوئی ہے تایا زاد بہن کی مہندی ہے سگی بہنوں جیسا رشتہ ہے یہ تو پھر یہ دن روز تھوڑا آتا ہے۔ بلاؤ اسے۔"

"آپ رکیں میں جاتا ہوں۔"

آذین جو میوزک پلیئرز میں ڈسک لگا رہا تھا سیدھا ہو کے بولا تو ساجدہ بیگم جو اسے بلانے کے لیے جا رہی تھی رک کر اس جاتا دیکھنے لگیں۔

"اچھا تو یہ ہے تمہارا بخار لان میں جانے سے احتراز اور کمرے کی کھڑکی سے نظارہ میں تو پہلے کہہ رہا تھا۔ بہانے باز ہے پکی وہ بہانہ گھڑا ہو گا۔" کھڑکی میں کھڑی باہر کے منظر میں گم مبرا کے سر پر آ کر وہ بولا تو کچھ پل کو تو وہ ہڑبڑا گئی جوں چوری پکڑے جانے پر پھر خود کو سنبھالتے ہوئے اپنے تاثرات کو خفگی میں چھپانے کو تیزی سے بولی۔

"میں بہانے کروں کہ سچ بولوں تم سے مطلب تم کون ہوتے ہو مجھ سے پوچھنے والے اور تمہیں میرے کمرے میں آنے کی جرات کیسی ہوئی۔"

"جرات اور مطلب مجھ سے ہی تو تمہارے سب مطلب نکلتے ہیں مبرا بی بی اور تمہیں پوچھنے والا تمہارا شوہر ہی رہا اس کمرے میں آنے کا سوال تو پکا اجازت نامہ حاصل ہے مجھے جو تم نے اپنی رضا سے سب کے سامنے دیا تھا باقاعدہ تین بار اقرار کر کے دستخطوں سمیت۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر بولا تو مبرا کو تپ چڑھ گئی۔

"شٹ اپ چھوڑ، میرا بازو مجھ سے دور رہ کر بات کرو۔"

"یہ بازو یہ وجود اس پر تمام تر اختیار ہے مجھے شریعت قانون دونوں لحاظ سے اور مجھے یہ حق وصولنے سے کوئی منع بھی نہیں کر سکتا ہاں تم میں

www.pkdigest.com

ہمت ہے تو خود کو چھڑا لو۔'' وہ دوسرے ہاتھ سے کھینچ کر اسے مزید قریب کرتے ہوئے بولا تو گرم سانسوں کی تپش سے اس کے رخسار جھلسنے لگے اور دل عجیب ارتعاش سے دوچار ہونے لگا۔

''بولو ہمت ہے مجھے منع کرنے کی۔'' وہ اس کا دلفریب چہرہ اپنے چہرے سے لگا کے میرا کے نرم ہونٹ چھو گیا تو ایک حدت آمیز سنسنی پورے وجود کو ہلا گئی وہ لمحہ بھر میں پسینے سے بھر گئی۔

''تم چھڑا انسان چھوڑ دو مجھے ورنہ میں چلا چلا کے سب کو اکٹھا کرلوں گی۔'' خود کو چھڑانے کی سعی میں ناکام ہو کے وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

''تو بلاؤ سب کو منع کون کر رہا ہے زیادہ سے زیادہ یہی کہہ دیں گے کہ آخر شوہر تھا تمہارا کوئی جسارت کر بھی گیا تو خیر ہے تم چپ رہتیں۔ بدنام تو تم ہی ہو گی پھر بھی۔'' وہ اس کے ملائم ہونٹوں پر انگشت شہادت پھیرتے ہوئے بولا تو اس کے صحیح معنوں میں ہوش اڑے تھے۔ میرا پورا زور لگا کے ایک بار پھر خود کو اس کی مضبوط گرفت سے نکالنا چاہا مگر یہ کوشش اسے آذین علی کے مزید نزدیک کر گئی وہ اب بالکل اس کے سینے سے لگی تڑپ رہی تھی۔

''کب تک بھاگو گی مجھ سے آخر تو انہی یہاں ہی آنا ہے۔'' وہ ہنسا تھا۔

''وہ دن کبھی نہیں آئے گا میں تھوکتی ہوں تم پر۔'' وہ تنفرت سے بولی تو آذین علی کچھ دیر بڑی توجہ و سنجیدگی سے اس کی شرتی نگاہوں میں دیکھتا رہا پھر یکدم اسے آزاد کرتے ہوئے مسکرا کے بولا۔

''اس دن کیا ہو گا یہ پھر بتاؤں گا ابھی تو میں جا کے ثمرہ اور ممی سے کہہ رہا ہوں کہ میرا رو رہی ہے وہ شادی اس دکھ کے مارے اٹینڈ نہیں کر رہی کہ مجھ سے پہلے ثمرہ کیوں رخصت ہو رہی ہے۔'' میرا نے ٹھٹکا کے دیکھا تھا اس سے کچھ بعید نہ تھا وہ یہ سب اسی طرح جا کے کہہ بھی دیتا اور سب یقین بھی کر لیتے۔

''نہیں تم ایسا ہرگز نہیں کہو گے۔'' لہجہ سخت رکھنے کے باوجود اس کی آواز میں لرزش آمیز التجا اتر آئی۔

''تو پھر پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس جلدی سے چینج کر کے لان میں پہنچو۔'' وہ مسکراہٹ دبا کے سنجیدگی سے کہتا باہر نکلا۔ تو وہ دل میں اسے شاندار قسم کی گالیوں اور کوسنوں سے نوازتی وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔

پھر مہندی مایوں کے سارے فنکشن میں آذین علی کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل جلتا رہا مزید تیل پھپھو کے شوشے نے چھڑک دیا۔

''بھائی صاحب گھر کی تو بات ہے ساتھ میرا کو مہندی لگا کے اس کی بھی رخصتی کر دیں سب اکٹھے ہیں آپ بھی فرض سے سبکدوش ہوں۔''

اعجاز عباس اور ارشاد عباس تائیدی انداز میں بیگمات کی جانب مڑے اور ثمرہ کے منہ میں رس گھولتی میرا کا اپنا منہ پورا کھل گیا تھا۔

☆......☆......☆

عباس ہاؤس میں ایک اور دن طلوع ہوا تھا امنگوں ارمانوں خوشیوں، محبتوں سے بھرا زندگی کے تمام حسین رنگوں سے سجا ایک ساتھ دو دلہنوں کی رخصتی دو باراتوں کو خوش آمدید کہتا چمکتا دن۔

اورنج کلر کے رجھستانی لہنگے میں دلہنا پے کے تمام تر لوازمات سے سجا نکھرا، مہکتا وجود حسن قاتلانہ سمیٹے آذین علی کے برابر بیٹھی میرا۔

اور میرون کلر کے لہنگے میں دلہن بنی خوبصورت ثمرہ اور فیصل ندیم ثمرہ کے چہرے پر حیا آمیز تبسم ہلکی چھب بکھیر رہا تھا فیصل کھل کے مسکرا رہا تھا۔ جبکہ خوشی و سکون آمیز طمانیت کی چمک سے کھلا پڑ رہا تھا۔

ثمرہ میرا سے پہلے رخصت ہو رہی تھی رخصتی کے سمے گلے ملتے ہوئے اس نے میرا کے ہاتھ تھام کے کہا تھا۔

''میرا جو اختلاف ہے اسے بھلا کے دیکھنا میرا بھائی بہت محبت کرنے والا پر خلوص اور اچھا ہم سفر ثابت ہو گا وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے تم سے پہلے اس نے کسی کے لیے سوچا تک نہیں اس کے سارے جذبے خالص سچے اور صرف تم سے وابستہ ہیں اس کو خوش رکھنے اور خود خوش رہنے کی کوشش کرنا میری دعا ہے اللہ تم دونوں کو ہر دولت سکون اور نعمت، خوشی سے نوازے اور تم لوگ ایک خوشیوں مرادوں بھری زندگی بسر کرو۔'' ثمرہ نم نگاہیں لیے پلٹی تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''اونہوں ابھی تمہاری اور تصویریں اور مووی بننا ہے میک اپ خراب نہ کرو۔'' آذین نے ٹوکا تو اپنے ہمراہ کھڑے خوبرو، مخلص، سجیلے سے کو دیکھ کر اس کے احساسات میں اک سلگتی کیفیت ابھر آئی۔

دوستوں اور بہنوں کی چھیڑ چھاڑ مذاق اور دودھ پلائی کے دوران بحث کو اعتماد سے جھیلتا بہت خوش تھا وہ۔

سعدیہ اور مبشرہ کو نیگ کی انگوٹھی پہنا کے تیسرا ہاتھ آگے ہوا تو اس نے چونک کے دیکھا وہ سدرہ تھی۔

''ارے تم کہاں بھئی تمہارا یہاں کہاں کام بنتا ہے ویسے بھی تم تو دلہا کی بہن ہو۔'' آذین فوراً بولا۔

''جی نہیں اب میں میرا آپی کی تایازاد بہن کے طور پر دودھ پلائی کی رسم میں شریک ہوں تو یہ حق تو آپ کو دینا پڑے گا۔'' سدرہ نے کہا۔

''اور ابھی تو زنیرہ بھی ہے اسے بھی فارغ کرنا ہے۔'' یاسمین بھابی ہنستے ہوئے بولیں اور وہ فوراً ہاتھ کھینچ کر جیب پر رکھ گیا۔

''نہیں بھئی ایک گلاس دودھ کے بدلے اتنی زیادتی انتہا مہنگا دودھ ہے تو پہلے بتاتے میں ہرگز نہ پیتا۔''

''اب تو پی لیا۔ قیمت ادا کرنی پڑے گی ویسے بھی یہ دودھ تو قسمت والوں کو ملتا ہے یہاں اتنے لڑکے موجود ہیں کسی اور کو ملا۔'' فہیم نے لقمہ دیا۔

''بھابی بیگم کی حمایت کو آپ بھی لوٹا پارٹی میں مل گئے۔'' سدرہ کو دیکھ کر وہ ازحد صدمے سے بولا تو سب ہنس پڑے۔

''چلو بھئی جلدی کرو لڑکیوں کو فارغ، یہ کام نپٹے گا تم تم دلہن کے حقدار ہو گے۔'' یاسمین بھابی پھر بولیں تو اسے مجبور ہزار ہزار نکال کے سدرہ اور زنیرہ کو دینے پڑے جو انہوں نے قدرے قابل سے تھام لیے بڑی امی کے کہنے پر۔

''چلو نعمان اب تمہاری باری ہے بیٹھو بھابی کی گود میں۔'' ارشد نے کہا تو وہ فوراً خفگی سے بولا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔''

''یہ وہی بے ہودگی ہے جو تم نے میری دفعہ کی تھی۔'' یاسمین بھابی نے اطمینان سے کہا۔

''مگر میں گود میں تو نہیں بیٹھا تھا۔'' وہ گھور کے بولا۔

''گھٹنا پکڑا تھا اب یہی رسم نعمان اور راحیل انجام دیں گے چلو ٹو ایک ایک گھٹنا پکڑ لو۔'' فہیم بیگم کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔

''یہ راحیل کیوں نعمان اکیلا گھٹنا پکڑے نا۔'' آذین پھر بول پڑا جبکہ میرا بالکل خاموش سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''میرا پرس خالی کرنے کو تو تم نے خاندان بھر کے لڑکے جمع کر کے ہزار ہزار دلوائے تھے۔ پورا پانچ ہزار گیا تھا اب تم ڈبل کر کے دو۔'' یاسمین بھابی خوب بدلے لے رہی تھی۔

''اور ویسے بھی یہ نیگ تو بھابی دیں گی اپنے ذاتی پرس سے آپ کا دل کیوں بیٹھا جا رہا ہے۔'' نعمان نے چوٹ کی۔

www.pkdigest.com

''خبردار جو ادھر نگاہ کی یہ لو ہزار ہزار اور بھاگو۔''

آذین نے میرا کے پھولے پھولے پرس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ فاؤل ہے گھنٹہ بحث کے بعد ہزار کا نوٹ ہم نہیں لیتے۔''

''تو جاؤ کھاؤ محنت کا پیسہ ہے حرام نہیں آیا۔'' مبشرہ نے بہنوئی کا خیال کر کے کہا۔

''ہاں سونے کی انگوٹھی پہن کے تم حمایت نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔'' راحیل جل کر بولا تو پھر سب ہنس دیے تھے۔ جبکہ نعمان بولا تھا۔

''چپ کرو یار بھائی دینے لگی ہیں۔''

''اور میرا نے واقعی دونوں کو پانچ پانچ ہزار کا نوٹ پکڑا دیا۔''

''نہیں بھئی یہ واپس کرو بہو کو تم دونوں یہ لو۔'' نسیم بیگم نے خود انہیں دو، دو ہزار ہمراہ گھڑیاں دے کے میرا کے پیسے واپس پرس میں رکھے۔

''اب بس کرو رخصتی ہونے دو۔'' ارشاد عباس آ کر بولے تو سب پیچھے ہٹے ہوئے انہیں راہ دینے لگے ارشد نے بڑے بھائی کا کردار ادا کرتے ہوئے میرا کو تھام کر اٹھایا تھا اور والدین کی دعاؤں، محبتوں، قرآن پاک کے سائے تلے چلتی وہ عروسی گاڑی میں بیٹھی یہ گاڑی شہر کا ایک چکر لگا کے پھر عباس ہاؤس میں داخل ہوئی تو عین پہلے پورشن کے سامنے رک گئی۔ پھر وہی لوگ تھے جو میرا کو تھام کے آذین کے کمرے تک لا رہے تھے۔

مگر دہلیز پر لا کے رک گئے کیونکہ وہاں سدرہ اور زنیرہ سعدیہ مبشرہ سب کھڑی تھیں راستہ روکے۔

''یہ کیا ہے اب کیا رہ گیا ہے۔'' آذین پھر ہکا بکا ہوا۔

یہ نندوں کا بہنوں کا حق ہے جو تم دونوں میاں بیوی مشترکہ طور پر ادا کرو گے۔'' یاسمین بھابی پھر ہنس پڑیں وہ فوراً بدک اٹھا اس اطلاع پر۔

''یہ کیا اول فول رسمیں ایجاد کی ہوئی ہیں آپ لوگوں نے۔''

''اپنی شادی سے پہلے تک تو تم ان رسموں کے سب سے بڑے حمایتی تھے۔'' فہیم بولے تو وہ بھڑک کے بولا۔

''آپ اپنے بدلے نہ لیں اور تم چاروں کس خوشی میں گروپ بنائے ہوا دھر سب سالیاں بن کے لوٹ گئیں اور ادھ نندیں بن بیٹھیں بہت جمع کر لیا ہے چلو چھٹی کرو۔'' وہ چٹکی بجا کے بولا تو بڑی امی کو اپنے بیٹے پر پھر سے رحم آ گیا۔

''یہ باقی کا کام بعد میں کر لینا انہیں اندر جانے دو۔ مووی والا کھڑا دیکھ رہا ہے اسے فارغ کرو اور انہیں بھی آرام کرنے دو بارہ بج رہے ہیں۔'' اور وہ سب شرافت سے ہٹ کر انہیں اندر جانے کا راستہ دے گئیں۔

آذین چینج کرنے کے لیے ڈریسنگ روم میں گیا تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کے دیکھنے لگی پورا کمرہ دروازے سے لے کر بیڈ تک ان گنت گلاب کی پتیوں سے بھرا ہوا مسہری میں لٹکتی اصلی موتیے نمایاں تھی سامنے کی دیوار پر ان کے نکاح کی پوسٹر سائز تصاویر سجی تھیں۔ آذین نے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولا تو اس کے حواس بیدار سے ہو گئے تھے وہ یکدم پلکوں کی ریشمی جھالر گرا کے سوتی بن گئی۔

آذین نے آستین فولڈ کرتے ہوئے لحہ بھر کو دیکھا تھا اور دیکھتا رہ گیا۔

وہ بے حد حسین تھی یا دلہناپے کا روپ تھا کہ نگاہیں حسن کی آب و تاب سے خیرہ ہو رہی تھیں۔ وہ آہستہ روی سے چلا اس کے قریب آ بیٹھا جیب سے مخملی کیس نکالتے ہوئے ڈائمنڈ لاکٹ سے

جگمگاتی گولڈ کی چین نکالی اور اس کے گلے میں ڈالنے لگا۔ میرا کو سوتے رہنے کی ایکٹنگ ختم کر کے آنکھیں کھولنا پڑیں۔

''یہ تمہارا رونمائی گفٹ ہے۔ امی نے دیا تھا تمہارا لیے۔'' وہ لاک لگا کے سنجیدگی سے بولا۔

''یہ گفٹ دے کے اور مجھے اس کمرے میں لا کے تم یہ مت سمجھنا کہ تم میرے دل پر قبضہ جما چکے ہو۔ وجود پر دسترس تو معمولی کام ہے یہ ہر کمزور ذہنیت اور نفس پرست کا انسان کر سکتا ہے مگر دل کی نفرت اور فاصلہ نہ ختم ہوں گے نہ تم کر سکو گے۔'' وہ سلگتے لہجے میں بولی تو اک تاسف آمیز سانس خارج کر کے وہ کتنی دیر اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر امرا اور ٹھہرے متوازن لہجے میں بولا تھا۔

''تم اپنی نفرتیں مضبوط رکھو فاصلے مزید بڑھاؤ مجھے جتنا برا سمجھ سکتی ہو سمجھو مگر اتنا سن لو کہ وہ غلط فہمی جس کی بنیاد نے ہمارے درمیان عداوت کا پتھر رکھا اور تمہیں سب کی نظروں میں ذلیل کر گئی دیر سے سہی مگر سعدیہ آپی نے سب کو اصلیت سے باخبر کر دیا تھا اور تمہاری سچائی سب پہ ثابت ہو گئی تھی۔ سب بڑے تھے تم سے معافی نہیں مانگ سکتے تھے اپنے رویوں کی شفقت اور نرمی سے ہی وہ خجالت و شرمندگی مٹانا چاہتے تھے اور امی کا خیال تھا کہ اس سارے واقعے کا ذمہ دار چونکہ میں ہوں لہٰذا ازالہ بھی مجھے کرنا ہوگا اور سب سے بہتر طریقہ یہی تھا کہ تمہیں سب کی نگاہوں میں ہلکا کرنے والا ہی عزت و تحفظ کا حصار دے کے سب کے لیے معزز بنا دے اور میں نے اس فیصلے پر سر خم کر دیا صرف ازالہ کو نہیں بلکہ محبت کر پانے کے لیے جو مجھے بہت برسوں سے تم سے تھی اور پردیس میں جا کر بھی میرے احساس کو جکڑے رہی یوں کہ خود کو تمہارا سمجھ کر میں کسی اور اور سمت دیکھ نہیں پایا۔'' وہ چند سا

لمحوں کو رکا پھر بولا۔

''محبت ہی تھی جو مجھے اس رشتے کے لیے تیار کر گئی اگر اس محبت کو تم زندگی سمجھ کر اپنانے پر قادر نہیں تو کم از کم دوستوں والا رویہ رکھو وہ بھی نہیں تو بخوشی جا سکتی ہو دروازہ کھلا ہے۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے ہینڈل گھمانے لگا تو میرا جو اتنک سکتے تحیر میں ڈوبی بنا پلکیں جھپکائے سب سن رہی تھی تیزی سے بیڈ سے اتری۔

''اگر آپ کا ہر لفظ سچا ہے تو مجھے یقین ہے یہ دراوزہ بند ہی رہنے دیں اس دروازے سے بہت سامان یقین اور امید ہے میرے والدین کی اور میں اسے قائم رکھوں گی آپ اپنی محبت کو میرے نصیب میں رکھیں تو یہ در خوشی سکھ اور چاہت کی اک لازوال مثال بنے گا۔''

اس کا حنائی ہاتھ آذین علی کے مضبوط مردانہ ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔ آذین نے کچھ لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بازو دراز کر کے اسے پہلو سے لگائے بیڈ کی سمت بڑھا۔

''بہت حسین اور خوبصورت ہو تم اور مجھے ہر تحفہ تمہارے حسن کی قیمت سے کم لگا تھا ویسے یہ چین تمہاری گردن سے لگ کے سج اٹھی ہے۔''

''یہ بھی امی نے دی ہے آپ نے نہیں آپ کا گفٹ تو ادھار ہے۔'' وہ دھیرے سے ہنس کر بولا۔

''گفٹ بھی مل جائے گا پہلے یہ تو بتاؤ اتنی شدید ناراضگی اور یہ یکدم سے مان لینا کیا واقعی میری محبت میرے جذبے اثر کر گئے۔''

''آپ کی محبت آپ کے جذبے تو ابھی دیکھنے ہیں اثر تو بڑی امی اور امی نے کیا تھا یہ بتا کے کہ وہ سب حقیقت سے واقف ہیں اور ان پر یہ میری سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔'' وہ آرام سے بولی۔

''مطلب سب جانتی تھیں پھر یہ نفرت لڑائی

www.pkdigest.com

ہمت ہے تو خود کو چھڑا لو۔‘‘ وہ دوسرے ہاتھ سے کھینچ کر اسے مزید قریب کرتے ہوئے بولا تو گرم سانسوں کی تپش سے اس کے رخسار جھلسنے لگے اور دل عجیب ارتعاش سے دوچار ہونے لگا۔

’’بولو ہمت ہے مجھے منع کرنے کی۔‘‘ وہ اس کا دلفریب چہرہ اپنے چہرے سے لگا کے میرا کے نرم ہونٹ چھو گیا تو ایک حدت آمیز سنسنی پورے وجود کو ہلا گئی وہ لمحہ بھر میں پسینے سے بھر گئی۔

’’تم چیپ انسان چھوڑ دو مجھے ورنہ میں چلا چلا کے سب کو اکٹھا کرلوں گی۔‘‘ خود کو چھڑانے کی سعی میں ناکام ہو کے وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

’’تو بلاؤ سب کو منع کون کر رہا ہے زیادہ سے زیادہ یہی کہہ دیں گے کہ آخر شوہر تھا تمہارا کوئی جسارت کر بھی گیا تو خیر ہے تم چپ رہتیں۔ بدنام تم ہی ہو گی پھر بھی۔‘‘ وہ اس کے ملائم ہونٹوں پر انگشت شہادت پھیرتے ہوئے بولا تو اس [illegible] معنوں میں ہوش [illegible] ہے۔ میرا پوری [illegible] ایک بار پھر خو [illegible] مضبوط گرفت [illegible] چاہا مگر یہ کوشش [illegible] علی کے [illegible] کر گئی وہ اب [illegible] اس کے سینے سے لگی [illegible] رہی تھی۔

’’کب [illegible] یہاں تک آنا ہے۔‘‘ وہ [illegible]

’’وہ دن کبھی نہیں آئے گا میں تھوکتی ہوں تم پر۔‘‘ وہ نفرت سے بولی تو آذین علی کچھ دیر بڑی توجہ و سنجیدگی سے اس کی شربتی نگاہوں میں دیکھتا رہا پھر یکدم اسے آزاد کرتے ہوئے مسکرا کے بولا۔

’’اس دن کیا ہو گا یہ پھر بتاؤں گا ابھی تو میں جا کے ثمرہ اور ممی سے کہہ رہا ہوں کہ میرا رو رہی ہے وہ شادی اس دکھ کے مارے اٹینڈ نہیں کر رہی کہ مجھ سے پہلے ثمرہ کیوں رخصت ہو رہی ہے۔‘‘ میرا نے سٹپٹا کے دیکھا تھا اس سے کچھ بعید نہ تھا وہ [illegible] طرح جا کے کہہ بھی دیتا اور

سب یقین بھی کر لیتے۔

’’نہیں تم ایسا ہرگز نہیں کہو گے۔‘‘ لہجہ سخت رکھنے کے باوجود اس کی آواز میں لرزش آمیز التجا اتر آئی۔

’’تو پھر پانچ منٹ میں تمہارے پاس جلدی سے چینج کر کے لان میں پہنچو۔‘‘ وہ مسکراہٹ دبا کے سنجیدگی سے کہتا باہر نکلا۔ تو وہ دل میں اسے شاندار قسم کی گالیوں اور کوسنوں سے نوازتی وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔

پھر مہندی مایوں کے سارے فنکشن میں آذین علی کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل جلتا رہا مزید تیل پھپھو کے شوشے نے چھڑک دیا۔

’’بھائی صاحب گھر کی تو بات ہے ساتھ میرا کو مہندی لگا کے اس کی بھی رخصتی کر دیں سب اکٹھے ہیں آپ بھی فرض سے سبکدوش ہوں۔‘‘

اعجاز عباس اور ارشاد عباس تائیدی انداز میں [illegible] کی جانب مڑے اور ثمرہ کے منہ میں [illegible] میرا کا اپنا منہ پورا کھل گیا تھا۔

☆......☆......☆

عباس ہاؤس میں ایک اور دن طلوع ہوا تھا اس ماحول خوشیوں، محبتوں سے بھرا زندگی کے تمام حسین رنگوں سے سجا ایک ساتھ دو دولہنوں کی [illegible] کو خوش آمدید کہتا چمکتا دن۔

اور رخ ظر کے رخصتانی لہنگے میں دلہنا پے کے تمام تر لوازمات سے سجا نکھرا، مہکتا وجود حسن قاتلانہ سمیٹے آذین علی کے برابر بیٹھی میرا۔

اور میرون کلر کے لہنگے میں دلہن بنی خوبصورت ثمرہ اور فیصل ندیم ثمرہ کے چہرے پر حیا آمیز تبسم ہلکی چھب بکھیر رہا تھا فیصل کھل کے مسکرا رہا تھا۔ جبکہ خوشی و سکون آمیز طمانیت کی چمک سے کھلا پڑ رہا تھا۔

ثمرہ میرا سے پہلے رخصت ہو رہی تھی رخصتی کے سمے گلے ملتے ہوئے اس نے میرا کے ہاتھ تھام کے کہا تھا۔

www.pkdigest.com

''میرا جو اختلاف ہے اسے بھلا کے دیکھنا میرا بھائی بہت محبت کرنے والا پرخلوص اور اچھا ہم سفر ثابت ہوگا وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے تم سے پہلے اس نے کس کے لیے سوچا تک نہیں اس کے سارے جذبے خالص سچے اور صرف تم سے وابستہ ہیں اس کو خوش رکھنے اور خود خوش رہنے کی کوشش کرنا میری دعا ہے اللہ تم دونوں کو ہر دولت سکون اور نعمت، خوشی سے نوازے اور تم لوگ ایک خوشیوں مرادوں بھری زندگی بسر کرو۔'' ثمرہ نم نگاہیں لیے پلٹی تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''اونہوں ابھی تمہاری اور تصویریں اور مووی بننا ہے میک اپ خراب نہ کرو۔'' آذین نے ٹوکا تو اپنے ہمراہ کھڑے خوبرو، سجیلے سے شخص کو دیکھ کر اس کے احساسات میں اک سلگتی کیفیت ابھر آئی۔

''کزنز اور بہنوں کی چھیڑ چھاڑ مذاق اور دودھ پلائی کے دوران بحث کو اعتماد سے جھیلتا بہت خوش تھا وہ۔

سعدیہ اور مبشرہ کو نیگ کی انگوٹھی پہنا کے تیسرا ہاتھ آگے ہوا تو اس نے چونک کے دیکھا وہ سدرہ تھی۔

''ارے تم کہاں بھئی تمہارا یہاں کہاں کام بنتا ہے ویسے بھی تم تو دلہا کی بہن ہو۔'' آذین فوراً بولا۔

''جی نہیں اب میں مبرا آپی کی تایازاد بہن کے طور پر دودھ پلائی کی رسم میں شریک ہوں تو یہ حق تو آپ کو دینا پڑے گا۔'' سدرہ نے کہا۔

''اور ابھی تو زنیرہ بھی ہے اسے بھی فارغ کرنا ہے۔'' یاسمین بھابی ہنستے ہوئے بولیں اور وہ فوراً ہاتھ کھینچ کر جیب پر رکھ گیا۔

''نہیں بھئی ایک گلاس دودھ کے بدلے اتنی زیادتی انتہا مہنگا دودھ ہے تو پہلے بتاتے میں ہرگز نہ پیتا۔''

''اب تو پی لیا۔ قیمت ادا کرنی پڑے گی ویسے بھی یہ دودھ تو قسمت والوں والوں کو ملتا ہے یہاں اتنے لڑکے موجود ہیں کسی اور کو ملا۔'' فہیم نے لقمہ دیا۔

''بھابی بیگم کی حمایت کو آپ بھی لوٹا پارٹی میں مل گئے۔'' سدرہ کو دیکھ کر وہ ازحد صدمے سے بولا تو سب ہنس پڑے۔

''چلو بھئی جلدی کرو لڑکیوں کو فارغ، یہ کام نپٹے گا تم تم دلہن کے حقدار بنو گے۔'' یاسمین بھابی پھر بولیں تو اسے مجبور ہزار ہزار نکال کے سدرہ اور زنیرہ کو دینے پڑے جو انہوں نے قدرے قائل سے تھام لیے بڑی امی کے کہنے پر۔

''چلو نعمان اب تمہاری باری ہے بیٹھو بھابی کی گود میں۔'' ارشد نے کہا تو وہ فوراً خفگی سے بولا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔''

''یہ وہ ہی بے ہودگی ہے جو تم نے میری دفعہ کی تھی۔'' یاسمین بھابی نے اطمینان سے کہا۔

''مگر میں گود میں تو نہیں بیٹھا تھا۔'' وہ گھور کے بولا۔

''گھٹنا پکڑا تھا اب یہی رسم نعمان اور راحیل انجام دیں گے چلو لڑکو ایک ایک گھٹنا پکڑ لو۔'' فہیم بیگم کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔

''یہ راحیل کیوں نعمان اکیلا گھٹنا پکڑے نا۔'' آذین پھر بول پڑا جبکہ مبرا بالکل خاموش سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''میرا پرس خالی کرنے کو تو تم نے خاندان بھر کے لڑکے جمع کر کے ہزار ہزار دلوائے تھے۔ پورا پانچ ہزار گیا تھا اب تم ڈبل کر کے دو۔'' یاسمین بھابی خوب بدلہ لے رہی تھی۔

''اور ویسے بھی یہ نیگ تو بھابی دیں گی اپنے ذاتی پرس سے آپ کا دل کیوں بیٹھا جا رہا ہے۔'' نعمان نے چوٹ کی۔

بیزاری یہ ساری ڈرامہ بازی تھی محض ستانے جلانے کو۔'' وہ حقیقتاً حیرت میں آ گیا۔

''تو آپ نے کوئی کم جلایا تھا مجھے بدلہ تو میں نے بھی تھوڑا لیا کہ ترس آ گیا جلدی۔''

''بہت چالاک ہو تم سیدھا کرنا پڑے گا۔'' وہ مصنوعی غصہ سے بولا۔

''ویسے سب نے میرا ساتھ خوب دیا ڈامے میں جیسے آپ کا ساتھ دیا ہے۔'' مبرا ہنستے ہوئے بولی۔

''سب کو تو میں اب صبح پوچھوں گا پہلے تم آؤ ادھر۔'' آذین نے اسے کھینچا۔

''اونہوں ایسے نہیں میرا گفٹ تو دے دیں۔'' وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

''گفٹ ہی تو دینے لگا ہوں تم نزدیک تو آؤ، اب اتنی دوری سے کیا دوں۔'' آذین کا انداز معنی خیز تھا جسے سمجھے بغیر وہ بڑے اشتیاق سے اس بالکل قریب آ کے بولی۔

''لائیں دیں گفٹ''

اور آذین نے اس کو بانہوں میں بھرتے ہوئے گرفت میں لیا تو وہ کسمسا کے بولی یہ کیا مذاق ہے گفٹ دیں سیدھے طریقے سے۔

''گفٹ ہی دینے لگا ہوں تم آرام سے لو تو سہی۔''

وہ اس کے شنگرفی ہونٹوں کے چوتھے ہوئے بولا تو اس نے گھورنا چاہا مگر آذین علی کی پرشوق محبتوں، شدتوں اور شوخ جسارتوں نے بے ساختہ نگاہیں جھکانے پہ مجبور کر دیا۔

''بولو میری چاہتوں اور میری محبتوں کے تحفے قبول کرو گی۔''

حدتوں اور ارمانوں سے بھرا نرم لہجہ اس کے چہرے پر حیا آمیز تبسم کے گلاب بکھر گیا۔ قبول ہے اس کا مدھم لہجہ ابھرا پھر وہ فوراً آذین علی کے سینے میں منہ چھپا گئی اور گزرتی رات اس کا دامن چاند ستاروں جگنوؤں سے بھرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

.....دوست.....

ہمارے ٹیچر مشتاق نامی لڑکے سے بہت بیزار تھے۔ مشتاق کا کمال یہ تھا کہ اسے جو بھی مضمون لکھنے کو کہتے۔ اس میں کہیں نہ کہیں سے ''میرا بہترین دوست'' ضرور فٹ کر دیتا تھا۔ کیونکہ یہ وہ واحد مضمون تھا جو اس کو فرفر یاد تھا مثلاً اگر کہا جاتا کہ ریلوے اسٹیشن پر مضمون لکھو تو وہ کچھ یوں لکھتا کہ میں اور میرے ماں باپ چچوں کی ملیاں جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن گئے۔ وہاں گاڑی کھڑی تھی اور گاڑی میں میرا بہترین دوست زاہد حسین بیٹھا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکمہ پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔''

اگر اسے ''میرا استاد'' مضمون لکھنے کو کہتے تو وہ لکھتا کہ ماسٹر افتخار میرے پسندیدہ استاد ہیں۔ ایک روز میں ان کے گھر گیا۔ وہاں میرا بہترین دوست زاہد حسین بیٹھا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکمہ پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔

ظاہر ہے جب کرکٹ میچ یا پکنک کی باری آتی تو وہاں بھی زاہد حسین موجود ہوتا۔ تنگ آ کر ماسٹر صاحب نے کہا کہ دیکھو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر جگہ تمہارا دوست زاہد حسین موجود ہو۔ آج تم ہوائی جہاز پر مضمون لکھو اور یاد رکھو کہ ہوائی جہاز میں زاہد حسین موجود نہیں ہے۔

دوسرے دن مشتاق نے جو مضمون لکھا وہ کچھ اس طرح سے تھا۔ ''میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ایئرپورٹ گیا۔ وہاں جہاز کھڑا تھا۔ جہاز کے دو پر تھے اس میں ہم بیٹھ گئے۔ جہاز میں زاہد حسین نہیں تھا پھر جہاز اڑنے لگا۔ میں نے کھڑکی سے نیچے جھانکا تو زمین پر میرا بہترین دوست زاہد حسین جا رہا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکمہ پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔''

ماسٹر صاحب نے مضمون پڑھ کر مولا بخش اٹھا لیا اور مشتاق غریب کا جلوس نکال دیا۔

(کتاب ''گزارہ نہیں ہوتا'' سے اقتباس)

www.pkdigest.com

سندس جبیں

دوسری قسط

ہیجان اور حیرت کی تیز لہر تھی جو ریڑھ کی ہڈی سے ہوئی ہوئی حجاب کے سارے وجود میں سرائیت کر گئی۔ اُس نے صدمے اور حیرت سے گنگ اپنے سامنے کھڑے آفتاب واسطی کو دیکھا۔ جس کے لبوں کی تراش میں ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔

عشق بھی کیا چیز ہے، اس میں ہوش رہتا نہیں
یہ تو ہے سلسلہ چین و سکون کا دل کے جنون کا

''واسطی!'' وہ غرّا اٹھی۔

واسطی نے اپنا پھیلا ہاتھ سمیٹا اور مسکرا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''عمر! پلیز ڈونٹ مائنڈ۔ مجھے ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ تمہاری بہن کتنی اچھی ہے۔ سنو حجاب! غصہ چھوڑو۔ مجھ سے شادی کروگی؟''

اتنی بڑی بات اور وہ بھی اپنے بھائی کے سامنے۔ اُس کے عارض دہک اُٹھے۔ وہ بے ساختہ اٹھی اور بھاگتی چلی گئی۔ اندھا دھند بھاگتے وہ کسی سے ٹکرائی۔

ناولٹ

''سو..... سوری آئم سوری' پھولی سانسوں کے ساتھ اس نے مقابل کو دیکھے بغیر کہا اور مخالف سمت کی طرف چل پڑی۔ اور دوسری طرف وہ جیسے کسی جادو کے زیر اثر جامد کھڑا ہوا تھا۔

اِک فسوں چاروں طرف پھیل گیا تھا۔

جھومتی ہوئی شاخوں نے جھک کر اُس کے کان میں بڑی خوبصورت سرگوشی کی تھی۔

ہوائیں اٹکھیلیاں کرتیں آگے بڑھ گئیں تھیں۔

مگر وہ وہیں کھڑا تھا۔ وہ نمرود علی خان جو اپنی دُھن میں چلا آرہا تھا جب نظر سامنے سے بھاگتی ہوئی حجاب تاثیر پر پڑی۔ جس کا سرخ چہرہ اَن کہی داستانیں سنا رہا تھا۔ وہ اَن کہی داستانیں جنہیں سننے کی چاہ اُسے اس مقام تک لے آئی تھی جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔

کہاں سے شروع ہوئی تھی یہ داستان؟

digest.com

کیا تھا آغاز؟

کونسی ابتدا تھی؟

شاید تب جب نمرود علی خان نے حجاب تاثیر کو پہلی بار دیکھا۔

وہ پہلی دستک!!!!

وہ پہلا احساس!!!

وہ پہلا خمار!!

وہ پہلا نشہ!

پہلی دستک درِ دل پر ایسی تھی کہ بے اختیار اُس نے سوچا تھا۔

تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا
زندگی دھوپ تم گھنا سایہ

وہ پہلا احساس؟ اتنا خوبصورت تھا، اتنا روپہلا کہ رگ جاں میں زندگی رواں ہو گئی تھی۔

وہ پہلا خمار!

جس نے کئی راتیں، اپنے دلربا خیال سے رت جگوں میں بدل دی تھیں۔

وہ پہلا نشہ! جس نے کسی آکٹوپس کی طرح اُس کے جسم و جاں کو یوں اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا کہ وہ مزاحمت کے قابل ہی نہ رہا تھا۔

سچ تو یہ تھا کہ وہ اس قید سے آزاد ہونا بھی نہیں چاہتا تھا۔

پہلی دستک پہ اُس نے اپنے دل کے دروازے اُس پری پیکر کیلئے وا کر دیے تھے۔

حالانکہ اگر دیکھا جاتا تو وہ ہرگز بھی پری پیکر نہ تھی۔ بلکہ پری پیکر تو دور وہ تو پیکر بھی نہ تھی۔ مقابلہ حسن میں وہ دسویں تو کیا ایک سو دسویں نمبر پر بھی نہیں آ سکتی تھی۔ حسن کہاں تھا اُس میں؟

نہ غزالی، کجراری آنکھیں، نہ گھٹنوں کو چھوتے بال، نہ گلابی رنگت۔ وہ تو بہت عام سی تھی۔

اُسے خاص بنایا تھا۔ نمرود علی خان نے۔ اُس کی آنکھوں نے۔ جنہیں وہ ساری دنیا سے زیادہ حسین نظر آئی تھی۔ حقیقت یہی ہے ”مرد جس عورت سے عشق کرتا ہے وہ ساری دنیا سے زیادہ حسین ہوتی ہے“۔

حجاب تاثیر بھی ساری دنیا سے زیادہ حسین تھی۔ وہ سوچوں کی عمیق گھاٹیوں میں جانے کب تک بھٹکتا رہتا مگر یکدم گونج اُٹھنے والی موسیقی نے اُسے اس مراقبے کی کیفیت سے کھینچ نکالا۔

وہ سر جھٹک کر سیدھا ہوا۔ تیز آواز چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

”آپ جو اس طرح ہم کو مل جائیں گے
پھول ہی پھول راہوں میں کھل جائیں گے
ہم نے سوچا نہ تھا۔

اُس نے اپنی شرٹ کی طرف نگاہ دوڑائی۔ سفید بے داغ شرٹ پر عین دل کے مقام پر دو گلابی لبوں کا نشان بہت واضح تھا۔ اُس کے اندر تک سنسنی خیز ہیجان اور سرشاری کی لہریں پھیلتی چلی گئیں۔ ایک خوبصورت خیال نے ذہن میں ڈیرا جمایا تھا اور اُس کے قدم تیز سے رہائشی حصے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

کچھ دیر بعد وہ نئے سرے سے ڈریس اپ ہو کر تقریب میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ نظر نے ہر طرف اُس چہرے کو ڈھونڈا تھا مگر ناکام لوٹ آئی تھی۔

فنکشن عروج پر تھا۔ یہ جشن کامیابی تھا۔ جہاں ہر طرف سے مہمانوں کو فری ہینڈ ملا تھا۔ ہر طرح کے مشروبات موجود تھے۔ کاک ٹیل کا انتظام تھا۔ ڈانسنگ فلور میک اوور کیا گیا تھا۔ حالانکہ اگر دیانتداری سے دیکھا جاتا تو نمرود علی خان اس طرح کی پارٹی دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ مگر یہ سیاست کا میدان تھا۔ جہاں دوسروں کی خوشی مقدم رکھنا ضروری ہو جایا کرتی ہے۔ کبھی سیاسی مصلحتوں کی خاطر، کبھی مطلب کیلئے تو کبھی سیاسی کوریج اور (Fame) کیلئے یہ الگ بات تھی کہ اس وقت پارٹی میں موجود صحافیوں کو کوریج کی اجازت نہیں دی گئی

تھی۔ ظاہری سی بات تھی۔ یہ کاک ٹیل پارٹیز تو پی۔ جے۔ ایف کے منشور میں نہیں تھیں۔ شاید نمرود علی خان جیسی کامیاب سیاسی شخصیت کے کردار پر دھبہ بھی۔

مگر ہائے ری مجبوری۔ سیاست میں مرضیاں نہیں چلیں، فائدے، اتحاد اور مقاصد دیکھنے پڑتے ہیں۔ سو اُسے بھی نا چاہتے ہوئے اس فنکشن کو ارینج کرنا پڑا تھا۔

اب بھی ”اتحادِ اسلام“ کے چیئر پرسن نبیل پراچہ سے گفتگو کرتے ہوئے اُس کی نگاہ نے بے تابی سے ایک چہرے کو ہر طرف ڈھونڈا تھا اور مایوسی سے لوٹ آئی تھی۔ افسردگی نے اُس کے دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُس کی آنکھوں میں کہر جمنے لگی۔ جب اُس نے عمر کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

”السلام علیکم سر! کہیے کیا حال ہیں؟ سب سے پہلے مبارکباد۔“ عمر نے پرجوش انداز میں مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

”شکریہ بہت شکریہ عمر“ اُس نے مسکرا کر کہا۔ دل میں ایک اُمید پھر سے جاگ اٹھی تھی۔

”عمر کے ساتھ اُسے بھی یہی ہونا چاہیے“ وہ بے اختیار سوچنے لگا۔

”سر! ایک بات پوچھوں آف دی ریکارڈ“ عمر نے کہا۔

”بالکل“

”کس طرف جانے کا موڈ ہے آپ کا؟ میرا مطلب ہے کونسا شعبہ......؟“ عمر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں عمر! دیکھیں ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا یہ ڈیپنڈ کرتا ہے......“ نمرود علی خان کی بات ادھوری رہ گئی یکدم آفتاب واسطی بیچ میں بول پڑا تھا۔

”حکومت پر۔ وہ انہیں کس شعبے میں طبع آزمائی بلکہ قسمت آزمانے کا موقع دیتی ہے؟“ اُس

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب	1[illegible]5/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	180/-
نگری نگری پھرا مسافر	[illegible]5/-
خط انشاجی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	[illegible]
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	[illegible]60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

نے کٹیلے لہجے میں بات مکمل کی۔ نمروز بے اختیار ہنس دیا۔

"اگر مجھے یہ پتا نہ ہو واسطی! کہ آپ ہمیشہ اسی لہجے میں بات کرتے ہیں تو لازماً میں آپ سے ....."

"بھڑ جاؤں"۔ آفتاب واسطی نے پھر بات اُچکی تھی۔ تینوں کا مشترکہ قہقہہ گونجا۔

"ایک بات پوچھوں؟" واسطی نے کہا۔

"آف دی ریکارڈ....." نمروز نے شرارت سے کہا۔

"آن آف کو چھوڑیں۔ میری معلومات کے مطابق آپ کو شاعری سے بہت زیادہ دلچسپی ہے؟" واسطی نے سوال نما جواب دیا۔

"ہوں۔ ہے تو....."

"ایک طرف سیاست دوسری طرف شاعری۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟" واسطی کی بات پر ایک بے اختیار قہقہہ پڑا۔

"بالکل ہے" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

"تو آپ کو چاہیے کہ آپ ہمیں کچھ سنائیں"۔ واسطی نے ضدی لہجے میں کہا۔

"سر جی! بیٹھنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" عمر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ آیئے بھئی"۔ وہ نزدیک ترین ٹیبل کی طرف بڑھا۔

"یہاں نہیں۔ وہاں چلتے ہیں۔ حجاب اکیلی ہے"۔ عمر نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"حجاب" اُس کا دل دھڑک اُٹھا۔

"چلیے" نمروز نے آمادگی ظاہر کی۔ دل نے بند سینے میں ایک حشر سا اُٹھا دیا تھا۔

سبز لباس میں مدھم سی لپ اسٹک کے ساتھ وہ اُس کے سامنے تھی نمروز علی خاں کے اندر روشنیاں سی پھیل گئیں۔ مقابل بیٹھی لڑکی شائد کبھی نہیں جان سکتی تھی کہ وہ اُس شخص کے لئے کس درجہ اہم تھی۔ کس طور وہ اس کیلئے پاگل تھا۔ نمروز نے بے اختیار اُس کے سامنے والی نشست سنبھال لی۔

"سر! آپ کچھ سنا رہے تھے"..... واسطی نے یاد دلایا۔

"السلام علیکم!" اُس نے حجاب سے کہا اور واسطی کی بات سنی اَن سنی کر دی۔

"وعلیکم السلام" حجاب کا دھیما لہجہ بمشکل اُس نے سنا۔ اسی وقت منزہ وہاں آ گئی۔

"سر جی! آپ تو ہاتھ ہی نہیں آ رہے۔ یہ اخبار والے آپ کو زیادہ اہم ہیں ہم سے۔ ہم نے بھی آپ کو اپنے چینل کے پروگرام میں مدعو کیا تھا" وہ شکوے کئے جا رہی تھی۔ نیوز چینل سے متعلق ہونے کی بنا پر اُس کا شکوہ جائز بھی تھا۔

"بس کیا کریں یہ اخبار والے ہم کو زیادہ پیارے ہیں"۔ نمروز نے ٹھنڈی آہ بھری۔

حجاب تو اندر تک سُلگ اُٹھی۔ اُسے پتا تھا کہ یہ بات صرف اُسی کو سنائی جا رہی ہے۔

"اس واسطی نے پھنسایا ہوگا آپ کو"۔ وہ دانت پیس کر چیئر پر بیٹھ گئی۔

"خدا کو مانو میں نے آج تک ایک لڑکی نہیں پھنسائی انہیں پھنسانے کی جرأت کر سکتا ہوں"۔ واسطی بلبلا اُٹھا۔ سب ہنس دیئے۔

"واسطی نے آپ سے فرمائش کی تھی سر سے" عمر نے یاد دلایا۔

"کوئی فرمائش؟" منزہ چونکی۔

"ابھی پتا چل جاتا ہے" عمر نے کہا۔

حجاب اس سارے عمل کے دوران خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی۔

نمروز نے سامنے ٹیبل پر دھرے حجاب کے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر اُس کی نظر ہاتھوں سے ہوتی بازوؤں پر سفر کرتی اُس کی ٹھوڑی کے ڈمپل پر آ کر رُک گئی پھر ان گلابی لبوں پر جن سے آج کوئی نوکیلا اور کٹیلا فقرہ ادا نہیں ہوا تھا۔

کہو اب کیا ارادہ ہے؟
کہو اب کیا کہوں تم سے؟
بتاؤ؟
کیا لکھوں تم کو؟
مجھے تمہید دو کوئی
مجھے اُمید دو کوئی
نیا اک لفظ ہو کوئی
جہاں سے بات چل نکلے
میری مشکل کا حل نکلے
بتاؤ لہجہ کیسا ہوا؟
کہ تم سے بات کرنی ہے
مجھے تھوڑا اُجالا دو
بسر اک رات کرنی ہے
تم اپنی روشن آنکھوں کو
اگر کھولو تو میں لکھوں
تمہارے لب سے آئے گا
سخن میں اک نشیلا پن
تمہاری آنکھ دے دے گی
تخاطب کو نشیلا پن
کہو!
اب کیا ارادہ ہے؟
مجھے اظہار کرتا ہے
کہ بے تابی زیادہ ہے۔
کہ بے تابی زیادہ ہے۔

اتنی دلکش اور مدھم آواز اور اتنی خوبصورت نظم تھی کہ لمحہ بھر کیلئے چاروں نفوس پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ پھر سب سے پہلے واسطی کو ہوش آیا اُس نے بے ساختہ تالیاں پیٹنا شروع کر دیں۔ اور عمر کے اندر تو ڈھیروں سناٹے اُتر آئے تھے۔ ایک بار پھر ایک وہم حقیقت بننے پر تیار تھا۔ اُس نے پوری شدت سے اسے جھٹکا تھا مگر نمروز علی خان کی حجاب تاثیر پر اُٹھنے والی نظر اتنی والہانہ وارفتگی اور لپک لئے ہوئے تھی کہ اُسے اپنا دل رُکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اُس نے اپنے خیال کو پوری قوت سے رد کرنے کی کوشش کی تھی۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ نمروز علی خان اور حجاب۔ ناممکن۔

یہ ناممکن تھا۔ عمر نے حتمی انداز میں سوچا تھا۔ مگر کیا یہ ناممکن ہے؟ ایک سوالیہ نشان اُس کا منہ چڑانے لگا تھا۔ پھر اُس نے حجاب کو ٹیبل سے اُٹھتے دیکھا۔

"کیا بات ہے حجاب؟ کہاں جا رہی ہو؟" عمر نے چونک کر پوچھا۔

"ثنا آ گئی ہے۔ ٹیکسٹ آیا ہے اُس کا۔ گیٹ کے پاس کھڑی ہے۔ ہمیں ڈھونڈنے میں مشکل ہوئی اسی لئے میں نے اُس سے کہا ہے کہ وہ وہیں رُک جائے میں اُسے لینے آتی ہوں"۔ اُس نے بے تاثر لہجے میں بات ختم کی اور تیز قدموں سے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اُس کے بے تاثر لہجے اور سپاٹ تاثرات نے عمر کو کسی قدر حیران کیا تھا۔ کچھ دیر بعد واسطی معذرت کر کے اُٹھ گیا۔

"مجھے اجازت دیجئے سر! کوئی بدتمیزی ہو گئی ہو تو معذرت چاہتا ہوں"۔

"ایسی کوئی بات نہیں آفتاب واسطی"۔ نمروز نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"پھر بھی سر ہم مڈل کلاس لوگ آپ سے دشمنی نہیں کر سکتے۔ اجازت دیجئے" اُس نے کسی قدر جتاتے لہجے میں کہا۔

"کچھ خاص کام یاد آ گیا؟" عمر نے پوچھا۔

"ہاں۔ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر کے پاس اپائنٹمنٹ ہے دس بجے چلتا ہوں"۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اسی وقت جنرل سیکرٹری خالد عباسی تیز تیز چلتا نمروز علی خان کے نزدیک آ گیا۔

"خان صاحب آپ یہاں ہیں۔ سب جگہ ڈھونڈ کر آ رہا ہوں آپ کو۔ چلیے بہت ضروری

www.pkdigest.com

گیسٹ ہیں"۔ خالدہ کا لہجہ کسی قدر جھنجھلایا ہوا تھا۔

نمروز اُٹھ کھڑا ہوا۔ واسطی سے ہاتھ ملایا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا خالد عباسی کی ہمراہی میں آگے بڑھتا گیا۔ حجاب ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ وہ دونوں بھی پارکنگ کی طرف بڑھ گئے۔

"میں سنجیدہ ہوں عمر۔ امی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو میں اُنہیں اور راحت آپا کو تمہاری ہاں بھیجوں گا"۔

عمر بڑے بھرپور طریقے سے چونکا۔ پھر اُس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ آ گئی۔

"حجاب نے پوچھنا پڑے گا۔ ویسے میری طرف سے تم اوکے ہو"۔ آفتاب بے ساختہ اُس سے لپٹ گیا۔

"تھینکس یار"۔

عمر نے بے ساختہ اُس کی پشت تھپتھپائی۔ پھر اُسے الگ ہو کر بولا۔

"ویسے عمر مجھے غلط مت سمجھنا۔ میں نے پہلے کبھی حجاب کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ مگر آج وہ مجھے اتنی مختلف، اتنی اچھی اور اتنی سادہ سی؟ اور اب مجھے لگ رہا ہے کہ بنا کسی رشتے کے اُس کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار ایک بھائی کی غیرت پر تازیانہ ہے"۔ وہ بہت مگن سا بولتے بولتے ایک دم اپنی جون میں واپس آ گیا۔ دونوں ہنس دیئے۔

"کیا اچھی اُمید رکھوں میں؟" وہ رخصت ہوتے سے پوچھنے لگا۔

"میں تمہیں آس نہیں دلانا چاہتا آفتاب! تمہیں حجاب کے مزاج کا کچھ کچھ اندازہ تو ہے" وہ دوٹوک بولا۔ ایک لمحے کو آفتاب واسطی کا رنگ متغیر ہوا تھا۔

"میں کوشش کروں گا۔ مگر زبردستی نہیں کر سکتا"۔ اُس نے تسلی دی بھی تو اپنا دامن بچا کر۔

"اچھا کوئیک میں رہنا" آفتاب نے کہا۔

"او۔ کے" مصافحہ کرنے کے بعد وہ بائیک نکالنے لگا۔

اُس کے جانے کے بعد عمر پلٹا تو حجاب اور نمروز ٹیبل پر بیٹھی نظر آئیں تھیں۔ وہ اُن کی طرف آ گیا۔

"کیسی ہو ٹنا؟" عمر نے مسکرا کر پوچھا۔ حجاب معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو عمر؟" وہ مسکرا کر بولی۔ سفید اور فیروزی سوٹ میں ملبوس وہ اس لمحے مسکراتی ہوئی عمر کو اپنے دل سے بہت قریب لگی۔

"میں تو بہت اچھا ہوں" وہ شرارت سے بولا۔

"مجھے پتا ہے" وہ لاپرواہ انداز میں بولی۔

"اور کیا کیا پتا ہے؟" عمر کو گدگدیاں سی ہونے لگیں۔

اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی ایک بار پھر گونج اُٹھنے والی موسیقی نے اُن کے انہماک بری طرح توڑا تھا۔

"اوفو..... کیا مصیبت ہے؟" حجاب سخت جھنجلا گئی۔

عمر بھی بدمزہ سا ہو گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور بمشکل آدھ گھنٹے بعد ہی جانے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

نمروز علی خان اُنہیں دیکھ کر اپنے مہمانوں سے ایکسکیوز کرتا اُن کی طرف آ گیا۔

"اجازت ہے سر"۔ عمر نے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔

"جا رہے ہیں آپ۔ اتنی جلدی؟" نمروز کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"نوید فاروقی صاحب بھی نہیں آئے"۔

"اُن کی طبیعت کچھ ناساز تھی" عمر نے بتایا۔

"او۔ کے اللہ حافظ"۔ عمر نے کہا اور ساتھ ہی اُس کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ نمروز علی خان کی نظروں نے بڑی والہانہ بے تابی سے حجاب کو دیکھا

تھا اور اُس اِک نظر میں اتنی شدت اتنی دیوانگی تھی کہ عمر کو اپنا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارتا ہوا محسوس ہوا۔ اُس نے حجاب کو دیکھا جو سر جھکائے پیر سے زمین کرید رہی تھی جیسے اس سے زیادہ ضروری کوئی کام نہ ہو۔ وہ بے اختیار واپسی کیلئے مڑ گیا۔ پورچ کی طرف جاتے ہوئے حجاب نے کچھ دھیان سے اُس کا جائزہ لیا۔

"کیا بات ہے عمر! کچھ اُلجھے ہوئے پریشان سے لگ رہے ہو"۔ وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

"نہیں۔ کوئی بات نہیں" اُس نے ردّ کیا تھا۔

"شور؟"

"آف کورس یار"۔

"اگر کوئی بات ہے تو تم مجھے بتا سکتے ہو"۔

"ہر جگہ انوسٹی گیشن کرنے مت کھڑی ہو جایا کرو۔ جب کہا کہ کوئی بات نہیں ہے تو مطلب نہیں ہے"۔ وہ غصے سے بولا۔ حجاب حیران رہ گئی۔

"یہ بات تم آرام سے بھی کر سکتے ہو۔ اتنے غصے میں آنے کی کیا ضرورت ہے"۔ وہ بھی جھلا گئی۔

عمر نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے بائیک نکالنے لگا۔ راستے میں عمر نے نجانے کس خدشے کو غلط کرنے کیلئے بات شروع کی تھی۔

"نمروز علی خان کا گھر بہت خوبصورت ہے"۔

"ہوں تو" حجاب لہجے سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا اگرچہ اُس کی چھٹی حس جاگ اُٹھی تھی۔

"بہت Rich ہیں وہ" عمر کا لہجہ کسی سچائی کی جستجو کرتا ہوا تھا۔ وہ اس وقت یہ اندازہ کرنا چاہ رہا تھا کہ آیا حجاب بھی اُس کی شخصیت یا دولت میں سے کسی ایک سے بھی متاثر ہے یا نہیں۔

"تو ہم کیا کریں۔ امیر ہیں تو ہوں"۔ وہ جھلائے ہوئی بولی۔ عمر نے غیر محسوس انداز میں ایک پرسکون سانس لیا۔

"اچھا آؤ آئسکریم لیتے ہیں" اُس نے گاڑی ایک آئس پارلر کے سامنے روک دی۔

کچھ دیر بعد وہ سحاب کیلئے چاکلیٹ فلیور اور اپنے اور حجاب کیلئے اسٹرابری یوگرٹ پیک کروا کر لے آیا تھا۔ شاپر کو ہینڈل سے لٹکایا اور پھر سے بائیک سٹارٹ کرنے لگا۔

"حجاب، آفتاب واسطی سنجیدہ ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"عمر! اگر ہم اس موضوع پر صحیح بات کر لیں تو....." حجاب نے کچھ کتائے اور بیزار لہجے میں کہا۔

"او۔ کے جیسے تم چاہو"۔ اُس نے طویل سانس لی۔ اور بائیک گھر کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دی۔

☆☆☆☆

"خان! آپ کی کافی"۔ صدف نے مگ ٹیبل پر دھرا تھا۔

"صدف!" وہ ایزی چیئر پر جھولتا مسکرا کر بولا تھا۔

"جی خان!"

"Every thing is fair in love and war" کہاں تک درست ہے یہ کہاوت؟" بہت عجیب سوال اُٹھایا تھا اُس نے۔

"بالکل درست ہے" صدف نے بھرپور اتفاق کیا تھا۔

"کیا خیال ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو" صدف بڑے بھرپور انداز میں چونکی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"میں حجاب تاثیر کو جیتنا چاہتا تھا۔ کتنی احمقانہ خوش فہمی میں مبتلا تھا نا۔ مگر اب کھیل بدل چکا ہے۔ اب پہلا ٹارگٹ اُسے حاصل کرنا ہے" وہ ایک لمحے کو رُکا۔

"تو آپ اُسے اغوا کروائیں گے" صدف کے چہرے پر حیرت تھی اس لیے وہ فوراً بول اُٹھی

www.pkdigest.com

الغور ٹوک گیا۔
ہوں ارے نہیں بھئی۔ سارے معاشرتی
ے کر کے لائیں گے اُسے۔ بہت اتھری
ہے وہ۔ لگام تو ڈالنی پڑے گی“۔ وہ خوش تھا

ے ہنس دی تھی۔
ب بہت بدل گئے ہیں خان“۔
سا تھا۔ سیاہ تل کی جگمگاہٹیں عروج پر

محبت کے کرشمے ہیں۔ سب عشق کے
ہ۔ میں ضبط کرتے کرتے تھک جاتا
سامنے آتی ہے اور پل میں سب زیر وزبر
۔ مگر اب نہیں۔ اب ضبط نہیں کرنا اب تو
ے ملنا ہے۔ وہ اپنے سارے حق اپنے
مجھے سونپے گی“۔ اُس کے لہجے میں تپش
تھا۔
شعر سنا ہے ناتم نے“ کافی کھنک سے
وہ بولا۔

تعویز ہو رد بلا کا
پیچھے پڑ گئی میرے

دن آشام بلا ہے پور پور سلگایا ہے اس
۔ پل پل تڑپایا ہے۔ اُسے اس سے چھین لینا
“۔ کتنی شدت تھی۔ صدف کو اُس لڑکی کے
رشک آیا تھا۔
محبت آبادکاری کرتی ہے۔ یہ خالی جگہوں
ہے مگر یہ بہت تکلیف دہ ہے۔ بالکل کسی
نے کی طرح۔ ہر پل تکلیف دیتی ہے۔ پل
ہے مگر اس کے باوجود جینے پراکساتی ہے۔
س کوئی جادو ایسا نہیں کوئی سحر ایسا نہیں جو
ے آپ کو چھٹکارا دلا سکے۔ تم بہت اچھی ہو
سب کچھ کرنا بس محبت مت کرنا۔ بہت
دہ ہے یہ۔ سچ مانو! بہت درد دیتی ہے۔

یہ درد جھیلنا آسان نہیں ہے۔ بہت بھلے کی صلاح دے رہا ہوں تمہیں بس کبھی محبت مت کرنا“۔ آنکھیں موندے وہ کسی خواب کے زیر اثر بول رہا تھا۔

صدف نے خاموشی سے خالی مگ تھاما اور روشنیاں بند کر کے باہر نکل آئی۔ لبوں پر صرف اُس شخص کیلئے دعائیں تھیں۔ اُس کی دائمی خوشی کیلئے۔

☆☆☆☆

صفیہ اور آمنہ نارووال کسی عزیز کی شادی کے سلسلے میں گئیں ہوئیں تھیں۔ دو دن سے پہلے اُن کے آنے کا امکان نہیں تھا حجاب کا موڈ نہیں بنا تھا اس لئے اُس نے معذرت کر لی تھی۔ سحاب اکیڈمی گئی ہوئی تھی عمر اخبار کے آفس تھا۔ حجاب نے آج چھٹی کی تھی۔ اس وقت وہ گھر میں اکیلی تھی۔ چائے پینے کا موڈ ہو رہا تھا سو وہ کچن میں چلی آئی۔ ابھی ساس پین چولہے پر چڑھایا ہی تھا جب ڈور بیل ہوئی۔ وہ چولہا دھیما کرتی دروازے تک آ گئی۔

دروازہ کھولا تو عمر تھا۔ وہ پلٹ آئی۔ بائیک کھڑی کر کے وہ بھی اس کے پیچھے آ گیا۔

”کیا بنا رہی ہو؟“

”چائے بنا رہی ہوں پیو گے تم؟“

”کھانے کو ہے کچھ؟ بہت بھوک لگی ہے۔ صبح صرف چائے کا کپ لیا تھا۔ وہ دروازے کے فریم میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

”دیکھتی ہوں فریج میں“ وہ فریج کھول کر جائزہ لینے لگی۔

”اوہ...... کل کا سالن ہے ”باسی“ تم کھاؤ گے نہیں۔“ وہ باسی پر زور دے کر بولی۔ عمر کو باسی روٹی اور سالن سے سخت چڑ تھی۔

”اچھا۔ کچھ اور نہیں ہے“ وہ مایوس ہوا۔

”نہیں۔ ہماری مائیں تو گھر ہیں نہیں اور میں اس قسم کا کام کر نہیں سکتی۔ تم چائے کے ساتھ بسکٹ کھالو“۔ نادر مشورہ دیا گیا۔ وہ سلگ اٹھا تھا۔ اُس

نے صبح سے کھانا نہیں کھایا اور وہ اُسے بسکٹ کھانے کا مشورہ دے رہی تھی۔ اُسے اتنا غصہ آیا کہ وہ بنا جواب دیے ہی پلٹ گیا۔

حجاب نے حیرت سے اُسے جاتے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر چائے مگ میں اُنڈیلنے لگی۔ جب وہ ٹی وی آن کئے حکومت سازی اور حکومتی عہدوں کی بانٹ و تشکیل کیلئے تمام جماعتوں کے اسلام آباد میں جمع ہونے والے وفود کی میڈیا سے بتدریج گفتگو دیکھ رہی تھی۔ تبصرے، تنقیدیں، خبریں سب جاری تھیں۔ اُس نے چینل چینج کیا تھا جب نظریں ایک لمحے کو ٹھہر گئیں تھیں۔

”کل رات پی۔ جے۔ ایف کے چیئر پرسن نمرود علی خان حکومت سازی کے سلسلے میں اسلام آباد روانہ ہو گئے“۔

اس کے ساتھ ہی لاہور ایئر پورٹ کے مناظر دکھائے جانے لگے۔ سرمئی سوٹ میں وہ پہلے سے بڑھ کر شاندار اور خوش نظر آ رہا تھا۔ اسی وقت عمر اندر داخل ہوا اُس نے سرعت سے چینل تبدیل کیا تھا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“ اُسے دیکھتے وہ بولی۔

”سحاب کو لینے“ وہ مختصراً کہہ کر باہر نکل گیا۔

جب وہ سحاب لے کر آیا تو وہ چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھا رہی تھی۔

”اُف آپی! میں بہت تھک گئی“۔ اُس نے آتے ہی روز مرہ والا فقرہ دہرایا۔

”بس اب آرام کرو“۔ اُس نے بے فکری سے کہا۔ اسی وقت عمر اندر آیا۔

”سحاب گڑیا! کچھ کھانے کو مل سکتا ہے“۔

”جی بالکل بھیا۔ بس پانچ منٹ میں“ وہ مستعدی سے بولی۔

وہ بھی اُس کے پیچھے کچن میں چلا گیا۔ سحاب نے توا چولہے پر چڑھایا فریج سے آٹے کا باؤل نکالا۔ پیڑا بنانے کے بعد اُس نے پیاز چھیلا

دوسرے چولہے پر پین چڑھایا اور روٹی بنانے لگی۔ کچھ دیر بعد اُس نے پیاز اور انڈوں کا آملیٹ پلیٹ میں ڈالا اور چنگیر میں روٹیاں رکھ کر اُس کے سامنے رکھ دی۔ عمر نے تشکر سے اُسے دیکھا اُس نے اپنی تھکن کا احساس بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس اُسے حجاب کی بے حسی بے حد کھلی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حجاب بھی بور ہو کر اٹھ گئی۔

”کہاں جا رہی ہیں آپی؟“

”اوپر“ وہ مختصراً کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

”عمر“ اُس نے دروازہ دھکیلا وہ بستر پر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے؟ طبیعت ٹھیک ہے نا“ اُس نے تشویش سے کہا اور اُس کے قریب چلی آئی۔

”ہوں“ وہ تکیے میں منہ گھسائے ہوئے بولا۔

”مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہی“ وہ بیڈ پر ٹک گئی۔

”میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ سن لیا۔ اب جاؤ یہاں سے“۔ وہ سپاٹ لہجے میں کہتا اُسے حیران کر گیا۔

”اپنا رُخ ادھر کرو نا۔ کیا بات ہے؟“ اُس نے دھونس سے کہا۔

”حجاب!“ وہ بلند آواز میں بولا۔ ”میں کہہ رہا ہوں یہاں سے دفع ہو جاؤ“۔ حجاب کے چہرے کا رنگ ایک پل میں زرد پڑا تھا۔

”عمر! مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ مجھے...... مجھے معاف کر دو مگر اللہ کیلئے ایسے تو مت بولو“۔ عجب نیم جاں لہجہ تھا اُس کا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

”صرف دس منٹ لگے تھے سحاب کو وہ آملیٹ اور روٹی بنانے میں۔ تم نہیں کر سکتی تھیں؟ تمہیں پتا ہے آج تم نے مجھے کتنا ہرٹ کیا ہے؟“

www.pkdigest.com

اُس کے لہجے میں غصہ تھا۔ وہ سُرعت سے اپنے آنسو پی گئی۔

"مجھے معاف کر دو۔ پلیز۔ اچھا شام کا کھانا میں بناؤں گی۔"

"میں تمہیں بالکل بھی شکریہ نہیں بولوں گا کیونکہ مجھے تم پر بہت غصہ ہے" وہ کہتا ہوا پھر سیدھا لیٹ گیا۔

"لاؤ میں تمہارا سر دبا دوں۔ مجھے پتا ہے یقین کر تم پر اثر نہیں کرتی" وہ اُس کا سر دبانے لگی۔

"عمر" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

"ہوں" آنکھیں موندے وہ پر سکون تھا۔

"مجھ سے ناراض مت ہوا کرو۔ جب تم مجھ سے ناراض ہوتے ہو نا میرے سانسیں رُکنے لگتیں ہیں۔"

"تم مجھے ناراض کرنے والے کام مت کیا کرو" اُس نے رُکھائی سے کہا۔

وہ تڑپ اٹھی۔ پھر اُس کے بال مٹھی میں جکڑے تھے۔

"لہجہ درست کرو اپنا۔ کیسے بول رہے ہو" وہ ہنس دیا تھا۔

شام میں حیرت انگیز طور پر حجاب کی بنائی گئی بریانی زبردست اور بہت اچھی بنی تھی۔ اور ڈھیروں تعریفیں سمیٹنے کے بعد وہ اور عمر فلور کشن پر بیٹھ گئے جبکہ حجاب چائے بنانے چلی گئی تھی۔

"حجاب! کچھ سوچا ہے تم نے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

حجاب نے لمحہ بھر کیلئے اُس کا چہرہ جانچا پھر مسکرائی تھی۔

"ہاں"۔

"کیا ہاں؟" وہ اُلجھا۔

"تم لڑکی کی "ہاں" کا مطلب نہیں جانتے ہیں" وہ "ہاں" پر زور دے کر بولی۔ وہ چونکا تھا۔

"یعنی تمہیں قبول ہے۔ میں واسطی کو اوکے کر دوں پھر"۔ وہ حیران تو ہوا مگر بے ساختہ خوشی چھپا نہ سکا۔

"ہوں" وہ کہہ کر سر جھکا گئی۔

عمر نے دلچسپی سے اُس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا۔

"کیا خاص بات ہے اُس میں؟" عمر نے بے تابی سے سوال داغا۔

"وہ مجبور ہے۔ کامیاب ہے۔ اسمارٹ ہے۔ اور کیا چاہیے؟"

"مگر وہ بہت (Rich) نہیں ہے حجاب۔ وہ بالکل ہمارے جیسا ایک عام سا صحافی ہے۔ جو بمشکل سفید پوشی کا بھرم رکھے ہوئے ہے۔ وہ تمہاری ڈھیروں ڈھیر خواہشات پوری نہیں کر سکے گا"۔ وہ استہزائیہ بولا تھا۔ ذہن میں حجاب سے کی گئی شادی اور دولت کے موضوع پر گفتگو گونج رہی تھی۔

حجاب پہلے چونکی پھر ہنس دی۔

"بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک چھوٹا سا واقعہ بھی ہماری سوچ کا رُخ بدل دیتا ہے۔ وہ صرف ایک واقعہ کا نتیجہ تھا۔ وہ سب فضول بکواس بھول جاؤ۔ ایسے ہی دماغ خراب ہو گیا تھا میرا۔ ورنہ حلال کی کمائی کھائی ہے اُس کا اثر ایسا کیسے ہو سکتا ہے"۔

حجاب نے اُسے بڑے سلیقے سے مطمئن کیا تھا اور وہ ہو بھی گیا تھا۔ جبھی مسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

"میں تمہارے فیصلے سے بہت خوش ہوں حجاب۔ خدا تمہیں خوشیاں دے بہت زیادہ"۔ اُس نے خلوص دل سے دعا کی تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا بعض دعائیں "رد" بھی تو جاتی ہیں۔

☆☆☆☆

ملک کے وفا پرستوں کے لیے یہ خبر نہایت افسوس ناک اور شاکنگ تھی کہ نمرود علی خان کو وفاقی وزیر تعلیم کا عہدہ تفویض کیا گیا تھا۔ لوگوں کی اکثریت متفق تھی کہ ایک ایمان دار اور راست گو انسان کو یہ معمولی، کونے میں گھسا دینے والا عہدہ تفویض کیا جانا سراسر ناانصافی تھی۔ اُسے تو وزیر خزانہ یا کم از کم وزیرِ خارجہ کا عہدہ دیا جانا چاہیے تھا۔ حالانکہ ایمانداری سے دیکھا جائے تو آج تک سیاست کی بساط پر ہمیشہ شاطر اور چالباز سیاستدانوں کا پلڑا بھاری رہا ہے۔ سچے اور ایماندار لوگوں کو آگے آنے نہیں دیا جاتا اور اگر خوش قسمتی سے کوئی پارلیمنٹ یا سینٹ میں پہنچنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو نقار خانے میں طوطی کی آواز سنتا کون ہے؟

☆☆☆☆

فرید پیشے کے لحاظ سے ویٹر تھا۔ میریٹ جیسے ٹاپ کلاس ہوٹل میں ویٹر ہونا بھی اُس کے نزدیک ریسٹورنٹ کا مالک ہونے جیسا تھا۔ وہ وہاں آنے والی تمام بڑی بڑی شخصیات جن میں سیاستدان، بیوروکریٹس، سوشل ورکر شامل ہوتے تھے کو ملنے والی عورتوں کے قصے اپنے دوستوں میں بڑے فخر سے سناتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کے دوست اُس سے ہمیشہ متاثر اور مرعوب نظر آتے تھے یا شاید اُس کے معلومات سے۔

اس وقت اُس کی توجہ کا مرکز کمرہ نمبر 106 تھا۔ جس میں اُس نے ابھی ابھی ایک غیر ملکی خاتون کو جاتے دیکھا تھا۔ اور جس شخصیت سے وہ ملنے گئی تھی فرید کیلئے اُس کا نام آج سے پہلے بڑا واجب احترام اور مقدس تھا مگر اب وہ خاتون پچھلے ایک گھنٹے سے کمرہ بند تھی اور پچھلے ایک گھنٹے سے فرید کے منہ سے بے دریغ گالیاں نکل رہی تھی۔ وہ غیر ملکی لڑکی بے حد خوبصورت تھی اور اُس نے میک اَپ بھی کافی گہرا کیا ہوا تھا۔ شومئی قسمت آج فرید کی اس فلور پر ڈیوٹی تھی جب 106 سے کافی کا آرڈر آیا تو اُس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔

رُبیکا جانسن نے اپنے سامنے بیٹھے اُس پتھر اور بے حس انسان کو دیکھا جس پر اُس کی ساری خوبصورتی، ساری ادائیں بے کار گئی تھیں۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے بول رہی تھی۔ مگر اُس کے جواب میں سامنے بیٹھے شخص نے تین حرف بول کر اُس کا تختہ کر دیا تھا۔

"مسٹر خان! آپ ایک بار۔۔۔۔۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

اُس نے ہاتھ اُٹھا کر وہیں روک دیا۔

"مس جانسن! آپ یقیناً اپنا "ہوم ورک" مکمل کر کے آئی ہیں۔ مگر میں آپ کو انکار کر چکا ہوں" اُس کا لہجہ خشک تھا۔

اسی وقت ہلکی سی دستک ہوئی۔ "یس" کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور فرید کافی لے کر اندر آ گیا۔

اُس نے قدرے حیرت سے دونوں فریقین کو صوفوں پر براجمان دیکھا۔ اُس نے کافی ٹیبل پر رکھی اور چپکے سے کھسک لیا۔

"آپ ایک بار سوچ لیں" ربیکا جانسن کا لہجہ طیش دلانے والا تھا۔

"مس جانسن!" اُس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

"میں اس ملک کے دس امیر ترین افراد کی فہرست میں سے ایک ہوں۔ اگر دس غریب ترین افراد کی فہرست میں بھی آ گیا۔ تو بھی آپ کی شرائط، ڈیمانڈز اور مراعات مجھے قبول نہیں"۔۔۔۔ اُس نے تنفر سے بات ختم کی۔

ربیکا جانسن کا رنگ ایک لمحے کو بدل گیا۔ اُس نے اپنا بیگ اٹھایا اور "گڈبائے" کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ دروازہ کھٹاک سے بند ہوا۔

دو منٹ بعد وہ بھی باہر نکل آیا اور مضبوط قدموں سے چلتا لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

فرید نے خوشی کے آنسو آنکھوں میں لئے نمرود علی خان کو دیکھا جو بہترین سیاہ تھری پیس میں وہ اُسے پہلے سے بڑھ کر خوبصورت، قابلِ احترام اور مقدس لگا۔ اُس نے دروازے سے ٹیک لگا کر سب

www.pkdigest.com

باتیں سن لیں تھیں اور دل میں فیروز علی خان سے والہانہ عقیدت بھی اور گہری ہو گئی تھی۔

☆☆☆

حجاب اس وقت لائبریری میں موجود تھی۔ سمسٹر نزدیک تھے اور وہ سخت محنت کی قائل تھی سو لائبریری میں بیٹھ کر کتابوں کو تسلی سے چاٹ رہی تھی۔ جب یکدم اُس کے سیل پر ٹون بجی۔ چند افراد نے نظریں اٹھا کر ناپسندیدہ نظروں سے اُسے دیکھا وہ فوراً معذرت کر کے باہر آ گئی قدرے جھنجھلاتے ہوئے سیل بیگ سے نکالا اور نمبر دیکھا۔ اسکرین پر "عمر کالنگ" کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اُس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"ہاں بولو عمر۔"

"کہاں ہو؟"

"احمقانہ سوال۔ ظاہر ہے یونیورسٹی ہوں اور کہاں ہوں؟" وہ طنزیہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔ فوراً پہنچو۔"

"لیکن میری کلاس ہے بہت اہم اور کام کیا ہے؟" اُسے بولتے ہوئے احساس ہوا کہ وہ فون اُس کی بات سنے بغیر ہی بند کر چکا ہے۔ وہ جھنجھلا کر کام کے متعلق سوچنے لگی۔ کچھ سمجھ نہ آنے پر وہ کندھے اچکا کر گیٹ کی طرف چل دی۔ پارکنگ میں اُسے عمر بائیک کے ساتھ کھڑا نظر آیا تو وہ اُس کی طرف بڑھتی چلی آئی۔

"کیا بات ہے؟ خیریت؟" اُس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"سب ٹھیک ہے۔ تم بیٹھو۔ بتاتا ہوں۔" اُس نے بائیک سٹارٹ کی۔

"حجاب" وہ اس خروش بولا تھا۔

"ہوں" وہ سڑک کو دیکھتی ہوئی چونک کر متوجہ ہوئی۔ اُسے سفر کرتے ہوئے سڑکوں کو غور سے دیکھنے کی عادت تھی۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اُس کی توجہ کا خصوصی مرکز بنتی تھیں۔ کبھی کبھی تو عمر جھنجھلا کر طنز کرتا "کیا ٹھیکے پر لینے کا سوچ رہی ہو؟" تو وہ محض مسکرا کر رہ جاتی۔

"اونہوں! یہ سڑک پر غور و خوض بعد میں کر لینا پہلے میری بات سنو۔"

"تو بولو بھی۔"

"آفتاب کی والدہ اور آپا جان تشریف لائی ہیں۔ امی جان نے کہا تمہیں لے آؤں۔" اُس نے دھماکہ کیا۔

وہ ششدر رہ گئی۔ بولی تو بس اتنا ہی۔

"اوہ۔ اچھا۔"

"ذرا ڈھنگ سے جانا اُن کے سامنے۔"

عمر کی نصیحت نما ہدایت پر اُس نے بلند و بانگ قہقہہ لگایا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو عمر" اُس نے دانستہ حیرانی ظاہر کی۔ عمر نے فوراً ٹوکا تھا۔

"پاگل لڑکی۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔"

وہ پھر ہنس دی۔

"ایسے حکم تو امی جاری کرتی ہیں۔"

"میں بھی کر سکتا ہوں۔ بڑا بھائی ہوں تمہارا" وہ مان سے بولا۔

"تمہیں لگتا ہے میں خراب حلیے میں اُن کے سامنے گئی تو وہ مجھے مسترد کر دیں گی۔" حجاب نے جان بوجھ کر اُسے چھیڑا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ بس پہلا تاثر تو اچھا ہونا چاہیے نا۔" وہ جیسے اُس کی کند ذہنی پر ماتم کرتا ہوا بولا۔ اُس نے ہنسی دبائی۔

کچھ دیر بعد وہ گھر پہنچ گئے۔ حجاب رُکے بغیر سیدھی اپنے اور سحاب کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ امی جان اُسی وقت کمرے میں آ گئیں۔

"حجاب کتنے رف حلیے میں ہو۔ جاؤ فوراً ہاتھ منہ دھوؤ اور کپڑے بدلو۔ اور سحاب اس کا اچھا سا سوٹ نکال دو۔" انہوں نے آتے ہی حکم دیا۔

اُس نے فوراً سر تسلیم خم کیا۔

کچھ دیر بعد وہ تبدیل شدہ کپڑوں میں خاصے ذیشان حلیے میں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی تھی جب راہ میں عمر حائل ہوا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" اُس نے تنقیدی جائزہ لینے کے بعد پاس کیا۔

اُس نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"کچھ نروس تو نہیں ہو؟" وہ بے چین ہوا۔

"نہیں" وہ پر اعتمادی سے مسکرائی تھی۔

"تو بس پھر جاؤ" اُس نے پیار سے سر پر ہاتھ رکھا اور جانے کا اشارہ کیا۔

وہ مستحکم قدموں سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ بڑی امی اور امی جان دونوں ہی وہاں موجود تھیں۔

"یہ حجاب ہے"۔ بڑی امی نے مسکرا کر تعارف کرایا۔

"السلام علیکم" اُس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو" پر نور چہرے اور شفیق تاثرات لیے ہوئے خاتون یقیناً آفتاب کی والدہ تھیں۔

"ماشاء اللہ۔ حجاب تو بڑی پیاری ہے"۔ راحت آپا نے مسکرا کر کہا۔

وہ بے اختیار شرما گئی۔ ایک انوکھا احساس رگ و پے میں پھیلا تھا۔

"بس کیا بتاؤں بہن! ایک ہی بیٹا ہے میرا۔ بتیس سال کا ہونے کو آیا ہے۔ شادی کیلئے نہیں مانتا تھا۔ کہتا تھا کروں گا تو اپنی پسند سے۔ جب آپ کی بچی کے بارے میں بتایا تو مجھے کئی خدشات نے گھیر لیا جانے کیسی ہو گی۔ خاندان کیسا ہو گا؟ جب اُس سے ذکر کیا تو ہنسنے لگا۔ بولا اماں یہ مت سوچئے گا کہ میں نے اُس سے لمبا چوڑا چکر چلایا ہے۔ وہ بڑی پاکیزہ سی لڑکی ہے۔ اپنے آپ کو سمیٹ کر رکھنے والی۔ مجھے پسند آئی میں نے سیدھے اُس کے بھائی سے کہہ دیا۔ اور اب جب میں یہاں آئی تو یقین جانیں آپ کا گھرانہ مجھے بے حد پسند آیا اور خصوصاً آپ کی بچی بے حد پیاری ہے۔ بس آپ ہمارے بیٹے کو دیکھ لیں تو بات آگے بڑھے"۔ انہوں نے تفصیلاً احوال کہہ سنایا۔ حجاب کو اُن کی صاف گوئی بے حد بھائی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ بس اس کے بابا جان آ جائیں تو مشورہ کر کے ہی آپ کو بتا سکیں گے"۔ امی جان نے وضعداری سے کہا۔

"اور بیٹی حجاب کیا کرتی ہو؟" راحت آپا نے پوچھا۔

"میں یونیورسٹی اور پھر اخبار کے آفس"۔ اُس نے مختصر بات کی۔

"اخبار میں دلچسپی کس طرف ہے؟" انہوں نے بات بڑھانے کی غرض سے پوچھا۔

"کالم نگاری کرتی ہوں۔ کچھ نیوز وغیرہ بھی کر لیتی ہوں۔"

"کالم نگاری اور رپورٹنگ۔ بالکل آفتاب والے شوق۔"

خوب جمے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو

اُن کی بات پر قہقہہ پڑا تھا۔

عمر بے حد مسرور نظر آ رہا تھا۔ خوشی اُس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اور اُسے خوش دیکھ کر حجاب کے اندر ڈھیروں سکون اترتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر مزید بیٹھ کر وہ لوگ اُن سے جلد آنے کا وعدہ لے کر چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد سحاب اور حجاب مل کر پھیلاوا سمیٹنے لگیں جبکہ بڑے آپس میں مشورے جات میں مصروف ہو گئے۔ کام سمیٹنے کے بعد حجاب سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آ گئی۔ منڈیر پر ہتھیلیاں ٹکا کر اُس نے ستاروں بھرے آسمان کو دیکھا۔ آج چاند نہیں تھا۔ اُسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا جانے کیوں ہمیشہ اُسے ستارے چاند کے ساتھ ہی

www.pkdigest.com

دیکھنے لگے۔ چاند کے بغیر اُسے آسمان بڑا ادھورا سا لگتا تھا۔ اس وقت بھی اُسے عجیب سا خالی پن کا احساس ہوا۔ اب جانے یہ خالی پن وجود میں تھا یا آسمان میں اُس نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کو دیکھا تو نو بج رہے تھے۔

وہ ایک بار پھر ارد گرد نظریں دوڑانے لگی۔ یکدم سیل فون وائبریٹ کرنے لگا۔ اُس نے نمبر دیکھے بغیر فون "یس" کر کے کان سے لگایا۔

"جی کون؟" بے خیالی میں وہ سلام دعا یکسر فراموش کر گئی۔

"تم... علی خان آپ" وہ دانت پیس کر کہتی پلٹی لیکن عمر کو دیکھ کر اس کی سانس تھم سی گئی۔ جانے وہ کب سے کھڑا تھا یہاں۔

وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔

عمر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ پھر فون اُس سے لیا اور اسپیکر آن کر دیا۔

وہ یک ٹک عمر کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جس کا رنگ غصے و ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔ پھر شاید اس کی برداشت ختم ہو گئی اُس نے کال ڈسکنکٹ کی اور فون اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پر دے مارا اور حجاب کی طرف پلٹا۔

حجاب کے جسم سے جان نکلنے لگی۔ موبائل کے بہت سے ٹکڑے بکھر گئے تھے۔

"مجھے آج پتا چلا ہے لوگ بیٹیوں کی پیدائش پر کیوں روتے ہیں۔ لیکن تم سے کیا کہوں۔ میں نہیں جانتا تھا حجاب تاثیر! تم دولت کے لیے یہ "شارٹ کٹ" استعمال کرو گی کیونکہ بہرحال اُس شخص کے پاس لیڈی کلر کی سی پرسنالٹی بھی تو ہے۔ مجھے بالکل حیرت نہیں ہے۔ بالکل نہیں۔" اُس کے چہرے سے اُس کے آتش فشانی موڈ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ آنکھوں سے نکلتی آنچ حجاب کے تن من کو جلا گئی تھی۔ لہجہ انتہائی زہریلا تھا جیسا کہ کوئی سانپ پھنکار رہا ہو۔

"میں تمہیں یہ سب بتا دینا چاہتی تھی عمر! میری بات" وہ ہوش میں آ کر وضاحت دینے لگی تھی۔ جانتی تھی کہ اگر اب یہ غلط فہمی دور نہ کی گئی تو ساری حیات کے نقصان قسمت میں لکھے جائیں گے۔ مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر وہیں روک دیا۔

"بس۔ جی تو چاہ رہا ہے کہ میں بھی جاہل اور گنوار بن جاؤں تم پر ہاتھ اٹھاؤں تمہیں اتنا ماروں۔ اتنا ماروں کہ جان لے لوں۔ غیرت پر قتل کرنے والوں کو احمق کہتا تھا میں۔ اب سوچتا ہوں خدا مجھ پر کتنا ہنسا ہوگا۔ احمق تو میں تھا۔ تمہیں اس زمانے سے روشناس کرایا، باہر کی دنیا کا پتا دیا، اُڑنا سکھایا آج کیسا منہ کے بل گرا ہوں۔ میرے سامنے سے چلی جاؤ حجاب۔ جاؤ۔ اوہ خدایا! کتنا بڑا بے وقوف تھا میں سمجھتا رہا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ سوچتا رہا میرا وہم ہے اوہ خدایا!" وہ اپنے بال مٹھیوں سے نوچتے ہوئے اتنی اذیت میں تھا کہ حجاب کا دل پھٹنے لگا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میری بات سنو عمر۔ میں......" وہ التجائیہ انداز میں کہتی ہوئی رو دی۔

اگلے ہی لمحے اُلٹے ہاتھ کا بھرپور طمانچہ اُس کے گال پر پڑا۔ "آج سے میرا تم پر اور تمہارا مجھ پر ہر حق ختم ہوا جاؤ یہاں سے۔" عمر نے بے دردی سے اُسے سیڑھیوں کی طرف دھکا دیا۔ وہ اُس کے بازو سے لپٹ گئی۔ دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے وہ بولی تھی۔ "میری بات سنو۔ اللہ کے لیے۔ ایسا کچھ نہیں"۔

عمر نے اُسے ٹھوکر ماری اور پیچھے ہٹا۔ وہ پیچھے کو اُلٹ گئی۔ وہ تیز تیز چلتا کمرے میں بند ہو گیا۔

کیسی رات تھی وہ۔ قیامت کی سی۔ مجسم قیامت۔ جس میں حجاب تاثیر کو سزا سنا دی گئی۔ یہ دغا باز ہے۔ یہ خائن ہے۔ اس کے وجود کو شکنجے میں اتنی سختی سے کس دو کہ اس کی تمام ہڈیاں آپس میں مل جائیں۔ اس کے بال رسی سے باندھ کر کھینچو۔ یہ بدکردار ہے۔ اسے سنگسار کر دو۔

اُسے لگا ابھی زمین پھٹ جائے گی۔ بادل اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی مانند بکھر جائیں گے۔ ابھی سورج دھرتی پر اتر آئے گا۔

اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ شاید قیامت آ گئی۔ منجمد احساسات کے ساتھ اُس نے سوچا تھا اور یہ اُس کے ذہن کا آخری احساس تھا۔ اس کے بعد تاریکی چھا گئی۔

شاید کالی رات کی۔

شاید کالی قسمت کی۔

یا شاید بدبختی کی۔

وہ ہر احساس سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ اسی وقت سحاب شاید اُسے ڈھونڈتی ہوئی اوپر آئی تھی اس کو یوں گرے دیکھ کر اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اُس نے چیخ چیخ کر پورا گھر اکٹھا کر لیا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر صاحب آ گئے۔ چیک اپ کرنے کے بعد وہ کچھ حیران اور پریشان نظر آئے تھے۔

"اتنی کم عمری میں عام طور پا اس قدر اسٹریس نہیں ہوتی۔ اتنی ہائپر ٹینشن، کیا بات ہے؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" امی جان بے حد حیران ہوئی تھیں ڈاکٹر کے منہ سے یہ سب سن کر۔

"بہرحال۔ یہ میڈیسن انہیں استعمال کروائیے اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش کریں۔" وہ پیشہ ورانہ ہدایت کر کے رخصت ہو گئے۔

"عمر کیا بات ہے؟ تم سے کوئی بات کی اس نے؟" صفیہ بیگم بے حد پریشان سی عمر سے مخاطب تھیں۔ وہ کوئی جواب دینے کی سوچ ہی رہا تھا جب سحاب نے اُسے آواز دے دی۔ وہ جان چھوٹنے پر شکر کرتا آگے بڑھ گیا۔

"بھیا! آپی کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ آپ کو بلا رہی ہیں۔" سحاب کی آنکھوں میں موتی چمک رہے تھے۔

عمر کے خون میں اُبال سا اُٹھا تھا۔ مگر وہ ضبط کر گیا۔

"عمر جاؤ اُس کے پاس پوچھو اُس سے کیا بات ہے؟" صفیہ نے کہا وہ سر ہلاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

سامنے ہی وہ بیڈ پر دراز تھی رنگت میں زردیاں اور آنکھوں میں ویرانیاں لیے۔ وہ آہستہ سے آگے بڑھا۔

"اس سے پوچھو عمر! کیوں ماں کو پریشان کرتی ہے؟" آمنہ اُس کے پاس سے اُٹھ کر باہر چلی گئیں۔

حجاب نے عمر کو دیکھا اور اُس کے چہرے پر حجاب کیلئے اتنی نفرت تھی کہ اُس کا وجود نیلا پڑنے لگا۔ اُسے لگا یہ چہرہ کسی اجنبی کا ہے۔ اتنی بیگانہ آنکھوں اور سرد تاثرات والے اس چہرے کو وہ نہیں جانتی۔

"تم انہیں فون کرو عمر! میں ابھی تمہارے سامنے ساری بات کلیئر کر دیتی ہوں" بدقت بولتے ہوئے کئی آنسو گالوں پر ڈھلک آئے۔

"مجھے اپنے گھر والے بہت عزیز ہیں حجاب تاثیر! میں انہیں کسی دکھ میں نہیں دیکھ سکتا۔ یہ لو۔ اور پوچھو اُس سے وہ کب آ رہا ہے؟" اس نے سپاٹ لہجے میں کہہ کر فون اُس کی سمت پھینکا۔

اُس نے فون کو ہاتھ تک نہیں لگایا بس چپ چاپ دھندلائی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھے جا رہی تھی۔

وہ چند پل ہونٹ بھینچے اُسے دیکھتا رہا پھر فون اُٹھا کر باہر نکل گیا۔ باہر نکل کے بنا اِدھر اُدھر دیکھے اس نے تیزی سے سیڑھیاں پار کیں اور اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ لاک کر لیا۔

راکنگ چیئر پر جھولتے اُس نے ایک فیصلہ کیا تھا اور بے اختیار فون اُٹھا کر ایک نمبر ملانے لگا۔

"ہاں واثق! معذرت چاہتا ہوں یار۔ اُس معاملے کو ختم سمجھو۔"

"وجہ؟ نہیں بتا سکتا۔ کیوں؟ ہاں بس ہمت

www.pkdigest.com

نہیں ہے۔

"ایک بار پھر معذرت۔ اجازت؟" اُس نے فون بند کیا۔

چند پل کچھ سوچا پھر ایک اور نمبر ملانے لگا۔

"جی فاروقی صاحب! عمر بول رہا ہوں"۔

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

"مگر برخوردار! نہ سلام نہ دعا۔ یہ کافرانہ روش تو نامعقولوں کا وصف ہے گویا۔ تمہارے بارے میں ہمارے رائے بہت اچھے ہے مگر تم....."۔

عمر نے اُن کی بات قطع کردی۔

"اپنے خان صاحب کب آرہے ہیں اسلام آباد سے؟" اُس کے لہجے میں غیر محسوس زہر گھلا تھا۔

"بھئی صبح اُن کی آمد باد بہاری ہے۔ اپنے زندہ دلان لاہور یوں نے تو استقبال کی زبردست تیاری کی ہے بقول کسی شاعر کے۔

آمد پہ تیری عطر و چراغ سبو نہ ہو
اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

"اچھا اجازت دیجئے۔" عمر نے اُن کی مزید بات سنے بغیر فون بند کردیا۔

بند آنکھوں کے ساتھ راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے اُس کے ذہن میں جیسے ایک ریل سی چل رہی تھی۔

"السلام علیکم! میں حجاب تاثیر"۔

"ایسی کیا خاص بات ہے ان میں"۔

"حکومت ایک محل کی مانند ہے....."

"ہمارے پاس اتنا پیسہ تو ہو کہ ہم ان گندی گلیوں سے نکل کر کسی پوش علاقے میں شفٹ ہو سکیں"۔

"امیر ہیں تو ہوں ہمیں کیا.....؟"

اُس کے ذہن میں یہ بات گونج رہی تھی۔ نمرود علی خان کا وہ اتفاقیہ ملنا، بے ساختہ حجاب کو دیکھنا، اُس کی باتیں کرنا، جان بوجھ کر اُسے مخاطب کرنا، اُس کی والہانہ وارفتگی، بے تابی، نظروں سے چھلکتا پیار، اُمڈتا ہوا عشق۔ سب ہی کچھ تو عیاں تھا جانے کیوں وہ محسوس نہ کرسکا۔ حالانکہ اب دیکھا جاتا تو یہ سب یقیناً ایک پلان گیم تھا۔

حجاب کا گریز، عمر کے سامنے اُس کے ساتھ تلخ لہجہ، جھکی نظریں اور وہ سب وہ تلخ لہجہ، گریز پائی بھی یقیناً سوچی سمجھی اسکیم تھی۔

سوچ سوچ کر اُس کا دماغ پکے ہوئے پھوڑے کی مانند دُکھنے لگا۔ اب اُس کے ذہن میں کوئی سوالیہ نشان نہیں تھا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسے اب کیا کرنا ہے۔ ہر چیز بہت صاف اور روزِ روشن کی طرح عیاں تھی بس عمل کرنا تھا۔

☆☆☆☆

اُس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ پورا وجود بخار میں پھنک رہا تھا۔ اُس نے کروٹ بدل کر غافل ہونا چاہا مگر پھر ادراک ہوا کہ رات اُس کے ساتھ کیا بیت چکا ہے۔ وہ سب کچھ کھو چکی ہے۔

اخلاق!
کردار!
یقین!
مان!
بھروسہ! اور
سب سے بڑا نقصان!
اپنا بھائی کھو چکی ہے۔
اتنا بڑا نقصان!

وہ ششدر پڑی تھی۔ اُس نے اپنی سانس کو بے ترتیب ہوتا محسوس کیا۔ اُسے سانس لینے میں دقت سی ہوئی۔ اسی وقت اُس نے بڑی امی کی آواز سنی۔

"حجاب! بیٹا اُٹھ جاؤ ناشتہ کرلو"۔ انہوں نے قریب آکر اس کا ماتھا چھوا۔ پھر گھبرا گئیں۔

"میرے اللہ! اسے تو سخت بخار ہے۔ عمر! ذرا سے دیکھنا" انہوں نے سیڑھیاں اُترتے عمر کو فوراً پکارا تھا۔

وہ اندر آگیا۔ جھک کر پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"اسے تو تیز بخار ہے امی جان"۔

"تمہارے بابا سے کہتی ہوں ڈاکٹر کو بلا لائیں۔ تم اسے جگا کر ذرا یہ ناشتہ کروا دو"۔ وہ پریشانی سے کہتیں باہر نکل گئیں۔ اُس نے بھی میز کو ٹھوکر ماری اور باہر نکل گیا۔

بہت سے گرم گرم آنسو حجاب کے گالوں پر لڑھک آئے۔ وہ بے حد نرم دل اور مہربان انسان آج کیسا کٹھور اور سنگدل ہوگیا تھا۔ وہ اُس کا بھائی۔ اسے اس ساری دنیا سے زیادہ عزیز تھا۔ وہ تو اُس کی چند پل کی ناراضگی نہیں سہتی تھی۔ اب جانے کیسے قسمت میں عمر بھر کے نقصان آگئے تھے۔ زندگی نے کتنا بے رحم مذاق کیا تھا۔ وہ بھی اتنی بدصورتی کی ساتھ۔ آج صحیح معنوں میں احساس ہوا تھا اُسے کہ موت کو سخت اور اذیت ناک کہنے والے احمق لوگ یہ نہیں جانتے کہ موت سے بھی زیادہ سخت اور سفاک چیز "زندگی" ہے۔

اللہ! اتنی کڑی آزمائش!
یا شاید کسی نادیدہ گناہ کی سزا۔

اُس کا دل ڈوبنے لگا۔

اُسے یاد آیا اُس نے عمر سے بات کیوں نہیں کی تھی۔ جب نمرود علی خان نے اُسے یوں زبردستی "نمرود مینشن بلایا تھا اور وہ بھی گارڈز کے ذریعے تو وہ کتنا ڈر گئی تھی۔ اگر وہ زبردستی پر اُتر آتا اُسے واپس نہ آنے دیتا تو وہ کمزور لڑکی کیا کرلیتی۔ شاید کچھ نہیں۔ اُس روز اُسے شدت سے احساس ہوا کہ کمزور ہونا بجائے خود ایک کمزوری ہے۔ اُسے آج تک یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک عام سے مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں سوچ سوچ کر ہر قدم اُٹھانا پڑتا ہے۔ وہ الگ بات کہ عمر سے بات کرتے ہوئے وہ کچھ زیادہ تلخ ہوگئی تھی اور بیچ میں بجٹ کا ذکر تو خوامخواہ نکل آیا ورنہ اُس کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔

اور اب وہ کیا قدم اُٹھائے گا؟

ایک بڑا سا سوالیہ نشان اُس کے منہ چڑا رہا تھا۔

☆☆☆☆

"تو کل آپ اسلام آباد جارہے ہیں۔" صدف نے کافی کا کپ اُس کے آگے رکھا۔

"ہوں"۔

"کچھ اندازہ ہے آپ کو موجودہ حالات میں کس شعبے میں بھیجا جائے گا؟"

"ہاں۔ کچھ اطلاعات ملی تو ہیں اپنے خیر خواہوں سے"۔ وہ راکنگ چیئر پر جھول رہا تھا۔

"کونسی اطلاعات؟" وہ چونکی۔

"شعبۂ تعلیم" وہ مسکرادیا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟ ایڈجسٹ کرلیں گے؟"

"بالکل بھئی۔ تعلیم تو ملک کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے میں اس کی اہمیت کو جانتا بھی ہوں اور مانتا بھی۔ انشاء اللہ بہتری لائیں گے"۔

اُس کا لہجہ پرعزم تھا۔

"اپنی زندگی میں بہتری کب لائیں گے؟"

اُس کا لہجہ معنی خیزی لئے ہوئے تھا۔

وہ چونکا پھر بات کی تہہ تک پہنچ کر مسکرادیا۔

"اُس بہتری کو بھی جلد ہی لائیں گے"۔

"کب؟" وہ اصرار سے بولی۔

"تم بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟" اُس نے اُلٹا سوال داغا۔

"سچ کہوں تو ہم ابتداء سے ہی غلط تھے۔ یہ امریکن اسٹائل میں ڈائریکٹ پرپوزل دینا ہی انتہائی غلط تھا۔ یہاں کے معاشرتی قوانین کے مطابق آپ کو اُن کے گھر جانا چاہیے"۔

"لیکن اُس کی سہیلی بھی تو اُس کی رائے لے گی نا"۔ وہ کچھ اُلجھا۔

"یہ بعد کی بات ہے۔ ابھی اس بارے میں

www.pkdigest.com

مت سوچیں"۔

صدف نے تسلی دی۔

اگلے دن وہ اسلام آباد میں فیروز لاج میں موجود تھا یہ گھر فیروز علی خان نے بنوایا تھا اور یہ اُن کا پسندیدہ ترین گھر تھا۔ بیڈ روم کی کھڑکی میں کھڑے کتنی ہی دیر وہ ستاروں سے سجے آسمان کو تکتا رہا۔ دل آج عجیب سی ترنگ میں تھا بے اختیار اُس کی آواز سننے کو مچل گیا اگرچہ جانتا بھی تھا کہ وہ اُسے بالکل لفٹ نہیں کرائے گی۔ ڈانٹے گی، اُلجھے گی اور پھر تھک کر فون بند کر دے گی۔ مگر اُسے اس میں بھی لطف محسوس ہوتا تھا۔

سو اُس کا نمبر ملا ڈالا۔

"جی کون؟" بڑی بے خیالی میں پوچھا گیا تھا۔

نمرود علی خان کی سماعتیں سیراب ہونے لگیں۔

رسمِ اُلفت یہ اجازت نہیں دیتی ورنہ!
ہم بھی تمہیں ایسا بھولیں کہ سدا یاد کرو

اُس نے مدھم لہجے میں ڈھیروں شدتیں سمو کر کہا تھا۔

"کیوں فون کیا ہے؟" اُس کا تیکھا لہجہ، نمرود علی خان کو گدگدیاں سی ہونے لگیں۔

"چاند کو ڈھونڈ رہی ہونا! مجھے بھی آسمان چاند ستاروں کے ساتھ ہی اچھا لگتا ہے"۔ وہ عجیب ترنگ میں تھا۔ یہ جانے بغیر کہ قیاس بالکل درست تھا۔

"نمرود علی خان آپ" اُس نے کچھ کہنا چاہا۔

اُسے نشہ سا چڑھ گیا اُس نے اس سے پہلے بھلا کب اُس کا نام یوں لیا تھا۔ بے اختیار اُس کی بات قطع کر دی۔

"سچ کہوں۔ بہت یاد آ رہی ہو" بہت تڑپ کر اُس نے کہا تھا۔

"پتا ہے میں تمہارے لئے "آپ" کیوں استعمال کرتا تھا کیونکہ

ادب پہلا قرینہ محبت کے قرینوں میں
مگر اب تمہیں "تم" اس لئے کہتا ہوں کیونکہ
جب محبت کامل ہو جائے تو ادب کی شرط ختم ہو جاتی ہے

اب تمہارے بغیر رہا نہیں جاتا حجاب! میں تمہارے گھر آنا چاہتا ہوں تمہیں اپنا بنانے کیلئے۔ کچھ تو کہو" وہ مکمل بے اختیار ہو رہا تھا۔ بہت ناز سے فرمائش کی تھی۔

دوسری طرف سے کال ڈسکنکٹ کر دی گئی۔ وہ کر ہنس دیا۔ جانتا تھا وہ شدید غصے میں ہو گی۔ کچھ دیر بعد اُس نے دوبارہ نمبر ملایا۔ دوسری سے ریکارڈ ٹیپ چلنے لگا۔

"آپ کا ملایا ہوا نمبر فی الحال بند ہے برائے مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کریں"۔

"لگتا ہے کچھ زیادہ ہی غصہ آ گیا ہے"۔ مسکراتے ہوئے اُس نے سوچا۔ یہ جانے بغیر کہ اُس کی اس بے اختیاری نے حجاب کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔

پھر انٹر کام اُٹھا کر ڈنر کا آرڈر دیا اور خود فریش ہونے چلا گیا۔

منیر اسی کو محبت کہا ہے لوگوں نے!!!
کہ خون بن کے رگوں میں اُتر گیا ہے کوئی

بہت خوبصورت لب و لہجے میں بولتا باہر آیا۔ ٹاول سے بال خشک کئے پھر شرٹ اُٹھا کر پہنی اور بال بنانے لگا۔ اسی دوران سیل فون بجنے لگا۔

"ہاں صدف بولو!"

"سر جی! کیا حال ہے؟ کیا چال ہے؟ یہ نام، یہ شہرت، یہ کامیابیاں مبارک بلکہ مبارکاں" وہ بے ربط سی ہو کر شوخی سے کہہ رہی تھی۔

وہ ہنس دیا۔

"شکریہ صدف" بہت مطمئن لہجے میں بولا

"صبح آپ آ رہے ہیں نا"۔ اُس نے کنفرم کرنا چاہا۔

"ارادہ تو یہی ہے"۔

"بہت زبردست تیاری ہے یہاں آپ کے استقبال کے لیے"۔

"ہاں۔ ابھی خالد کا فون آیا تھا۔ بتا رہا تھا وہ"۔

"حفاظتی انتظامات کیا ہیں" وہ متفکر ہوئی۔

نمرود نے دل سے اس اپنائیت کو محسوس کیا اور دل ایک بار بھی اس بے نام رشتے میں اُلجھا۔

"آپ کو پتا ہے نا! اس وقت ملک میں دشمن عناصر پوری طرح متحرک ہیں"۔

"ہماری کسی سے کیا دشمنی؟"

"سیاست میں دشمنیوں کیلئے وجہ ضروری نہیں ہوتی۔ بہت پریشان ہوں آپ کی طرف سے۔ پہلے سوچا فون نہ کروں آپ ڈسٹرب ہوں گے۔ نا معلوم کہاں مصروف ہوں۔ پھر سوچا فون کر ہی لوں۔ دل کو تسلی تو ہو گی" صدف کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ واقعی پریشان ہے۔

"کیوں پریشان ہوتی ہو؟ کھانا کھایا؟" اُس نے معتدل لہجے میں اُسے نارمل کرنا چاہا۔

"نہیں، دل نہیں چاہ رہا"۔

"اونہوں۔ بری بات۔ جاؤ کھانا کھاؤ" اُس کے لہجے میں تحکم تھا۔

"اپنا خیال رکھیے گا ڈھیر سارا"۔

"تمہاری دعاؤں کے بغیر نہیں رکھ سکوں گا"۔ اُس نے دانستہ شوخی سے کہا۔

وہ ہنسی۔ نمرود کو اطمینان ہوا وہ اُس کی ذہنی رو موڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"میری دعائیں تو ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں" اُس نے یقین دلایا۔

"شکریہ صدف۔ اپنے ذہن کو ریلیکس کرو اور کھانا کھاؤ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں"۔

"اللہ حافظ"۔ اُس نے دھیمی آواز میں کہا تو نمرود علی خان نے بھی الوداعی کلمات کہہ کر فون بیڈ پر پھینکا اور خود کمرے سے باہر نکل آیا۔

اُس کا ارادہ کل لاہور روانہ ہونے کا تھا مگر پے در پے میٹنگز، کام اور پارٹیز اس طرح نکلیں کہ اُسے چاہتے ہوئے بھی دو دن مزید اسلام آباد رُکنا پڑ گیا۔ لاہور سے اُسے مسلسل فون آ رہے تھے آخر اتوار کی صبح وہ پلین کے ذریعے لاہور روانہ ہو گیا۔ ایک ہجوم بیکراں اُسے خوش آمدید کہنے کیلئے جمع تھا۔ ایک روشن اور خوبصورت دن کے بھرپور اُجالے میں بے پناہ شور نے اُس کا استقبال کیا۔ پھر اُس نے نعرے سنے۔

نمرود علی خان
زندہ باد
خانِ اعظم
جیوے جیوے

کھٹا کھٹ کیمروں کے فلش چمکنے لگے۔ پی۔ جے۔ ایف کے کارکن اور عوام اُس کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ ہر سمت سے گلاب کی پتیوں کی بارش تھی۔ اُس نے استقبال کرنے والوں کے نعروں کا جواب دینے کیلئے ہاتھ اُٹھایا اور اُس کے چہرے خوشی، فخر اور ایک روشن مستقبل کی نوید دیتی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس کے گرد سیکیورٹی گارڈز کا دہرا حلقہ تھا جو لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے اُسے پارکنگ تک لے آئے۔ مکمل سرکاری پروٹوکول اور گارڈز کی موجودگی میں گاڑیاں نمرود مینشن روانہ ہو گئیں۔ وسیع پیمانے پر سیکیورٹی کے انتظامات اور پولیس کی نفری کے باوجود پر جوش عوام کو کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نمرود مینشن میں موجود تھا۔

☆☆☆☆

"خان! ڈسٹربنس کیلئے معذرت۔ کوئی عمر سفیر آئے ہیں"۔ وہ بے حد تھکا ہوا سونے کی

www.pkdigest.com

تیاریوں میں تھا جب مدھم سی دستک کے ساتھ صدف اندر آئی تھی۔

"عمر سفیر"۔ وہ زیر لب بڑبڑا کر حیران سا بولا۔

"گیٹ پر انہیں روکنے کی کوشش کی گئی مگر انہوں نے کہا کہ آپ نے انہیں بلایا ہے"۔

"اوکے" وہ سلیپنگ سوٹ کی ڈوریاں کستا اُٹھ گیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو عمر اُسے اضطراب کے عالم میں ٹہلتا نظر آیا۔ "السلام علیکم" اس نے پہل کی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہیں آپ؟"

"الحمدللہ" وہ تکلف سے مسکرایا اور اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیسے آنا ہوا؟ سب خیر ہے نا؟"

"جی۔ بہت ضروری بات تھی"۔

"اتنی ضروری بات کونسی تھی جس کے لئے آپ کو گیٹ پر غلط بیانی سے کام لینا پڑا" نمروذ نے مسکرا کر ہلکا سے جتایا۔

عمر خفیف سا ہو گیا۔ لب کچل کر جیسے حوصلہ پیدا کیا تھا خود میں۔ وہ جانتا تھا مقابل کی ایک کہی گئی بات اُس کی پوری ہستی کو داؤ پر لگا دے گی۔

"آپ حجاب کے ساتھ کس حد تک سنجیدہ ہیں؟" پھیکے چہرے کے ساتھ وہ سراپا سوال تھا۔ حملہ بہت اچانک تھا اور نمروذ کو لگنے والا جھٹکا بہت زوردار مگر وہ بڑی سرعت سے خود پر قابو پا گیا۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ تو کھیل شروع ہوا۔

"جس حد تک تم سوچ سکتے ہو"۔ نمروذ نے بہت جلدی "آپ" سے "تم" کا سفر طے کر لیا تھا۔ بے خوفی سے کہا تھا۔

عمر کو لگا اُس کا دل رُک گیا ہو۔

"مگر وہ نہیں مانتی" اُس کی دلیل بڑی کمزور تھی۔

"وہ تم سے ڈرتی ہے"۔ نمروذ نے دھماکہ کیا اور عمر ساری جان ہل گیا۔

اندھیرے میں پھینکا گیا تیر کتنے صحیح نشانے پر لگا تھا نمروذ علی خان یہ نہیں جانتا تھا۔

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟" عمر کی آواز کسی گہری کھائی سے آ رہی تھی۔

"ثبوت؟" وہ حیران ہوا۔

"صدف" نمروذ نے بلند آواز میں پکارا اگلے ہی لمحے وہ بوتل کی جن کی مانند حاضر تھی۔

"جی خان" دستِ بستہ۔

"بھئی دیکھو وہ میری وارڈ روب کی بائیں دراز میں ایک سنہرے رنگ کا کیس پڑا ہے وہ لے آؤ"۔

"جی" وہ کہتے ہوئے مڑ گئی۔ ایک منٹ بعد وہ واپس آ گئی تھی۔ خاموشی سے کیس وسطی میز پر رکھا اور اُسے طرف باہر نکل گئی۔

عمر نے اُلجھی ہوئی نظروں سے اُس ایک فٹ لمبے اور آدھ فٹ چوڑے سنہرے رنگ کا بکس کو دیکھا۔

"اسے کھولو عمر" نمروذ علی خان کے لبوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

عمر نے جھٹکے سے ڈھکن پلٹا اور اس کا دماغ جیسے خلا میں معلق ہو گیا اس کے سامنے حجاب کی زرقون کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی یہ انگوٹھی اُسے عید الفطر پر مائرہ نے گفٹ کی تھی اور حجاب اسے ہر وقت پہنے رہتی تھی پھر اُس کے ہاتھ میں نظر نہیں آئی۔ سحاب نے اُس سے کئی بار پوچھا اور عمر نے بھی پوچھا تھا مگر وہ یہی کہتی رہی کہ وہ رکھ کر کہیں بھول گئی ہے یا اِدھر اُدھر ہو گئی۔ اور اب؟ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس کی نظر انگوٹھی سے ہوتی ہوئی بالکل ساتھ رکھی تہہ شدہ حالت میں سفید شرٹ پر پڑی۔ اور اُس کا دماغ سننا اُٹھا۔ سفید بے داغ شرٹ پر بائیں جانب عین دل کے مقام پر دولبوں کا مدھم سا نشان، عمر کی آنکھوں کے آگے سرخ چادر سی

تن گئی۔ کچھ کہنے کی کوشش میں اُس کے لب لرز کر رہ گئے۔

وسوسوں نے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت منجمد کر ڈالی تھی۔ اُس کے دور اندیش دماغ نے بڑی تیزی سے آنے والے وقت کی تصویر دیکھی جس میں صرف طوفان اور بربادی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" عمر نے سر اُٹھا کر بڑے حوصلے اور صبر سے پوچھا تھا۔

نمروذ کو اُس کی حالت پر ترس آیا خود کو سمیٹنے کی کوشش میں وہ ہلکان نظر آ رہا تھا۔

"جب آپ حکم کریں گے ہم اُسی دن آپ کے دولت خانے پہ حاضر ہو جائیں گے" وہ سکون سے بولا۔

"آج اتوار ہے۔ اس جمعہ کو آ جایئے آپ۔ میں گھر میں بات کر لوں گا" عمر کی آواز بہت پست تھی۔

وہ کیس بند کر رہا تھا اور اُس کی ہر حالت میں سلوموشن کی سی کیفیت تھی۔ حرکت و عمل کی پھرتی قوتِ ارتکاز کی مرہونِ منت ہوتی ہے اور وہ تو اس وقت برزخ میں تھا۔

"جیسا تم کہو" نمروذ نے فراخدلی کے ساتھ اتفاق کیا۔

"بے وقت تنگ کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔ اُمید ہے آپ درگزر کر دیں گے"۔ عمر کی آواز کچھ مزید دھیمی ہو گئی تھی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اٹس اوکے" نمروذ نے اُس کا شانہ تھپتھپایا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

"اُسے سمجھاؤ عمر! وہ تم سے ڈرنا چھوڑ دے۔ اُسے اپنے فیصلے خود کرنے کی آزادی دو"۔

"جی۔ چلتا ہوں میں" عمر سست قدموں سے مڑ گیا۔ نمروذ اُسے جاتے دیکھتا رہا۔

پورچ میں آ کر اُس نے بائیک سٹارٹ کی اور "نمروذ مینشن" سے باہر نکل آیا۔ بے وجہ سڑکوں پر بائیک دوڑاتے اُسے جانے کتنا وقت بیت گیا تھا جب بائیک اچانک بند ہو گئی شاید پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ قریب ہی "فورٹریس" تھا۔ اُس نے بائیک پارکنگ میں کھڑی کی اور ٹوکن لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ فینسی لائٹس رات کی تاریکی کو دور کرنے میں معاون ثابت ہو رہے تھے۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا ایک پرسکون اور قدرے تاریک گوشے میں جا کر وہ درخت کے نیچے رکھے بینچ پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے وہ زمان و مکاں کی قید سے آزاد کسی اور جہاں میں پہنچ گیا۔

یہ کیا ہو گیا؟

ایسا کیسے ہو گیا؟

"حجاب اتنا آگے جا چکی ہے" اس کی نظروں میں سفید شرٹ گھومنے لگی۔

"یہ سازش بھی تو ہو سکتی ہے" دماغ نے نیا رستہ دکھایا۔

"مگر کیوں؟ کیا مفاد ہو سکتا ہے اس میں نمروز علی خان کا؟" وہ دماغ کے آگے ڈٹ گیا۔

"اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے "محبت" کرتے ہیں تو حجاب نے مجھے کیوں نہیں بتایا"۔

"وہ تم سے ڈرتی ہے"۔ نمروذ علی خان کی آواز اُس کے اندر گونجی۔ "مگر کیوں.....؟"

"اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ ایک سازش ہے بھی تو وہ انگوٹھی وہ زرقون کی انگوٹھی وہ اُس کے پاس کیسے پہنچی۔ وہ پاگل ہونے کو تھا۔

"اگر وہ نمروذ علی خان کے ساتھ اس قدر "انوالو" ہے تو پھر اُس کا یہ شدید ردِعمل کس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ اتنی شدت سے کیوں انکار کر رہی ہے"۔ اُسے نئے خیال نے آ لیا۔

"اپنی محبت کو کھو دینا آسان نہیں ہوتا عمر! وہ صرف تمہارے لئے واسطی کا پرپوزل قبول کر چکی تھی کیونکہ جانتی تھی کہ پسندیدگی کو بھی مڈل کلاس گھرانے میں کس نظر سے دیکھا جائے گا۔ اور جس طوفان سے

www.pkdigest.com

بچنے کی خاطر اُس نے یہ "عذاب" جھیلا وہ تو پھر آ کر رہا۔ وہ کیونکہ برداشت کر پاتی۔ کیا وہ فولادی وجود رکھتی ہے یا آہنی قوتِ برداشت؟ صرف تمہارے لئے"۔ اُس کا دل اُس پر ہنسا۔

"میرے لئے؟"

میرے لئے دے رہی تھی وہ قربانی؟ اتنا ڈرتی تھی وہ مجھ سے۔ میرے شدید ردِعمل سے کہ مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا" ذہن اُٹھتے طوفانوں کے ہاتھوں وہ بے بس تھا۔

اُس کے حواس ٹھٹھر رہے تھے اور دماغ مفلوج ہو رہا تھا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا حجاب؟ میں نے تمہیں ڈرنا تو نہیں سکھایا تھا۔ میں نے تمہیں اعتبار کرنا سکھایا تھا۔ کیوں دی تم نے اتنی بڑی قربانی۔ اور میں کتنا خودغرض ہو گیا تھا۔ غصے میں پتا نہیں کیا کیا کہہ دیا۔ میری خاطر، میری خوشی کی خاطر، میری خوشی اس میں تو نہیں تھی کہ تم..... ایک اَن چاہی زندگی گزارو۔ جس میں تمہاری خوشی نہ ہو۔ اتنا سفاک کیسے ہو گیا تھا میں؟ مگر اب میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ میں تم سے معافی مانگ لوں گا حجاب! کیوں کہ میں اتنا انا پرست نہیں ہوں کہ اپنے اتنے پیارے رشتے میں دراڑ ڈال لوں اور جب تم اتنا آگے جا ہی چکی ہو تو پھر میں کون ہوں رکاوٹ ڈالنے والا" اُس نے عزم کیا۔

"دُکھ تو اس بات کا ہے کہ تم نے مجھے اعتبار کے قابل نہ جانا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم اتنی جلدی اپنے اخلاق و اقدار کو بھول گئیں۔ حیرانی تو اس بات کی ہے تم اتنی جلدی اپنی حدود کو پھلانگ گئیں"۔ وہ پارکنگ کی طرف بڑھتے سے خود سے ہمکلام تھا۔

اُس کی حالت پہلے کی نسبت سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ شاید وہ دل سے یہ مان چکا تھا کہ جب نمروز علی خان اور حجاب تاثیر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو اسے اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے۔ تسلیم کر لینا چاہیے اسی میں اُس کا بھلا ہے اور اُس سے منسلک لوگوں کا بھی۔ سب سے بڑی بات اُسے اُن کے درمیان کوئی ولن ٹائپ رول پلے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے بھی نمروز علی خان میں کیا کمی تھی۔ وہ کامیاب تھا، ہینڈسم تھا، باکردار تھا اور سب سے بڑی بات حجاب کی پسند تھا۔ اب اُسے حجاب کے ساتھ روا رکھے گئے اپنے رویے پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ تو اُس کی ایک پل کی ناراضگی نہیں سہہ سکتی تھی کجا اتنے دنوں سے وہ اُس کی شکل دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ اُسے اپنی جلد بازی اور جذباتی کیفیت یاد آئی تو نئے سرے سے خود پہ طیش آنے لگا۔

"اگر ہم اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو آزادی دیتے ہیں تو انہیں اس آزادی کو استعمال کرنے کا حق بھی تو دینا چاہیے"۔ بائیک ایک پیٹرول پمپ کے سامنے روکتے ہوئے اُس نے سوچا تھا۔ جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا گھڑی پونے بارے بجا رہی تھی۔ دروازہ حسبِ معمول سحاب نے کھولا تھا۔

"سب سو گئے؟" بائیک اسٹینڈ پر لگا کر اُس نے پوچھا۔

"آپی جاگ رہی ہیں۔ کھانا گرم کروں آپ کیلئے؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں۔ حجاب کو بھیجو اوپر" وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

کچھ دیر بعد دروازہ مدھم سی آواز کے ساتھ کھلا اور حجاب کی صورت دروازے کے فریم میں نظر آئی۔

"آؤ۔ اندر آؤ" اُس نے بیڈ پر آگے کھسک کر اُس کے لئے جگہ بنائیں۔

حجاب نے بھیگی نظروں سے اُسے دیکھا اور قدم قدم چلتی اُس کے سامنے آ کر رُک گئی۔

عمر نے اُس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ وہ بہت پژمردہ اور مضمحل لگ رہی تھی۔

کیا "کھونے" کا غم اسے جینے نہیں دے رہا"۔ اُس نے اندازہ لگایا۔

وہ تختی سے لب بھینچے نظریں جھکا کر بیٹھی تھی جیسے اب کسی اور حکم کی منتظر ہو۔

"حجاب! اِدھر دیکھو"۔ عمر نے اُسے متوجہ کیا۔

"ہوں" اُس نے مدھم آواز میں کہتے ہوئے سر اُٹھایا۔

"جو بھی میں نے کہا اُسے بھول جاؤ۔ بکواس کی تھی میں نے۔ مجھے معاف کر دو۔ پلیز" اُس نے بہت متوازن لہجے میں کہا۔

"عمر!" حجاب نے سسکی سی لی۔ عمر نے بے ساختہ ہاتھ اُس کے سر پر رکھ دیا وہ اُس کے شانے سے سر ٹکا کر دھواں دھار انداز میں رو دی تھی۔

وہ اُس کا سر تھپتھپانے لگا۔

"بس کرو پاگل لڑکی! تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ ایک رشتہ تو نہیں ہے نا تم سے۔ خون کا تعلق ہے، دودھ کا رشتہ ہے، روح کا رشتہ ہے اور تم میری سب سے اچھی دوست بھی تو ہو"۔ وہ اُسے چیئر اَپ کر رہا تھا۔

"کتنی تکلیف دی ہے تم نے مجھے۔ تمہیں اندازہ ہے؟" وہ تڑپی تھی۔

"معافی مانگ تو رہا ہوں"۔

"نہیں چاہیے تمہاری معافی۔ کہاں کا قانون ہے پہلے دل کے ٹکڑے کرو اور پھر بعد میں معافی مانگ لو۔ کیا ہم جنگل میں رہتے ہیں یا یہ جنگل کا قانون ہے جہاں کسی بات، کسی عمل اور کسی ردِعمل کا کوئی احتساب نہیں"۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔

"تو بولو! کیا کروں؟" وہ بے بس ہوا۔

"مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ تم نہیں جانتے عمر! میں نے کتنا عذاب جھیلا ہے خود پر"۔

"جانتا ہوں۔ بس اب چپ ہو جاؤ۔ ازالہ بھی میں ہی کروں گا"۔ وہ اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

"ازالہ" وہ چونک اُٹھی۔

"تمہارے حق میں ہو گا سب کچھ۔ یقین رکھو مجھ پر۔ غاصب نہیں ہوں میں" وہ افسردگی سے مسکرایا تھا۔

"دیکھو۔ کوئی نیا شوشہ مت چھوڑنا۔ سمجھے" حجاب نے تنبیہہ کی۔

"سمجھ گیا۔ اب کوئی ناراضگی تو نہیں ہے نا؟"

"نہیں" وہ پرسکون سی مسکرائی۔

"بس اب جاؤ اور ایک پرسکون نیند لو۔ بے فکر ہو جاؤ۔ سب کچھ تمہاری من مرضی کا ہو گا"۔ اُس نے معنی خیزی سے کہا۔ وہ کچھ اُلجھی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب بھی پتا چل جائے بس اب جاؤ" اُس نے ٹالا۔

وہ سیدھا دراز ہو گیا۔ حجاب نے اُس پر کمبل ڈالا اور لائٹ آف کر کے دروازہ بند کیا اور باہر آ گئی اُس کی جال میں سرشاری تھی۔ وہ بے پناہ خوش تھی۔ خوش کیوں نہ ہوتی اُسے اُس کا بھائی دوبارہ مل گیا تھا مگر اُس وقت وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ بھائی کو پانے کی کیا قیمت چکانی پڑے گی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ تقدیر اُس کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہے۔

☆☆☆☆

نمروز علی خان نے بڑے سکون سے اُسے جاتے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اُس بے پناہ خوشی کو محسوس کیا جس نے اُس کی ساری تھکن چوس لی تھی۔

"صدف" اُس نے بلند آواز میں پکارا۔

"جی خان" وہ اگلے ہی لمحے حاضر تھی۔

"یہ کیس میرے روم میں لے آئے اور اچھی سی کافی بنواؤ" وہ کہتا ہوا اُٹھ گیا۔

صدف نے بغور اُس کے چہرے کے بدلے تاثرات کا جائزہ لیا۔ پھر سر جھٹک کر اُس کے پیچھے چل پڑی۔

www.pkdigest.com

کچھ دیر بعد وہ کافی کے سپ لیتا بہت گہری سوچ میں تھا۔

"سب ٹھیک ہیں نا؟" صدف نے کسی خدشے کے تحت پوچھا۔

وہ کشمکش سے ہنسا۔

"سب ٹھیک ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہے۔ تمہیں پتا ہے یہ "عمر سفیر کون ہے؟" وہ خوشگوار موڈ میں تھا۔

"جی نہیں"۔

"یہ حجاب کا کزن ہے اور مجھے تو لگتا ہے بلکہ مجھے یقین ہے یہ لازماً حجاب میں انوالو ہے۔ مجھے اُس کی حالت یاد کر کے بے حد ہمدردی ہو رہی ہے اُس سے۔ چچ چچ "Poor Man" وہ تاسف سے بولا۔

"یہ آپ کے پاس کیا کرنے آئے تھے؟"

"چھوڑو فضول سوال۔ بس یوں سمجھ لو قدرت نے خود میرا رستہ صاف کر دیا ہے۔ اس جمعہ کو جا رہا ہوں میں اُن کے گھر" وہ سرشار سا کہہ رہا تھا۔

صدف کو تعجب ہوا۔

"سچ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے" وہ خوشی سے بولی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا شادی کا کب ارادہ ہے؟" وہ یقیناً خوش تھا ورنہ آج سے پہلے اُس نے صدف کے ساتھ قطعاً اس موضوع پر کوئی بات نہ کی تھی۔

وہ جھینپ گئی۔

"میرا کوئی ارادہ نہیں ہے"۔

"کیوں بھئی۔ کیا یونہی زندگی گزارنے کا ارادہ ہے۔ وہ حیرانی سے مستفسر ہوا۔

"ایسی بات نہیں بس کبھی سوچا نہیں"۔ وہ خود کو قدرے سنبھال چکی تھی۔

"تو اب سوچ لو" اُس نے فراخدلی سے کہا۔

"سوچنا تو آپ کو ہے خان! میرے ماں باپ بھی آپ ہیں بھائی بھی اور بہن بھی۔ میرا تو ہر رشتہ آپ سے ہے"۔ اُس کی آواز بھرا گئی۔

عمر وذ سناٹے میں رہ گیا تھا۔

"کیوں نہیں، بالکل مجھے ہی سوچنا ہے" وہ بشاشت سے مسکرایا۔

وہ اُٹھ کر اُس کے مقابل آ گیا۔

"تم میری بہن ہو صدف" اُس نے صدف کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"شکریہ۔ آپ نے مجھے معتبر کر دیا"۔ تشکر کے دو آنسو اُس کی آنکھوں سے بہہ گئے۔

"اونہوں۔ اب جاؤ شاباش۔ پرسکون نیند لو۔ اپنے ذہن کو ریلیکس کرو اور بالکل بے فکر ہو جاؤ"۔

"شب بخیر"۔ وہ مسکرائی اور کہہ کر پلٹ گئی۔

وہ روشنیاں بند کر کے بستر پر آ گیا۔

ایک مسکراتا ہوا ایک چہرہ اُس کے روبرو تھا۔

"میں حجاب تاثیر....."

اُس پل وہ نہیں جانتی تھی کہ کیسے وہ اُس شخص کی آنکھوں کے رستے اُس کے وجود میں اُتر گئی اور دل میں سما کر پورا "دل" بن بیٹھی تھی۔

حجاب تاثیر!!!

وہ حجاب تاثیر جو اُس کی شریانوں میں لہو کی مانند دوڑنے لگی تھی جس کی خوبصورت مسکراہٹ، آنکھوں کی چمک اور ٹھوڑی کا ڈمپل اُسے اس ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہونے لگا تھا۔

وہ اُس کے بارے میں سوچتا اور اُس پر سحر سا طاری ہو جاتا وہ اپنے آپ کو نئے سرے سے قید پاتا۔ اُس کی نوکیلی اور کٹیلی باتیں عجیب سا لطف دیتیں لیکن رفتہ رفتہ اُس کا دل اضطراب میں گھرنے لگا۔ اُسے پانے کے خواب آنکھوں میں سمانے لگے۔

اُسے جیتنے کی خواہش دل میں جگہ بنانے لگی۔

وہ اُسے سوچتا اور اذیت میں گھر جاتا۔ وہ اُسے پانے

نہ پانے کے واہموں میں گھرنے لگا۔ اُس کے اردگرد مناظر بے رنگ ہونے لگے۔ راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون غارت ہونے لگا اُسے پانے کی خواہش وجود سے کسی جونک کی مانند لپٹنے لگی اور اُس کی روح حجاب تاثیر کی پابند بن گئی۔

محبت بڑھنے لگی۔ بڑھتی رہی، بڑھتی رہی اور بڑھتے بڑھتے عشق کی منزل تک آ پہنچی۔

وہ عشق جو ہر پل جلاتا تھا جھلساتا تھا۔ وہ عشق جو اپنی ذات میں یکسر تنہا تھا اور دوئی چاہتا تھا۔ اُس کے زخم زخم روح اپنا ساتھی مانگنے لگی۔ خواب حقیقت کا روپ دھارنے کی منزل چاہنے لگے۔

اُس کی محبت، اُس کا عشق، اُس کی روح، اُس کا خواب،

سب اپنا مسیحا چاہنے لگے۔

اور "مسیحائی" صرف حجاب تاثیر کے پاس تھی۔ جو نازک بھی تھی، خود سر بھی، معصوم اور سادہ بھی۔

جس کے چہرے پر پھولوں کی سی شائستگی تھی۔

جس کے لہجے میں جھیلوں جیسی میٹھی ٹھنڈک تھی۔

جس کی پیشانی کی تابندگی چاند کی سی تھی۔

جس کی آنکھوں مین چراغوں کی سی روشنی تھی۔

جس کا پرتقدس پیکر اُس کی روح کا آزاد بن گیا۔

جسے وہ جیتنا چاہتا تھا۔

مگر اُسے بہت جلد خواب اور حقیقت کا فرق معلوم ہو گیا۔

اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

وہ جان گیا کہ حجاب تاثیر آسان محاذ نہیں تھی۔

اُسے جیتنا اُسے پانے سے زیادہ مشکل تھا۔

اُس نے اپنے لئے نسبتاً آسان چیز کا چناؤ کر لیا۔ اپنا ٹارگٹ بدل لیا۔

اب وہ اُسے پانا چاہتا تھا۔

وہ اُسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا، وہ اُسے محسوس کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُسے محسوس کر کے اُس الوہی خوشی کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ جس کی طلب نے اُسے پاگل کر دیا تھا۔ اور اب وہ اپنی منزل کے بہت قریب تھا۔

حجاب تاثیر کو پانے کی منزل!

سرشاری اُس کی رگ رگ میں بہہ رہی تھی۔

تھکن تھی یا سکون کی حد کہ اُسے ٹوٹ کر نیند آئی تھی۔

☆☆☆☆

اگلی صبح ناشتے کے میز پر عمر نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے حجاب کو مخاطب کیا جو پراٹھے اور اچار کے ساتھ انصاف کرنے میں مگن تھی۔

"ایگزامز کب ہو رہے ہیں تمہارے؟"

"سیٹر ڈے کو پہلا ہے"۔ اُس نے لقمہ نگلتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ ڈٹ کر تیاری کرو"۔

"وہ تو کروں گی ہی۔ مگر تمہیں کیوں اتنی فکر ہو رہی ہے؟"

اُس نے دانستہ چھیڑا۔

"یہ فائنل ایگزامز ہیں نا؟" اُس نے پوچھا۔

"ہوں تو....." وہ چونکی۔

"تو کیا؟ بس مستقبل کی تھوڑی پلاننگ کرنا ہے۔ اسی لئے پوچھ رہا ہوں؟" وہ گہری سوچ میں گم تھا۔

"کس کے مستقبل کی پلاننگ؟"

"تمہارے اور کس کے"۔

اسی وقت صفیہ نے اُسے مخاطب کیا۔

"عمر بیٹے وہ تمہارے دوست کی والدہ نے دوبارہ رابطہ ہی نہیں کیا۔ کیا جواب دینا ہے اُنہیں؟"

www.pkdigest.com

"آپ نے ابھی بابا جان سے بات تو نہیں کی؟"

"نہیں۔ سوچ رہی تھی آج کرلوں"۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کرنے کی۔ اس معاملے کو ختم سمجھیں"۔ حجاب کو جھٹکا لگا۔ اُس نے ٹھٹک کر عمر کے بے تاثر چہرے کو دیکھا۔

"مگر کیوں؟" صفیہ حیران ہوئیں۔

"اچھے لوگ تھے وہ اور پھر تمہیں بھی تو پسند ہیں"۔

"بس چھوڑیں اس موضوع۔ شام میں تفصیل سے بات کریں گے"۔ اُس نے چائے کا خالی کپ میز پر دھرا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تم تیار ہو حجاب؟"

"ہوں۔ چلو"۔ وہ بیگ کاندھے سے لٹکا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس فیصلے کی وجہ جان سکتی ہوں؟" بائیک پر بیٹھتے ہوئے اُس نے بہت تیکھے لہجے میں کہا۔

عمر نے چونک کر اُس کا جائزہ لیا۔

"وجہ بھی بتا دوں گا۔ اتنی جلدی کیا ہے"۔ اُس کا لہجہ ہنوز بے تاثر تھا۔

حجاب خاموشی سے کسی گہری سوچ میں گم ہو گئی۔ ایک نادیدہ خطرہ دونوں ہاتھ پھیلائے اُس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ بار ہا کوشش کی باوجود بھی اس احساس کو جھٹکنے میں ناکام تھی۔

☆☆☆☆

بدھ کی صبح اُسے نہایت اہم اجلاس میں شرکت کیلئے کراچی جانا تھا۔ اُمید تھی کہ واپسی جمعرات کی رات ہو جائے گی۔

نئی حکومت پوری طرح فعال ہو چکی تھی۔ ہر شعبے میں نئے اصول و قانون اور پالیسیاں وضع کیں جا رہی تھیں اس کے ساتھ ساتھ سیاسی انتقام بھی شروع ہو چکے تھے۔ ایسا ہی کچھ حال محکمہ تعلیم کا بھی تھا جہاں نئے سرے سے تعلیمی پالیسی مرتب کی جا رہی تھی۔ یہ اجلاس بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔

ایئرپورٹ پر اُس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ جیسا کہ اُسے اُمید تھی کہ جمعرات تک وہ سب کام نمٹا لے گا مگر ہوا کچھ یوں کہ نا چاہتے ہوئے بھی اُس سے آیا نہ جا سکا۔ بہت جلدی جلدی مچاتے بھی وہ جمعہ کی صبح پی آئی اے کے دوسری پرواز سے لاہور آیا تھا۔

مصروفیات تھیں کہ شیطان کی آنت کی طرح طویل ہوتی جا رہی تھیں۔ یہاں آتے ہی اُسے پارٹی سیکریٹریٹ جانا تھا جہاں ایگزیکٹیو کمیٹی کی ایک امپورٹنٹ میٹنگ تھی۔ بہت ہلکا سا ناشتہ کرنے کے بعد وہ تیار ہونے لگا۔ اسی اثناء میں اُس کا سیل فون بجنے لگا۔ اُس نے دیکھے بغیر کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم سر! عمر بات کر رہا ہوں"۔

"عمر۔ کیسے زحمت کی؟" وہ چونکا۔

"آج دوپہر کا کھانا ہماری طرف کھائیے گا"۔

"اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ میں دو بجے تک فارغ ہو جاؤں گا"۔

"تو ٹھیک ہے۔ ایڈریس معلوم ہے آپ کو؟"

"نہیں۔ آپ لکھوا دیں"۔

ایڈریس نوٹ کرنے کے بعد وہ کچھ پل سوچتا رہا سر جھٹک کر بال بنانے لگا۔ اور ٹھیک دو بجے وہ سادہ شلوار سوٹ میں عام سی شیورلٹ کار میں اندرون لاہور میں نہایت انہماک سے گھر ڈھونڈ رہا تھا گاڑی وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سفید دروازے کے سامنے اُس نے گاڑی روک دی۔ گلی اتنی ہی کشادہ تھی کہ اُس کی کار کھڑی ہونے کے بعد ایک موٹر سائیکل سوار آسانی سے گزر سکے۔ اُس نے کار کا ہارن بجایا۔

اگلے ہی پل سفید دروازے کا ایک پٹ کھلا اور عمر کی صورت نظر آئی۔ وہ خلاف معمول آج شلوار سوٹ پہنے ہوئے تھا اور اُس کے سر پر ٹوپی بھی

نظر آ رہی تھی۔

وہ کار کا دروازہ کھول کر نکل آیا۔ رسمی کلمات کی ادائیگی کے بعد عمر نے اُسے اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی۔ وہ دونوں قریبی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے چلے آئے۔ واپسی پر وہ دونوں دوستوں کی طرح اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے آئے تھے اور اتنے مختصر سے عرصہ میں ہی عمر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ باطن نہایت سادہ اور اچھا انسان تھا۔ جیسے ہی وہ گھر داخل ہوئے۔ نمرود علی خان کی نگاہ نے بے تابی سے اطراف کا جائزہ لیا۔ مگر نا کام لوٹ آئی صحن خالی تھا۔ کچن سے کھڑپٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ اُسے لے کر ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ بڑے بابا اور بابا جان وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ نہ جانے اس کی آمد کے متعلق عمر نے انہیں کیا بتایا تھا کہ وہ ایک وزیر کو اپنے گھر دیکھ کر حیران نہیں تھے۔ صفیر کو سیاست سے زیادہ دلچسپی نہ تھی جبکہ تاثیر تو سیاست کے دیوانے تھے اور شومئی قسمت وہ اُن کے پسندیدہ بھی تھا۔ وہ اُس کے انقلابی خیالات سے بے حد متاثر تھے۔ موضوع گفتگو ایسا ملا کہ باتوں کا پتا ہی نہ چلا۔ چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد نمرود نے بڑے سکون سے اپنا مدعا بیان کیا۔ بابا جان تو ہونق سے اُسے دیکھنے لگے۔

عمر نے اُن کا ہاتھ دبا کر کچھ بھی بولنے سے روکا۔ جس پر وہ صرف ہنکارا بھر کر رہ گئے۔

"کھانا لگ جانا چاہیے۔ میں دیکھتا ہوں" عمر کہتے ہوئے باہر نکل آیا۔

"کھانا تیار ہے؟" اُس نے کچن کے دروازے پر کھڑی سحاب کو دیکھا۔

"جی۔ سب تیار ہے"۔

وہ کچن میں چلا آیا جہاں حجاب سلاد بنا رہی تھی۔ عمر کو دیکھتے ہی اسے تپ چڑھ گئی۔ آج کچن کا سارا کام حجاب اور سحاب نے مل کر کیا تھا۔ وہ عمر کی وجہ سے ورنہ حجاب تو ہر منٹ بعد رسیاں تڑانے لگتی۔ اگر عمر کا ڈر نہ ہوتا۔

"مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ ہمارے گھر ایسے کونسے "پرائم منسٹر" تشریف لے آئے ہیں جن کے اعزاز میں یہ سب ہو رہا ہے"۔ وہ جل کر بولی۔

"پرائم منسٹر سے کم نہیں ہیں وہ"۔ وہ نا قابل فہم سے لہجے میں بولا۔

"بھیا! بتا میں نا! کون آئے ہیں؟"

"ابھی پتا چل جائے گا"۔ وہ لاپرواہی سے بولا۔

"کھانا لاؤنج میں لگاؤ کارپٹ پر۔ ٹیبل سائیڈ پر کر دینا اور تم دونوں میرے کمرے میں اوپر چلی جاؤ"۔ وہ حکم دے کر امی جان کے پاس چلا گیا۔

حجاب گم صم سی بیٹھی تھی۔ عمر کے اقدامات اُس کیلئے نا قابل فہم تھے۔

لاؤنج میں صرف ایک صوفہ سیٹ کے ساتھ ٹی وی پڑا تھا۔ ٹیبل سائیڈ پر کرنے بعد حجاب نے دسترخوان بچھایا اور کھانا لگانا شروع کر دیا۔ کھانے میں مٹن اور چکن کی دو، دو ڈشیں تھیں اور میٹھے میں فروٹ سیلڈ تھا۔ پانی رکھنے کے بعد سحاب نے بڑی امی اور امی جان کو اُن کا کھانا کمرے میں ہی دے دیا اور خود

مشہور مزاح نگار ابن انشاء
کے تازہ ترین کتاب
قیمت
شائع ہو گئی ہے۔
نگری نگری پھرا مسافر
قریبی بک سٹال سے خریدیں
یا ہم سے طلب فرمائیں
لاہور اکیڈمی ۳۵ سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

www.pkdigest.com

وہ اک شام

لبنیٰ غزل

اپنی اور سحاب کی پلیٹ تیار کرنے کے بعد وہ دونوں عمر کے کمرے میں چلی گئیں۔

"آپی! آپ کے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟"

وہ خود اُلجھی ہوئی تھی۔ اب مزید چڑ گئی۔

"اُفوہ۔ مجھے کیا پتا؟"

"تو غصہ کیوں کر رہی ہیں" سحاب نے منہ پھلایا۔

"سحاب چندرا! مجھے کیا پتا کون ہے؟ میں تو کچھ اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہوں کہ اتنی اہم ہستی کون ہو سکتی ہے جس کے لئے اتنا اہتمام کیا گیا ہے"۔ وہ عاجزی سے اُسے منانے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد عمر کا کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گئی۔

"آپی! وہ اپنی برتھ ڈے کی پکچرز نکالیں جو بھیا نے اپنے موبائل پر بنا کر کمپیوٹر میں save کیں تھیں"۔

وہ سر ہلا کر پکچرز کا باکس کھولنے لگی۔ سحاب کو تصویروں میں مگن چھوڑ کر وہ خود باہر آ گئی۔ سیڑھیوں کی ریلنگ کے پاس کھڑے ہو کر نیچے جھانکا تو عمر کسی کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

یقیناً یہ وہی مہمان تھا۔ حجاب کو صرف اُس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ اُس نے غور سے دیکھا۔ ایک لمحے کو اُسے شبہ ہوا کہ وہ نمروذ علی خان ہے اور اس خیال نے اُس کے اندر ہلچل مچا دی۔ لیکن پھر اُس نے سر جھٹک کر خود کو سنبھالا۔ "وہ یہاں کیسے آ سکتا ہے؟" اُس نے سوچا۔

رات کو بڑے بابا کے کمرے میں گول میز کانفرنس جاری تھی اور سحاب جلے پیر کی بلے کی مانند اندر باہر پھر رہی تھی۔ حجاب سکون سے کمپیوٹر پر بیٹھی کوئی ضروری انفارمیشن کو سیو کر رہی تھی۔

"آپی! آپ کو کوئی پریشانی نہیں کہ اندر کیا بات ہو رہی ہے"۔

"آپی دیکھیں نا سب اندر ہیں آخر ایسی کیا بات ہے؟" سحاب بے چین ہو کر اس کے پاس آئی۔

"تم اپنا ننھا سا دماغ مت تھکاؤ۔ جو بات ہو گی آخر کار پتا چل جائے گی"۔ حجاب نے کچھ لکھتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ اور اگلی صبح ایسا ہی ہوا۔ وہ ایگزام دے کر لوٹی تو گھر میں عجیب سی ہلچل اور گہما گہمی کا سماں تھا۔ منزہ اور مائرہ اپنی فیملیز کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ وہ اُن سے ملنے کیلئے امی کے کمرے کی طرف جا رہی تھی جب عمر نے اُسے آواز دی۔

"حجاب!"

وہ چونکی۔ "یہ گھر پہ ہے"۔

وہ پلٹی اور کچن میں آ گئی۔ وہ شیلف سے کمر ٹکائے پانی کا گلاس تھامے ہوئے تھا۔ کچن میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"ہوں"

"ایگزامز کب ختم ہو رہے ہیں تمہارے؟"

"بدھ کو"۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا تاکہ تمہارے ایگزامز تک تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا"۔ اُس کا لہجہ متوازن تھا۔

"کس معاملے میں؟" وہ حیران ہوئی۔

"شادی کیلئے"۔

"تو؟" وہ حیرانگی سے بولی۔

"میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا"۔

"بدھ کو تمہارا آخری پیپر ہے۔ تو جمعہ کو تمہارا "نکاح" ہے نمروذ علی خان کے ساتھ"۔ اُس نے بہت پرسکون لہجے میں دھماکہ کیا۔

(باقی آئندہ)

"آپا جانی۔" پروا اپنی تیزی کے ساتھ ان کے کمرے میں ایک خوشخبری سنانے کے لیے داخل ہوئی تھی۔ پروا کی آواز اس کی آپا نے کمرے کے باہر سے ہی سن لی تھی۔ اس لیے انہوں نے جلدی سے پرانا البم چھپا کر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور اپنی آنسو بھری آنکھیں آنچل سے صاف کرنے لگیں۔

"آپا۔" پروا اندر آ کر انہیں آنسو صاف کرتا ہوا دیکھ چکی تھی اس لیے اس نے قدرے برا سا منہ بنایا۔

"آپ پھر رو رہی ہیں آپا؟" وہ اپنی خوشخبری بھول کر انہیں دکھی دیکھ کر اداس ہو گئی۔ اور ان کے قریب بیٹھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"آپ کیوں رو رہی ہیں آپا؟"

"نہیں تو۔" وہ مسکرا دیں جیسے زخم مسکرا رہے ہوں۔

"نہیں آپا، جھوٹ مت بولیں۔ آپ کی آنکھیں اور چہرہ بتا رہا ہے۔ کوئی بات ضرور ہے۔" اس نے کہا۔

"یونہی امی ابو یاد آ گئے تھے۔" انہوں نے بہانہ بنایا۔

"امی ابو۔" پروا چونکی۔ پھر اچانک ایک خیال تیزی سے اس کے ذہن میں لپکا۔

اب سمجھ میں آیا۔ آپا کی آنکھیں کیوں نم تھیں۔ آنسو اس دن کو یاد کر کے خود بخود ان کی آنکھوں میں آ جاتے تھے۔

اس دن کی محرومی تو آپا کی تمام زندگی پر چھا گئی تھی۔ اسے یاد آیا جب وہ بہت چھوٹی تھی، تب آپا کی شادی ہوئی تھی۔

آپا اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد تھیں اور وہ سب سے چھوٹی۔ اس کی اور آپا کی عمروں میں پندرہ برس کا فرق تھا۔ آپا سے چھوٹے دو بھائی تھے۔ احمر اور اشعر اور پھر اس کے بعد وہ تھی۔

وہ شروع ہی سے آپا کی بہت لاڈلی تھی۔ اس کی پیدائش کے بعد امی بیمار رہنے لگی تھیں۔ اس لیے آپا نے اس کی ساری ذمہ داری اٹھالی تھی۔ ان دنوں آپا میٹرک کے امتحانوں سے فارغ ہونے کے بعد گھر پر ہی تھیں لہٰذا وہ سارا دن اسی میں مصروف رہتیں۔ کالج میں داخلہ لینے کے بعد ان کی توجہ کچھ کم ہوئی تھی مگر کالج سے آنے کے بعد پروا ان کی گود میں ہی رہتی۔

یوں آپا نے ابتدا سے ہی اسے اپنی نرم بانہوں اور محفوظ گود میں رکھا۔ وہ امی سے زیادہ ان سے مانوس ہو گئی تھی اور ان کے بغیر ایک پل بھی نہ گزارتی تھی۔ ابھی اس نے ہوش سنبھالا ہی تھا۔ اور جی بھر کر آپا سے لاڈ و پیار بھی نہ کر پائی تھی کہ امی نے آپا کی بات طے کر دی۔ گھر میں آپا کی شادی کی تیاریاں شروع ہونے لگیں تو وہ حیران اور پریشان سی رہ گئی۔ وہ ابھی بہت چھوٹی تھی اور آپا اس سے دور ہونے والی تھیں۔ اس کے معصوم سے ذہن میں شادی کا کوئی مفہوم آتا بھی کیسے؟ وہ تو بس اتنا ہی جانتی تھی کہ اب اس کی آپا اسے چھوڑ کر چلی جائیں گی۔

شادی سے پہلے عظمت بھائی ایک دو مرتبہ ان کے گھر آئے تھے اور اس کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ اب اس کی آپا ان کے ساتھ چلی جائیں گی۔ لہٰذا وہ کبھی بھی ان سے مانوس نہ ہو سکی۔ بلکہ ایک نفرت اور بیزاری سی اس کے رگ و پے میں بھر جاتی تھی انہیں دیکھ کر اور یہ سوچ کر کہ وہ اس کی آپا کو اس سے چھین کر لے جائیں گے۔

شادی والے دن وہ آپا سے لپٹ لپٹ کر روتی رہی تھی۔

"میری اچھی آپا۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔ آپا مجھے ساتھ لے جاؤ۔"

اس کے آنسو اور سسکیاں دیکھ کر آپا کا دل بھی کٹ رہا تھا۔ کبھی سوچا ہی نہ تھا ایک دن اس معصوم کو چھوڑ کر بھی جانا ہو گا۔ اب آخر جانا تو تھا ہی۔

انہیں نے روتی ہوئی پروا کو خود سے الگ کیا۔

"بیٹا۔ تمہاری آپا ہمارے گھر میں مہمان تھی اس کا گھر دوسرا ہے اسے جانے دو۔"

"میں آپا کے ساتھ نہیں جا سکتی کیا؟" اس کے معصوم آنسو التجا کر رہے تھے۔

"نہیں بیٹا۔" ابو نے سمجھایا۔

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ رو رو کر ضد کرنے لگی تو امی نے رحم طلب نظروں سے پہلے عظمت کی طرف اور پھر ان کی امی اور بہنوں کی طرف دیکھا۔

"بچی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے ساتھ چلی جائے تو ہے۔ سو جائے گی تو واپس آ جائے گی۔"

امی کی بات پر وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ پھر آہستہ سے اس کی ساس بولیں۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ ساتھ بھیج دیں۔" انہوں نے بیزار لہجے میں ہامی بھری۔ مگر لگتا تھا انہیں یہ بات اچھی نہیں لگی۔

جانے کی اجازت ملنے پر وہ خوش ہو گئی۔ اور اپنی آپا کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔ درمیان میں آپا تھیں ان کے داہنی طرف عظمت بھائی، بائیں طرف ان کی نند اور ان کے درمیان پھنس کر بیٹھنے والی تھی پروا۔ جس کے ساتھ چلے آنے پر ان کا احتجاج شروع ہو گیا۔

"عظمت، تمہاری یہ سالی تو واقعی آدھی گھر والی بننے کی کوشش کر رہی ہے۔" عظمت کی بہن نے نئی نویلی دلہن کی پروا کیے بغیر کہا تو باقی لوگوں کا ایک قہقہہ گونج پڑا۔ اور دلہن بنی سہمی سمٹی سی نگاہیں جھکائے بیٹھی آپا کے دل میں ایک بدگمانی نے جنم لے لیا۔

زندگی کا پہلا ہی قدم غلط پڑ گیا تھا۔

ان کی بہنوں اور ماں کو پہلے سے ان کی ذات کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حسرت بھائی کی شادی کا شوق پورا کیا تھا۔ اگر اس کا احساس ہوتا تو پہلی ہی رات اس پر یہ طنز اور طعنے نہ کسے جاتے۔

پہلی رات کے سارے خواب خاموش آنسوؤں میں بہہ گئے تھے۔

عظمت کا رویہ بھی پہلی رات میں درشت ہو گیا تھا۔ پروا زبردستی آپا کے سجے سجائے کمرے میں چلی آئی تھی اور وہ دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

"چلو اب تم جلدی سے سو جاؤ۔ رات بہت ہو گئی ہے۔" اس نے آہستہ سے پروا سے کہا۔

"آپا۔ آپ بھی میرے ساتھ سوئیں نا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی گی۔"

"ضد نہیں کرتے بیٹا۔" آپا نے پیار سے سمجھایا۔

"آپا، آپ میرے بالوں میں ہاتھ پھیریں یا مجھے لوری سنائیں تو مجھے نیند آ جائے گی۔" اس نے کہا تو آپا نے اسے اپنے قریب گھسیٹ لیا۔

ابھی عظمت کمرے میں نہیں آئے تھے اسے یہاں پہنچا کر سارے افراد دروازہ بند کر گئی تھیں۔

آپا نے پروا پر جھک کر محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرے۔ اسے ویسے شروع میں لوری سنائی۔ وہ تھکی ہوئی تھی اور نیند بھی بہت تھی اس کی آنکھوں میں صرف آپا کی توجہ لینے کی خاطر ضد کر رہی تھی۔ انہوں نے اسے اپنی بانہوں میں سلا ہی لیا۔

وہ وہیں بستر پر سو گئی تھی۔

"یااللہ خیریت اور عزت رکھنا۔" وہ دل میں ان لوگوں کے قہر کے ڈر سے دعائیں مانگ رہی تھی۔

پروا نے ساتھ آنے کی ضد کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی اب وہ اس معصوم کو کیسے سمجھاتی کہ اس کی نادانی محبت میں شاید اسے عمر بھر کی سزا بھی مل جائے۔

عظمت کمرے میں آئے تو پروا پر پہلی نظر پڑی۔ وہ ان کی نئی نویلی دلہن کے پہلو میں سوئی ہوئی انہیں اپنی سب سے بڑی دشمن لگی۔

آپا نے گھونگھٹ کی اوٹ سے انکھیوں سے ان کی طرف دیکھا، ان کی نگاہ ہوں میں قہر تھا۔

"تو پہلے سال سے تماشا رہے گا۔" وہ کہتے ہوئے پلنگ کی طرف آ گئے۔

"اب اس کا کیا کیا جائے۔" انہوں نے نئی نویلی دلہن سے پہلا سوال ہی نہایت تلخی سے کیا۔

"بچی ہے، معصوم ہے۔ اسے کیا معلوم، اس کا شوق تھا کیا ہو جائے گا آپ اسے سلا دے دیں۔" آپا نے دبی سی آواز میں کہا۔

"مگر آپ تو بچی نہیں ہیں نا، آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے نا؟ آپ اسے سب کچھ سمجھا بھی سکتی تھیں، ان کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔

آپا کے نازک دل پر ایک چوٹ سی لگی یہ نئی نویلی دلہن کے استقبال کا طریقہ تھا۔ اگر انہیں کوئی شکوہ تھا بھی تو آج نظر انداز کر جاتے۔ صبح کہہ دیتے پیار سے آرام سے، شکایت کر لیتے تو اسے بالکل بھی برا نہ لگتا۔

اس کے دل میں جو لگا تھا وہ پہلا تیر تو انہوں نے ہی آزمایا تھا۔

"پہلی ہی رات تیرگی سے پنیر پائی ہوئی ہے عروہ اب

www.pkdigest.com

جانے، باقی زندگی کیسی گزرے۔" نازک اور حساس دلوں میں نرم اور خوبصورت جذبوں کی جگہ خدشوں نے لے لی تو آنکھیں خود بخود ہی نم ہو گئیں۔ اب معلوم ہوا کہ لوگ بیٹی کی پیدائش پر خوش کیوں نہیں ہوتے۔ ماں باپ کے لبوں پر ایک ہی دعا کیوں رہتی ہے۔

"خدا بیٹی کا نصیب اچھا کرے۔"

جب تک لڑکی کی شادی نہ ہو جائے تو اس کی شادی کی طرف سے پریشانی اور فکر رہتی ہے اور جب شادی ہوتی ہے تو دوسرے خدشے دل کا دامن پکڑ لیتے ہیں۔ کہ لڑکی اپنے سسرال میں خوش ہے یا نہیں۔ لڑکی کے ماں باپ اس کی شادی کر کے بھی عمر بھر فکر مند ہی رہتے ہیں۔

عروہ نے دکھ سے دل میں اک آہ بھری مگر اسے باہر نہ نکال سکی۔

"اسے لینے کے لیے اب تک کوئی نہیں آیا۔" عظمت نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔

اب کون آسکتا تھا اتنی رات گئے۔

"میں نے کہا نا اس کی معصوم غلطی کی جو چاہے آپ مجھے سزا دے لیں۔" عروہ نے پھر کہا۔

"میں اسے فی الحال اسٹڈی میں جا کر سلا دیتا ہوں۔" عظمت نے آگے بڑھ کر پروا کو اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا۔ وہ نیند میں کسمسائی اور پھر ان کے کندھے سے لگ گئی۔ ان کے بیڈ روم کے ساتھ ہی ان کی اسٹڈی تھی۔

ہمیشہ اس کے ساتھ لپٹ کر سونے والی معصوم پروا کو آج اس دنیا کے رسم و رواج نے اس سے دور الگ کر دیا تھا۔ وہ کبھی ایسے نہ سوئی تھی، رات کو کمرے میں ہلکی روشنی کر کے سونے کی عادی تھی، اندھیرے میں ڈرتی تھی۔

اب جانے وہ وہاں کیسے سوئے، اکیلی تو ڈر جائے گی۔ عروہ دل میں درد لیے سوچتی رہی۔

"کاش میں شادی کے لیے ہامی نہ بھرتی۔" زندگی کا پہلا پچھتاوا اسے ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عظمت اندر آ گئے۔ کپڑے تبدیل کرنے وہ باتھ روم میں چلے گئے۔ پھر واپس آ کر انہوں نے اس سے بھی کہہ دیا کہ وہ یہ بھاری لباس تبدیل کر کے زیورات کی قید سے آزاد ہو جائے۔

یہ کیسا شوہر تھا جو اپنی بیوی کے دلہناپے کا رنگ روپ دیکھنا بھی نہ چاہتا تھا۔ اس نے کوئی پیار بھری بات نہ کی۔ اس کا گھونگھٹ نہ اٹھایا۔ نہ کوئی جذبہ تھا نہ کوئی اشتیاق۔

وہ حیران اور پریشان سی اٹھی۔ الماری میں سے اپنا ایک ہلکا پھلکا سوٹ نکالا۔ اس کی نند الماری کی چابیاں دیتے ہوئے بتا گئی تھی کہ اس کے کپڑے الماری میں لٹکے ہیں۔

وہ اس بھاری بھر کم لباس کی قید سے آزاد ہوئی تو اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا مگر ایک خلش اور کسک دل میں گھر کر گئی۔

"کاش، وہ اس کے اس رنگ و روپ کو ایک نظر دیکھ تو لیتے۔"

وہ باتھ روم سے نکلی تو عظمت صوفے پر بیٹھے سگار کے کش لے رہے تھے۔ وہ بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔

پھر کچھ دیر بعد عظمت سگار ایش ٹرے میں بجھا کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ہوں۔ تو تم نے اپنے بیٹے سے سزا کی بات کی ہے۔" وہ گویا ہوئے۔

وہ ان کی بات کے جواب میں خاموش رہی۔

"تم اسے سزا سمجھو یا میری صاف گوئی۔ میں ایک حقیقت سے تمہیں آشنا کرنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے کہا تو عروہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اس کا دل دھڑک کر رہ گیا۔

وہ کون سی حقیقت اسے بتانا چاہتے تھے ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی اور اس سے قبل کہ وہ ان سے کچھ پوچھتی وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔

"خدایا یہ سب کیا ہے۔ یہ میرا امتحان ہے تو مجھے اس میں سرخرو کرنا۔" اس کی آنکھیں آپ ہی آپ نم ہوئی جا رہی تھیں۔

پھر عظمت کمرے میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ ایک آٹھ سالہ بچہ بھی تھا۔

اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"عروہ یہ مجاز ہے میرا بیٹا۔ اس کی ماں اسی کی پیدائش پر ہی انتقال کر گئی تھی۔ پہلے تو یہ دادی اور

پھوپھی کے پاس رہا۔ پھر میں نے اسے ہوسٹل میں داخل کرا دیا۔ یہ وہیں رہا کرے گا۔ ویک اینڈ پر گھر آیا کرے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم ماں جیسی تو نہیں مگر پھر بھی اچھی کمپنی دے سکو گی اسے۔" عظمت نے بتایا۔

اس کی نگاہوں میں حیرانی اور پریشانی تھی۔ ابھی تک بیچاری کو اس پر یقین نہ آ رہا تھا۔

"تو یہ تھی ان کی حقیقت اور صاف گوئی۔" اس کے دل نے تڑپ کر سوچا۔

اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ۔ اس کا دل لرز کر رہ گیا۔

"مجاز بیٹا، اپنی امی کو سلام کرو۔" وہ اسے عروہ کے قریب لے آئے۔

عروہ نے اسے پیار کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"اسلام علیکم۔" بچے نے رسم پوری کی۔ اس کے لہجے میں عقیدت و احترام نہ تھا۔ شاید اسے اپنی نئی ماں پسند نہ آئی تھی۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔" عروہ نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر اس بچے کی خالی آنکھوں میں کچھ بھی نہ تھا۔ بچے نے ایک نظر اپنے باپ کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

"آپ نے یہ سب کچھ پہلے کیوں نہیں بتایا؟" عروہ نے شکوہ کیا۔

"اگر بتا بھی دیتا تو کیا ہوتا؟"

"اس طرح سے بچے کی شخصیت پر برا اثر نہیں پڑتا۔ وہ اب عمر کے اس حصے میں ہے جہاں ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی شدت سے محسوس کیا جاتا ہے۔ وہ مجھے کیسے گوارا کرے گا اور اس کی نفرت سہہ کر میں ہمیشہ اپنے آپ کو مجرم سمجھتی رہوں گی۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو شاید میں انکار کر دیتی۔ میں خواہ مخواہ کسی بچے پر ظلم کیوں کرتی۔"

"اس کا مطلب ہے تم نے میرے بچے کو قبول نہیں کیا۔"

"بات میرے قبول کرنے یا نہ کرنے کی نہیں ہے بات اس کے سمجھنے کی ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے کچھ محسوس نہیں کیا۔"

"اگر تم اس کے دل میں اپنی محبت جگا لو گی تو میرے ساتھ گزارا کر سکتی ہو۔ اگر وہ تم سے مانوس نہ ہوا تو تم جا سکتی ہو۔"

"آپ کو اب دوسری شادی کا خیال کیوں آیا؟"

"مجاز اب گھر آتا ہے تو اسے کسی کی کمپنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب میں بھی تھک گیا ہوں۔ گھر آ کر کسی ساتھی کی کمی محسوس کرتا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔" اس نے اپنے آنسو دل میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

نئی زندگی کا آغاز ہی اتنا بھیانک تھا تو انجام بھی ایسا ہی ہونا تھا۔

عظمت نے اس کے ساتھ ہی نہیں مجاز کے ساتھ بھی ظلم کیا تھا۔

اس نے اپنی زندگی اور حالات سے سمجھوتے کی بہت کوشش کی۔ ایسا تو ہوتا رہتا تھا۔ وہ کوئی پہلی عورت نہ تھی جس کی زندگی اسے اس موڑ پہ لے آئی تھی۔

یہ دکھ تو کئی عورتوں کا مشترکہ دکھ تھا۔

مجاز اب ویک اینڈ پر بھی گھر نہ آتا تھا۔ اسے باپ کی حرکت بالکل پسند نہ آئی تھی۔ وہ بہت زیادہ حساس بچہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اب باپ کی محبت بھی اس سے چھن جائے گی حالانکہ ایسا ہرگز نہ تھا۔

مگر وہ عروہ کو ماں کے روپ میں قبول کر ہی نہ سکا۔ اور نہ ہی کبھی اس کے قریب آیا۔ مگر عظمت اپنے بیٹے کو نہیں عروہ کو قصور وار ٹھہراتے تھے۔

"تم میں ماں جیسی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ میرے بچے کو اپنی طرف متوجہ کر سکو۔ تم اس امتحان میں بری طرح ناکام رہی ہو۔" عظمت اکثر اس سے کہتے۔

ان کے درمیان پہلی ہی رات سے ہم آہنگی نہ تھی۔ اس لیے کبھی بھی مطابقت پیدا نہ ہو سکی۔ درمیان کی خلیج اور آپس کی تلخیاں بڑھتی ہی گئیں۔

بات علیحدگی تک آ پہنچی تو وہ گھر آ گئی۔ اب بات اس کے باپ اور بھائیوں کی انا کی بھی تھی۔ وہ کب تک صبر کرتے۔

عظمت نے اس کے جانے کا کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔ اور ایک ہفتے بعد ہی طلاق کے کاغذات بھجوا دیے۔

یوں وہ دو ماہ میں ہی اجڑ گئی۔

www.pkdigest.com

معصوم پروا اس کے گھر آنے پر بہت خوش تھی کیونکہ ان کے گھر جانے پر وہ عظمت بھائی سے بہت ڈرتی تھی۔

اب عروہ آپا ہر دم اس کی آنکھوں کے سامنے ہی رہنے لگی تھیں۔ مگر اسے کیا معلوم کہ اس کی آپا زندگی کا سب سے بڑا دکھ اٹھا کر اور ساتھ لے کر آئی ہے۔

ماں باپ اور بھائیوں نے بہت کوشش کی کہ وہ دوبارہ گھر بسالے۔ پہاڑ جیسی زندگی کیسے گزرے گی مگر اب اسے شادی کے نام سے ہی نفرت ہو چکی تھی۔ یہ زندگی کا سب سے مہنگا سودا اور سب سے بڑا دھوکا تھا اس کے خیال میں۔

اس نے معصوم پروا کو بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

اب یہ میری زندگی کا محور ہے۔ اس کی پرورش میں خود کروں گی۔ اس لئے ماں باپ، بھائیوں کی ذمہ داری خود اٹھالی تھی۔

زندگی کے طویل سفر پر وہ پروا کو ساتھ لے کر تنہا ہی نکل کھڑی ہوئی۔ ماں باپ نے زندگی کا بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ اور بھائیوں نے اپنے گھر بسالیے۔ ان کی بیویاں ان دونوں بہنوں کا بوجھ برداشت نہ کر سکیں۔ عروہ یہ چاہتی ہی کب تھی۔ اس نے تو بھائیوں سے کہا تھا، وہ کسی پر بوجھ نہیں بنے گی۔ اس میں اتنی ہمت تھی کہ وہ بہت دور تک جا سکتی تھی۔

اور اس نے ایسا کر کے دکھایا۔

اس نے دونوں بھائیوں اور بھابیوں کے ملک سے باہر چلے جانے کے بعد ملازمت کر لی۔ اور پروا کے لیے گھر پر آیا کا بندوبست کر لیا۔

یوں اس نے پروا کو بڑے ناز و نعم سے پالا۔ اس کی بہترین پرورش کی۔

پروا جیسے ہی سمجھ اور شعور کے قابل ہوئی اسے دنیا کے طعنے مارنے لگے۔ دنیا والے اس کی فرشتہ صفت آپا کے بارے میں باتیں بناتے تھے۔

"شوہر سے نباہ نہ کر سکی۔ دو ماہ میں طلاق لے کر واپس آ گئی۔"

"ارے اگر شوہر کا گھر بسانا جانتی تو زندگی کا ٹکڑا قربان کر دیتی مگر یہ تو بہت ہی کم ظرف نکلی۔"

پروا ایسی باتیں سنتی تو اس کے رگ و پے سے جان نکل جاتی اور اس دن وہ گھر آ کر بہت روئی۔

"آپا۔ آخر آپ مجھے کیوں نہیں بتاتیں اپنی زندگی کا یہ راز۔ دنیا والے آپ کو کیوں برا کہتے ہیں۔" وہ تڑپ کر کہتی۔

"دنیا کا تو کام ہی یہی ہے دوسروں میں عیب نکالنا۔" وہ اپنے درد کو مسکرا کر ٹال جاتی۔

"نہیں آپا، آج آپ کو بتانا ہی ہوگا۔" وہ ضد کرنے لگی۔

پھر آپا نے مجبور ہو کر اسے سب کچھ بتا دیا۔

سب کچھ سن کر عظمت کے خلاف اس کے دل میں بچپن کی نفرت ایک بار پھر جاگ اٹھی۔

"آپا۔ آپ کی زندگی سے کھیلنے والے کو میں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ اگر وہ شخص مجھے مل جائے تو اس کا انتظام میں کر لوں گی۔"

"نہیں پروا، تم ایسی کوئی بات نہ سوچو۔" آپا نے منع کیا۔

"مگر اسے آپ کے ساتھ کیے جانے والے ظلم کی سزا تو ملنی چاہیے۔"

"وہ اس کے مقدر کا کام ہے۔ تم کیوں فکر کرتی ہو۔"

"واہ آپا۔ اس شخص کی نفرت میرے اندر آگ لگا رہی ہے۔ اور آپ کہتی ہیں کیوں فکر کرتی ہو؟" اس نے کہا۔

پھر اس دن کے بعد سے اس کی نفرت روز بروز بڑھنے لگی اور وہ دل میں دعائیں کرتی کہ اسے عظمت کہیں مل جائے تو اس کا گریبان پکڑ کر پوچھے کہ اسے اس کی آپا کی زندگی برباد کرنے کا کیا حق تھا۔

آج بھی آپا اس دن کو یاد کر کے رونے لگیں تو اسے ایک ایک کر کے آپا کی بتائی ہوئی داستان کا لفظ لفظ یاد آ گیا۔

اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

"پگلی۔ کیوں رو رہی ہے؟ جانتی ہے کہ میں تیری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔" انہوں نے جلدی سے اس کے آنسو پونچھ دیئے۔

"تم تو مجھے ایک خوشخبری سنانے کے لیے آئی تھیں۔" آپا نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کہا تو اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"میں سمجھ گئی وہ خوشخبری کیا ہو سکتی ہے۔"

"کیا؟" پروا کا دل دھڑک گیا۔

"وہ خوشخبری مجاز کے بارے میں ہی ہے نا؟" آپا نے اس کا چہرہ پڑھ لیا۔ تو وہ مسکرا دی۔

"آپا۔ مجاز نے فون کیا ہے اور ایک خوشخبری یہ بھی ہے کہ اس کے والد اپنی ٹانگ کے کامیاب آپریشن کے بعد کل پاکستان واپس آ رہے ہیں۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا جیسے ہی اس کے والد آئیں گے۔ وہ اسے آپ کے پاس لے کر آئے گا۔"

"میں خود انتظار کر رہی ہوں پروا، مجاز بہت اچھا لڑکا ہے۔ پانچ سال تم نے ساتھ پڑھا ہے۔ اچھی طرح سے ایک دوسرے کو جانتے ہو۔ اب میں جلد از جلد تیرا فرض ادا کر دینا چاہتی ہوں۔" آپا نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر کہا تو اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"مجاز ابھی آپ کے لیے مٹھائی لے کر آتا ہوگا۔" پروا نے بتایا۔

"تو تم کیوں بیٹھی ہو، جاؤ اس کے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کرو۔" آپا نے پیار سے کہا تو وہ جلدی سے بھاگ آئی۔

دوسرے دن مجاز اپنے والد کے استقبال میں لگا رہا۔ چند برس قبل ایک حادثے میں ان کی ٹانگ ضائع ہو گئی تھی۔ اب وہ مصنوعی ٹانگ کے لیے ملک سے باہر گئے تھے۔

مجاز نے آتے ہی انہیں پروا کے بارے میں بتا دیا تھا۔

"مجھے معلوم ہے بیٹا، تم اپنے ہر خط میں اس کا ذکر کرتے رہے ہو۔" انہوں نے مسکرا کر بیٹے کی طرف دیکھا۔

ایک ہفتے بعد مجاز اپنے والد کو ان کے گھر لے آیا۔ آنے سے پہلے اس نے فون پر اطلاع دے دی تھی۔ اس لیے پروا اور اس کی آپا ان کے استقبال کی تیاریوں میں لگ گئی تھیں۔

مجاز جیسے رشتوں کے لیے تو لوگ ترستے ہیں اور خدا نے پروا کے لیے خود بخود یہ رشتہ بھیج دیا تھا۔

اس شام عروہ بہت خوش تھی۔ آج اس نے خوبصورت ساڑھی پہنی اور ہلکا پھلکا میک اپ بھی کیا تھا۔ وہ مجاز کی ہونے والی ساس تھی۔ آخر اس کی شخصیت کا کچھ تو اثر اور رعب ہونا چاہیے تھا۔

وہ اس شام بہت خوشی سے تیار ہوئی تھیں۔ مگر ان کی یہ خوشی چند ہی لمحوں کی تھی۔ انہوں نے مجاز کو تو پہلے دیکھا اور پرکھا ہوا تھا مگر ان کے والد کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اور۔

یہ پہلی بار دیکھنا ہی غضب ہو گیا۔

یہ وہی تو تھا جس نے اس کی ساری زندگی پر طلاق کا بدنما دھبہ لگا دیا تھا۔

عظمت آج اس کے سامنے لڑکھڑاتے قدموں سے بیٹے کی خوشی کے لیے سوالی بن کر کھڑے تھے۔ اور یہ وہی مجاز تھا جو انجانے میں ان سے ایک معصوم سی نفرت کرتا رہا۔ چاہنے کے باوجود ان کے قریب نہ آ سکا۔ انہوں نے عظمت کو اور عظمت نے انہیں دیکھا اور یوں ظاہر کر دیا جیسے ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ ہوں۔

"پروا۔ تم چائے سرو کرو۔ میں کمرے میں جا رہی ہوں۔" عروہ آپا نے کہا۔

پروا نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ اتنے شوق سے ان کا استقبال کرنے والی آپا کو اب کیا ہو گیا تھا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں معذرت چاہتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر کمرے میں آ گئی۔ پھر وہ لوگ بھی نہ ٹھہرے۔

"مجاز بیٹے، مجھے ذرا جلدی ہے۔ تم اپنی آنٹی سے اجازت لے آؤ۔" عظمت نے کہا۔

"پروا۔ عروہ آپا کیوں خفا ہو گئیں؟" مجاز ان کا چہرہ پڑھ چکا تھا۔ اس لیے ان کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے پروا سے کہا۔

"مجھے خود معلوم نہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا مجھے وہ پریشان لگ رہی تھیں۔" پروا نے کہا۔

ان کے دروازے کے قریب آ کر پروا نے پکارا۔

"دروازہ کھولیں آپا۔" عروہ نے اس کی آواز پر دروازہ کھول دیا۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے کہا۔

"آپا۔ آپ کیوں اٹھ کر چلی آئیں۔ کیا واقعی آپ کی طبیعت خراب ہے؟" مجاز نے پوچھا۔

www.pkdigest.com

"مجاز۔" انہوں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔
"تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"
"کیا مطلب ہے آپا؟" وہ حیران اور پریشان ہو گیا۔
"تم وہی ہو جو بچپن میں مجھ سے انجانے میں نفرت کرتے تھے اور نفرت کرنا تمہارا حق بھی بنتا تھا اس لیے کہ تمہارے باپ نے مجھ سے دوسری شادی کی تھی۔ تم میرے قریب نہ آسکے۔ اسی جرم میں تمہارے باپ نے شادی کے دو ماہ بعد مجھے طلاق دے دی۔ تم ہی میری بہن کا مستقبل بننے کے خواب دیکھو گے، یہ مجھے معلوم نہ تھا۔" انہوں نے بتایا تو مجاز سے زیادہ پروا حیران رہ گئی۔
"اب اگر معلوم ہو بھی گیا ہے تو اس رشتے پر کیا اعتراض ہے؟ مجھے آپ دیکھ اور پرکھ چکی ہیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، مگر... مگر اب معاملہ دوسرا ہے۔"
"کیا؟"
"یہ معاملہ میرا ہے مجاز، تم چلے جاؤ یہاں سے۔ کاش مجھے پہلے معلوم ہو جاتا کہ تم ہی وہ انسان ہو جس کی وجہ سے تمہارے باپ نے میری آپا کی زندگی برباد کی تو میں کبھی تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ نہ بڑھاتی۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ زور سے چلائی۔
"پروا۔" آپا نے اسے ڈانٹا۔
"آپا۔ ان لوگوں سے کہہ دیں آئندہ یہاں کا رخ نہ کریں۔ بیٹا باپ کے نقش قدم پہ ہی چلتا ہے۔ اس کے باپ نے آپ کی زندگی برباد کی ہے۔ اب بیٹا میری زندگی سے کھیلنے کے لیے آ گیا ہے۔ میں اس سے ہرگز شادی نہیں کروں گی آپا۔ اب یہ میرا انتقام ہے۔" وہ پھر بگولے کی طرح چلائی۔
"پروا۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" آپا نے اسے سنبھالا۔
"پروا۔ تم محض انتقام کی بنا پر مجھ سے نفرت کا دعویٰ کر رہی ہو لیکن یہ نہ بھولنا کہ میرے بغیر رہ نہ سکو گی۔ رشتے آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔ ماضی کی غلطیوں کی سزا ہم کیوں بھگتیں۔ دنیا کی کوئی طاقت بھی مجھے تم سے جدا نہیں کر سکتی۔ تمہاری نفرت بھی نہیں۔ میں نے تمہارا ہاتھ چھوڑنے کے لیے نہیں تھاما پروا۔ اگر میرے راستے میں میرا باپ یا تمہاری آپا بھی آئے تو میں پروا نہیں کروں گا۔ تم صرف میری ہو، صرف میری۔" وہ بھی گرجدار آواز میں چلایا اور پھر باہر نکل گیا۔
"یہ کیا ہو گیا آپا؟" اس کے جانے کے بعد پروا آپا سے لپٹ کر رو دی۔
"پاگل نہ بنو پروا، جو خوشی خود آ کر اپنے دروازے پہ دستک دے اسے یوں نہیں لوٹایا کرتے۔ یہ نفرت اور انتقام کیوں، ایک ضد کی خاطر زندگی برباد کرتی ہو۔ مجاز بہت اچھا ہے۔" آپا نے سمجھایا۔
"مگر اس کا باپ؟"
"وہ میرا مجرم ہے، میں جانوں۔ تم کیوں اپنی زندگی سے کھیلتی ہو۔"
"مگر انہوں نے آپ کی زندگی کیوں برباد کی؟" وہ رو رو کر ایک ہی بات کہے جا رہی تھی۔
پھر اسی طرح سے رو رو کر اس نے بری حالت کر لی تھی۔ وہ انتقاماً ایسا کر رہی تھی۔ اور آپا اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھیں مگر وہ نہ مانتی تھی۔
"آپا۔ اگر میں نے مجاز سے شادی کر لی تو زندگی بھر اس آگ میں جلتی رہوں گی کہ جس شخص نے آپ کی زندگی برباد کی اور جس سے انتقام لینے کا میرا وعدہ تھا اب میں اس کی خدمت کے لیے مجبور ہوں۔"
"جو میرے نصیب میں تھا میں نے سہہ لیا۔ تم کیوں اپنی خوشیوں کے پیچھے پڑ گئی ہو۔" آپا نے کہا۔
اس نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ آپا ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔
"خدایا۔ میرے ناکردہ گناہوں کی سزا یہ کیوں اپنے نام کرانا چاہتی ہے۔"
ادھر مجاز کی دیوانگی بھی قابل دید تھی۔ وہ اپنی زندگی پر کھیل جانے کو تیار تھا۔ باپ سے کہہ دیا تھا کہ اگر شادی پروا سے نہ ہوئی تو مر جائے گا۔ اس کی ضد نے عظمت کو جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔
اس شام ان کا ٹیلی فون عروہ کی زندگی میں ہلچل مچا گیا۔
"عروہ۔" مدتوں بعد عظمت نے اسے پکارا۔
"جی۔" ٹوٹتے بندھن آپ ہی آپ بول پڑے۔
"اگر پروا مجاز کو نہ ملی تو وہ مر جائے گا۔ اپنی بہن سے

کہو اس کی زندگی بچا لے۔ میں تم سے آ کر معافی مانگ لیتا ہوں۔ اور میں تم سے واقعی شرمندہ بھی بہت ہوں۔ اس وقت جذبات میں آ کر ایک سنگین غلطی کر بیٹھا تھا جس کا پچھتاوا عمر بھر رہا۔ اب سوائے معافی مانگنے کے اور کیا کر سکتا ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان ٹوٹے بندھن تو نہیں جڑ سکتے مگر مجاز اور پروا کی صورت میں ہمارے درمیان ایک بے نام سا تعلق تو قائم ہو سکتا ہے نا۔ اسے سمجھاؤ عروہ۔" عظمت کی افسردہ آواز میں بڑی التجا تھی۔
آخر وہ ظالم اس کے قدموں پہ جھک ہی گیا تھا، یہ خدا کا انصاف اور اس کے صبر کا صلہ تھا۔
"میں اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں۔ اب آپ ہی آ کر سمجھائیں۔" یہ کہہ کر عروہ نے فون بند کر دیا۔
وہ فوراً ہی چلے آئے۔
پروا انہیں دیکھ کر پھر پاگل ہونے لگی۔
"آپ یہاں کیوں چلے آئے ہیں؟"
"بیٹی۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تو وہ چونکی۔ اس ہارنے والے شخص کے لہجے میں کیسا انکسار تھا۔
"تم میرے بیٹے کی پسند ہو، اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو۔ میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی نفرت کر سکتا ہوں۔ اگر تم نہ ملیں تو وہ مر جائے گا۔ بچپن کی نفرت کی اتنی بڑی سزا نہ دو کہ میرا بیٹا زندہ نہ رہ سکے۔ اس میں اس کا کیا قصور ہے بیٹی۔ میں آج خود تم سے معافی مانگنے چلا آیا ہوں بیٹی۔ اس ایک نفرت کے بدلے اب تمہیں زندگی بھر اتنا پیار دوں گا کہ کسی باپ نے نہ کیا ہو گا۔ شاید اس طرح سے میرے ایک گناہ کا ازالہ ہو سکے۔" انہوں نے شفقت سے کہا۔
"پروا۔ بڑوں کو شرمندہ نہیں کرتے ان کی بات مان لیتے ہیں۔" عروہ نے اسے سمجھایا تو وہ چہرہ جھکا کر رو پڑی۔
عظمت نے اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔
"عروہ۔ پروا کو بڑی شان سے رخصت کرنے کی تیاری کرو۔ میں اسی مہینے میں اسے اپنی بیٹی بنا کر لے جاؤں گا۔" عظمت نے ہنستے ہوئے کہا۔
عروہ نے پروا کو گلے سے لگا لیا۔ اور شکرانے کے طور پر کئی آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	165/-
خمارِ گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	165/-
خط انشاجی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	[illegible]
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز: 7321690-7310797

www.pkdigest.com

عوزہ

قرۃ العین رائے

یہ کون مسافر ہے کہ شہر غم جاں میں
جاگیر دل ودیدۂ تر بانٹ رہا ہے

ٹورنٹو شہر کی اجنبی سرد رات کا دوسرا پہر یوں تو خوب گہما گہمی اور رونق کے ساتھ رواں دواں تھا لیکن اس کا وجود اور یہ جنبی کمرہ غیر مانوس سا دونوں ہی تنہائی کو اوڑھے خاموش تھے کب سے وہ اوپر کی منزل میں بنے اس کمرے کی گلاس ونڈو سے بے مقصد گزرتی رات کو تکے جا رہی تھی۔

سفر کا آغاز تو اب شروع ہوا تھا اور تھکن نے اس کے وجود میں چلنے سے پہلے ہی ڈیرے ڈال دیے تھے۔

جب یہ سب کچھ طے تھا اول روز سے سب معلوم تھا تو دل کیوں اداس ہے تنہائی رگ جاں میں تیز نشتر کی مانند اترتی جا رہی تھی جدائی ایک طرف بیٹھی تقدیر سے شکوہ کناں تھی۔

"آج وہ اطمینان سے سویا ہوگا!" دل نے مدھم سی سرگوشی کی۔

"ہاں! لیکن اب اسے سوچنا کیوں؟ وہ تو اپنے دیس میں اپنوں کے درمیان سکون سے ہوگا اور تم کسی کے فیصلے کی صلیب اٹھائے اس انجانے شہر میں رہنے چلی آئی ہو کیا تم نے سوچا ہے کہ یہ ہجرت کب تک چلے گا تمام عمر اپنوں سے دوریوں بھرا، اداس بے رونق زندگی کیونکر گزرے گی؟" سوچ نے اس دماغ پر دستک دی۔

"جیسے بھی گزرے گی یہ تو طے ہے کہ اس کے نام پر کٹے گی اس کی ان یادوں کے سہارے

مکمل ناول

www.pakdigest.com

گزرے گی۔ اس کے نام پر جوگ لیے ایک جوگن کی زندگی گزاروں گی اور یہی کافی ہے میرے لیے۔" اس کی سوچ کے ساتھ ایک آنسو اس کے گال پر پھسلا اور وہ اپنا سن ہوتا وجود گھسیٹتی ہوئی بیڈ پر آ کر ڈھیر ہوگئی اب ضبط کا چارہ نہ تھا اتنی دیر سب کے درمیاں ہنستی مسکراتی وہ اندر ہی اندر جدائی کا زہر گھونٹ گھونٹ کر کے پی رہی تھی لیکن اب دل کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ تکیے میں منہ دیے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆......☆......☆

"ہائے زوئی! ابھی ہمیں شاپنگ سے واپسی پر اچانک صامی بھائی مل گئے یار واٹ اے ہینڈسم پرسنالٹی ہے مجھے گورے لڑکے بڑے برے لگتے ہیں لڑکیوں جیسے لیکن اپنے صامی بھائی پر تو گورا رنگ بہت سوٹ کرتا ہے اور ان کی مردانگی کو اور نکھارتا ہے قسم سے۔" ماہ روش نے کافی جوشیلے انداز میں لاؤنج کے صوفے کے ایک کونے پر براجمان محسن نقوی کے شعری مجموعے کے مطالعے میں غرق اس سے کہا اس نے نان سٹاپ بولتی ماہ روش کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور کتاب پڑھنے میں محو رہی۔

"افوہ! چھوڑو اس کتاب کو ہر وقت کتاب کا کیڑا بنی رہتی ہو میں تمہیں اتنی اہم بات بتا رہی ہوں اور تم ہو کہ بے چارے شاعر کے نہ جانے کس ان دیکھے زخم کو پڑھنے میں مصروف ہو خدا کے لیے زوئی اب تم یہ حرکتیں بند کردو اور ہر دوسرے تیسرے دن میرے ساتھ بیوٹی پارلر جایا کرو ماما نے آج خاص طور پر یہ آرڈر اشو کیا ہے مجھے۔" ماہ روش نے اپنی طرف متوجہ نا پا کر اس سے کتاب چھینتے ہوئے بتایا۔

"سدھر جاؤ زوئی تمہاری شادی کے دن قریب آ رہے ہیں اور اس ٹائم پر تمام لڑکیاں خود کو بنانے سنوارنے کی لگ و دو کرتی ہیں اور تم ابھی تک ان دنیا سے رخصت لوگوں کو پڑھنے میں گم ہو ما

نے یہ سب دیکھ لیا تو تمہاری خیر نہیں خیر یہ بحث میں تم سے بعد میں کروں گی فی الحال تم صامی بھائی سے ملنے کا قصہ سنو۔"

"میں اور زنیرہ شاپنگ مال سے باہر نکل رہے تو جب اچانک صامی بھائی سے ٹکراؤ ہوگیا اس دن تو صرف انکل کے ساتھ آئے ہوئے صامی بھائی کی ایک جھلک دیکھی تھی لیکن آج ان سے باقاعدہ ہیلو ہائے ہوئی قسم سے وائٹ ہائی نیک کے ساتھ بلو جینز پہنے اور ڈارک براؤن گلاسز لگائے اتنے ڈیشنگ لگ رہے تھے کہ کیا بتاؤں لیکن وہ بہت جلدی میں تھے اگر وہ ہمارے ساتھ ایک کپ کافی پی لیتے تو تمہارے لیے کافی معلومات اکٹھی کرلاتی تمہیں میں نے یہ جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ میں سرپرائز اور سسپنس ہی کریٹ ہوتا ہے بے چارے لڑکا لڑکی کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور سمجھنے کا ٹائم ہی نہیں دیا جاتا اور زنیرہ تو تمام راستے بھائی کی تعریف کرتی آئی کافی متاثر تھی ان کی شخصیت سے میں نے تو جتا دیا تھا کہ ڈیئر فرینڈ وہ میرے ہونے والے برادر ان لا ہیں۔" ماہ روش نے ایک بار پھر نان سٹاپ بولتے ہوئے قصہ بیان کیا جو زوئی کی نظر میں اتنی خاص اور اہم خبر نہ تھی جتنی ماہ روش Excieted تھی۔

"ویسے زوئی اپنی بینا آپی کتنی خوبصورت ہیں اور اسفند بھائی ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اور اپنے حمید بھائی ایک دم پرفیکٹ اور......" اس نے اچانک بات ادھوری چھوڑ دی وہ کچھ زیادہ ہی بولنے جا رہی تھی اس لیے ایک دم خاموش ہوگئی اور پانی پینے کے بہانے جلدی سے اٹھ گئی اور زوئی جو چبھتی آنکھوں کے ساتھ اس کی بے تکی باتیں سن رہی تھی آخری بات پر نظریں جھکا گئی اور پھر محسن نقوی کی شاعری کی کتاب پکڑ کر پڑھنے میں گم ہوگئی۔

☆......☆......☆

حساب عمر کا اتنا سا گوشوارا ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارا ہے
کسی چراغ میں ہم ہیں کسی کنول میں تم

کہیں مجال ہمارا ہے کہیں تمارا ہے
عجب اصول ہیں اس کاروبار دنیا کے
کسی کا قرض کسی اور نے اتارا ہے

ڈائری پڑھتے ہوئے اس کی نظریں آخری مصرعے پر رک گئیں تھیں اور باقی صفحے پر صرف اسی شعر کی گردان تھی۔

"کیا تم جانتے ہو اس گردان کی وجہ کیا ہے؟" کسی نے اس کے اندر سے سوال کیا تھا۔

"ہاں جانتا ہوں اس نے میرے حصے کا قرض اتارا ہے سب کی نظروں میں خود کو برا بنا کر اس نے مجھے سکھ دینا چاہا وہ جو میرا حاصل تھی میں نے اسے لاحاصل بنا ڈالا احد اب باقی کی زندگی اس کی یادوں کے دشت میں اس کی تصور کی سراب کے پیچھے آبلہ پائی میں گزرے گی میں نے صرف اپنی زندگی ہی مشکل نہیں بنائی بلکہ اس کے لیے جینا بھی کٹھن کر ڈالا اگر میں یہ ڈائری نہ پڑھتا تو شاید ضمیر مجھے اتنا نہ کوستا جتنا پہلے۔" اس نے کالی ڈائری کو بند کرتے ہوئے سینے سے ایک ٹھنڈی آہ خارج کرتے ہوئے ڈائری کو اپنی باہوں میں جکڑ کر سینے یوں لگایا جیسے اس کے وجود کا احساس محسوس کرنا چاہتا ہو اور اس کے ان چھوئے کا احساس کہیں اندر گردا جاگا تھا۔

"کیوں چلے آئے اس کے کمرے میں صرف چند گھنٹے ہی تو بچے ہیں اسے تمہاری زندگی سے گئے ہوئے اور بے چینی بے تابی اسقدر اتھری کہ تم اس کے اس چھوٹے سے کمرے میں چلے آئے کیا کھوجنے آئے تھے اس کا معصوم چہرہ اس کا دکھ اس کا خاموش وجود آخر کیا اور ڈھونڈتے ہوئے تمہیں یہ ڈائری مل گئی جو نہ جانے وہ کیسے یہاں بھول گئی کاش بے یہ ڈائری نہ ملتی تو زندگی صرف اس احساس کے ساتھ کٹ جاتی کہ میں اس کے لائق نہ تھا اس نے فیصلہ تو میری خاطر کیا تھا۔ ڈائری کے ہر صفحے پر اس نے کتنے والہانہ پن سے مجھ سے اعتراف محبت کیا ہے ایک بار صرف ایک

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفرنامے

- اُردو کی آخری کتاب
- آوارہ گرد کی ڈائری
- دُنیا گول ہے
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلیے
- نگری نگری پھرا مسافر

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دلِ وحشی

طنز و مزاح

- باتیں انشاء جی کی
- دخل در معقولات
- آپ سے کیا پردہ
- بقلم خود

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

www.pkdigest.com

بار مجھ سے یوں اظہار کرتی تو میں اس کا داس بن جاتا لیکن اپنی اتنی شدید محبت کو مجھ سے چھپائے وہ جدائی کی سزا کاٹنے دور بہت دور چلی گئی بظاہر مضبوط نظر آنے والی لڑکی اندر سے کتنی حساس دل کی مالک ہے جدائی کا یہ دکھ کیسے جھیل پائے گی؟ قصوروار تم تھے سزاوار بھی تمہیں ہونا چاہیے تھا۔" اس کے ضمیر نے اس کا اصل چہرہ دکھاتے ہوئے اسے لتاڑا۔

"کیسے سوچ سکتا ہوں میں اب اس کی بارے میں یہ سب..... میں نے خود اسے اپنی زندگی سے نکل جانے دیا اس کی آنکھوں میں التجا تھی میں اسے روک لوں صرف ایک بار اپنی انا کے حصار سے نکل کر اسے روک لوں وہ رک جاتی لیکن میں تو بے حس اور پتھر دل ہوں جو اس سے چاہا وہ اس نے کر دیا اب یہ دکھ یہ نارسائی کیوں مجھے تو آج قہقہے لگانے چاہئے خوشیاں منانی چاہئے ایک ان چاہے رشتے سے آزادی مل گئی اور اس کی سزا وار بھی وہ ٹھہرے گی اور میں اپنوں کی نظروں میں معتبر اور کیا چاہئے مجھے؟ اور کیا چاہئے مجھے.....؟" دل اور ضمیر اسے کسی پل چین نہ لینے دے رہے تھے۔

اپنے محل نما گھر کے اس چھوٹے سے سٹور نما کمرے میں فرش پر رکھے گدے پر بے چینی سے کروٹیں لیتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔

حساب عمر کا اتنا سا گوشوارا ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارا ہے

نم آنکھیں بنو کر اس نے اس شعر کو دہرایا اور پھر اس کے لب اس شعر کو دہراتے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

آج کی رات اس کی زندگی میں ایک نئی اور انوکھی سج دھج کی ساتھ آئی تھی وہ خود بھی ایک نئی اور انوکھی سج دھج کے ساتھ تیار ہوئی تھی کہ جس نے دیکھا ایک بار حیران ہوا کہ اس سے پیشتر بھی کسی نے اسے اتنا تیار نہ دیکھا تھا۔

جہازی سائز کے بیڈ پر بچھیں نرم سرخ مخملیں گلاب کی پتیاں جس پر اس کے لہنگے کو گول دائرے میں پھیلایا گیا تھا اور وہ خود شرمائی سر جھکائے ایک انوکھی ساعت کی منتظر تھی۔ پیچ اور سی گریں کلر کا لہنگا جس پر نفیس گولڈن تارے موتی اور دبکی کا کام کیا گیا تھا جہاں اپنے رنگوں کے امتزاج میں منفرد تھا وہیں اس کے سراپے کو بھی بے حد منفرد بنا رہا تھا۔ ماہ روش نے کتنا اصرار کیا تھا کہ وہ میرون یا سرخ رنگ کا لہنگا خریدے اس نے آج تک اتنے گہرے رنگوں کا استعمال نہ کیا تھا وہ تو آف وائٹ یا پنک کلر کا برائیڈل ڈریس پسند کرتی لیکن ماہ روش نے اس انوکھے امتزاج کے رنگوں سے بنے لہنگے کو پسند کیا یہ منگنی کی تقریب تو نہیں کم از کم لہنگا پہن کر دلہن کو دلہن ضرور لگنا چاہئے اور شادی کے روز اسے تیار کرتے ہوئے اس کی بہن اور کزن نے خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی کیونکہ آج تک زوئی کو کبھی کسی نے اتنا تیار ہوئے نہ دیکھا تھا کوئی بہت لیکچر ملتا تو جل کی باریک لیکر آنکھوں میں کھینچے اور لبوں پر ہلکی سی نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگائے وہ سب کو تیار ملتی اور باقی لوگ جو اسے تقریب کی مناسبت سے تیار ہونے کا لیکچر دے چکے ہوتے اس کی یہ مکمل تیاری دیکھ کر سر پیٹ لیتے لیکن زوئی اس معاملے میں ہمیشہ بے حد ہٹ دھرم اور ضدی ثابت ہوئی تھی لیکن آج کے روز جب اسے دلہن بننا تھا اس کا بیوٹیشن کا کورس کیے ہوئے کزن نے خوب اس کی بے بسی کا فائدہ اٹھایا تھا۔ کیونکہ اگر آج بھی میک اپ کرانے میں وہ روکاوٹ بنتی تو نا صرف مما سے جوتے کھاتی بلکہ اپنی دادو کو بھی ناراض کر ڈالتی اور زوئی اس دنیا میں ڈرتی تھی تو صرف اپنی دادو کی ناراضگی اور آزردگی سے لہٰذا یہ خوبصورت لہنگا زیب تن کر کے اپنی ماہر بیوٹیشن کزن کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے اعلان کیا تھا۔

"لو سیرا صرف آج کے دن تمہیں پوری اجازت ہے کہ تم اپنے دل کی وہ ہر حسرت پوری کر لو جو تمہیں ہمیشہ میرے تیار ہونے پر محسوس

ہوئی۔" سیرا گویا میک اپ اور برشز کے ہتھیاروں سے لیس اس پر ٹوٹ پڑی تھی اس کے سجے سنورے روپ کو فائنل ٹچ دیتے ہوئے بے حد بھاری نقش دبکی کے کام والے ڈوپٹے کو اس کے گھنے بالوں کا خوبصورت جوڑا بنا کر اس پر پنوں کی مدد سے لگاتے ہوئے سیرا نے نہایت فخر کے ساتھ کہا تھا۔

"لو ماہی دیکھو یہ وہی زوئی ہے یا کوئی اور ہے؟"

"واہ سیرا تم نے کمال کر دیا اللہ زوئی تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" ماہ روش نے بے ساختہ تعریف کی۔

اس نے بھی اپنے سجے سنورے روپ کو آئینے میں دیکھا تو بے اختیار کہہ اٹھی۔

"سیرا کی بچی یہ کیا تم نے مجھے کارٹون بنا ڈالا ہے؟"

"بکواس مت کرو اتنی اچھی لگ رہی ہو۔" سیرا نے گھرکا۔

"سانس نہیں آ رہا مجھے اتنے بھاری میک اپ میں۔" وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

"سانس اب تم اپنے پیا کے گھر جا کر لینا تمہارا یہ سجا سنورا روپ دیکھ وہ بھی ایک پل کو سانس لینا بھول جائے گے۔" سیرا نے اس کی بازو پر چٹکی کاٹی۔

سیرا کی کہی بات یاد آنے پر اس کے شرمگیں لبوں پر دھیمی سے مسکان آن ٹھہری وہ جیسی بھی تھی بہر حال ایک لڑکی تھی اور لڑکی کی زندگی میں آج کا دن بے حد اہم خاص اور اسے ایک انوکھے سرور اور شرم سے ہمکنار کرنا ہے کسی درد دیس سے آنے والے شہزادے کا مسافر کرنے کا تصور اس کی دل کی دھڑکن کو ایک انوکھا نشہ بخشتا ہے ابھی کچھ دیر پہلے رخصتی کے وقت وہ اپنی دادو کے گلے لگ کر کتنی روئی تھی سیرا کی دھمکیاں اور ماہ روش کی گھرکیاں کچھ بھی اسے یاد نہ رہا تھا۔

"سلی گرل! بس بھی کرو سارا میک اپ خراب ہو جائے گا۔" اس کی ممانے دادو کے گلے سے لگی زوئی کو ان سے جھنجھوہ کرتے ہوئے کہا دادو کی جدائی کا احساس اس کے دل کو جیسے موم کی طرح پگھلائے دے رہا تھا۔

یہاں بیڈ روم میں بیٹھا کر اس کے میک اپ کی نوک پلک ایک بار پھر درست کی گئی تھی سب کے جانے کے بعد اس نے ایکٹائرانہ سی نظر پورے کمرے پر ڈالی کمرے کی سجاوٹ سرخ گلاب اور نرگس کے پھولوں کے ساتھ کی گئی تھی جابجا ان دونوں پھولوں کے گلاستے بنا کر میں سجائے گے تھے بیڈ کے چاروں کونوں پر بڑے گلدانوں میں بے حد خوبصورت انداز میں ان پھولوں کے گلاستے بنا کر رکھے گئے تھے اور لڑیاں لگانے کی بجائے یہ انداز زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا پورے کمرے میں سرخ گلاب کی پتیوں کا قالین بچھایا گیا تھا جس کی بھینی اور معطر خوشبو ماحول کو بے حد رومنٹک بنا رہی تھی۔

یہ سب دیکھ کر اس کے لبوں پر دھیمی شرمیلی مسکان ابھری۔

"ہوں! تو میری پسند کا خاص خیال رکھا گیا ہے لیکن انہیں کس نے بتایا کہ نرگس اور گلاب کے پھول مجھے بے حد پسند ہیں یقیناً ماہ روش نے بتایا ہوگا۔" اس نے دل ہی دل میں قیاس کیا۔

اچانک دروازہ ہلکی آواز کے ساتھ کھلا اس کا دل اسقدر زور سے دھڑکنے لگا جیسے اس کے سینے سے نکل کر یہاں سے فرار ہو جائے گا۔

کوئی بیڈ کی دائیں طرف آ کر رک گیا کچھ پل یونہی بہت گئے وہ آنکھیں جھکائے دھڑکتے دل اور پسینے میں بھیگتی ہتھیلیوں کو ایک دوسرے میں پہنچائے آنے والے حسین لمحوں کی منتظر تھی جب اس کے کان ایک بھاری مردانہ آواز سے آشنا ہوئے۔

"اچھا تو آپ ہیں عوزہ رحمان..... میرے بابا جان کی پسند۔" آنے والا کے طرز

www.pkdigest.com

مخاطب پر وہ بے ساختہ نظر اٹھا گئی۔

سامنے کسی بھی لڑکی کے خوابوں کا شہزادہ اس کے شوہر کا روپ دھارے بڑے کروفر انداز میں کھڑا تھا اس کے چہرے پر جو تاثرات تھے وہ اتنے خوبصورت، خوابناک ماحول کے ساتھ بالکل میل نہ کھا رہے تھے۔

"مجھے آپ سے بے حد ضروری بات کرنی ہے اگر آپ کا ذہن اس رومینٹک ماحول کے زیر اثر ہے تو پہلے خود کو اس کے اثرات سے نکالیے اور پھر میری بات کو غور سے سنیے۔" اس بے حد ہینڈسم شخص نے لہجے میں تلخی سموتے ہوئے کہا۔

"اوہ! تو گویا قسمت نے مجھے یہاں بھی دھوکا دے دی بنا قصور کے ایک بار پھر سزاوار ٹھہری۔" اس نے اپنے سینے سے لمبا سانس خارج کرتے ہوئے سوچا اور دماغ کو اس انہونی کو سننے کے لیے تیار کرنے لگی جو اس کی زندگی کے حسین تصورات کو تہہ و بالا کر ڈالتی اپنے بارے میں وہ کبھی خوش فہم نہ رہی تھی لیکن ایک لڑکی ہونے کے ناطے وہ خوبصورت و حسین سپنے سجانے سے بھی خود کو روک نہ پائی تھی مگر شاید زندگی نے جو آئینہ اس کے لیے تھام رکھا اسے اسی میں خود کو دیکھنا تھا۔"

"کہیے میں سن رہی ہوں۔" اپنے جذبات کو سنبھالتے ہوئے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے وہ بولی۔

"میں آپ کو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں کرنا چاہتا میں ان مردوں میں سے ہرگز نہیں ہوں جو کسی کو دل سے پسند نہ کرے اور اپنا حق بھی اس سے وصول کرے حمید نے آج تک اس چیز کو ہاتھ نہیں لگایا جو اسے پسند نہ ہو اور حمید کو خوبصورت چیزیں ہی بھاتی ہیں۔" حمید نے بیڈ کے ایک کونے پر ٹکتے ہوئے بات کا آغاز کیا وہ اس کی جانب دیکھ نہیں رہا تھا لیکن اس کے منہ سے ادا ہونے والے الفاظ اس کے اردگرد الجھن کا گھیرا تنگ کر رہے تھے۔

"چیز!.....؟" اور یہ معقول وجہ تم آج شادی کے دن مجھے بتا رہا ہو۔" اس نے طنزیہ انداز میں سوچا وہ مہر بہ لب تھی لیکن اس کا دماغ حمید کی ہر بات کو پوری طرح سے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا حمید نے سامنے سجے سنورے ساکت وجود پر ایک اچٹتی نظر ڈالی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا اور آنکھیں جو دل کا آئینہ ہوتی ہیں اس نے جھکا رکھی تھیں وہ جان نہیں پایا کہ اس کا یہ بے رحم انداز گفتگو اس پر کس طرح سے اثر انداز ہو رہا ہے۔ وہ پھر گویا ہوا۔

"ناپسندیدگی کی کئی وجوہات ہیں اول اور سب سے اہم کہ یہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی بابا نے کو اگر انجائنا کا اٹیک نہ ہوتا تو وہ بھی میرے ساتھ زبردستی کر کے اپنی منوا نہیں سکتے تھے۔ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں اور وہ بے حسین ہے میں کافی حسن پرست واقع ہوا ہوں خوبصورت اور حسین چیز پہلی نظر میں مجھے اٹریکٹ کر جاتی ہے اور میں اپنے اردگرد ہر چیز حسین اور مکمل دیکھنا پسند کرتا ہوں اور آپ......"

"آپ نے میری مشکل آسان کر ڈالی مجھے بھی آپ سے بے حد ضروری بات کرنی تھی جس کی کوشش میں شادی سے پہلے آپ سے رابطہ کر کے کرتی رہی ہوں لیکن شاید قسمت کو آج کا دن ہی منظور تھا بہرحال آپ نے اس سلسلے میں پہل کر کے میری مشکل آسان کر دی ہے۔"

اب اس کا ضبط جواب دے چکا تھا وہ پھر سے بے نیاز اور بے پرواہ عوزہ راحمان کا لبادہ خود پر چڑھا چکی تھی اس کے اندر اس وقت دکھ و کرب کے کتنے طوفان اٹھ رہے تھے یہ صرف اس کی ذات جانتی تھی لیکن مد مقابل پر وہ اپنی کمزوری اب ہرگز ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی اب تک اس نے خودداری اور اعتماد کے ساتھ جینا سیکھا تھا جائز محبت کے لیے وہ کبھی گڑگڑائی نہ تھی اور اب بھلا ایک انجان شخص کی محبت کے لیے وہ کیسے بھیک مانگتی خود پر اعتماد اور خودداری کا خول چڑھا کر بظاہر مضبوط لہجے میں وہ بولی۔

"جس طرح سے میں آپ کی زندگی میں آپ کی مرضی کے بغیر شامل ہوئی ہوں اسی طرح آپ بھی میری زندگی میں ایک ان چاہی خواہش کی مانند آئے ہیں۔"

اب کی دفعہ چونکنے کی باری حمید کی تھی اس کا خیال تھا کہ یہ لڑکی جو اس کی بتائی گئی ہے یہ سب سن کر رو دے گی، چلائے گی یا پھر اس سے محبت کی بھیک مانگے گی حمید ان دونوں صورت حال سے نمٹنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا لیکن یہاں اسے تیسری صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا جو اس کی توقعات کے برعکس تھی۔

"میں خود بھی ذہنی طور پر اس نئے رشتے کو قبول نہیں کر پائی لیکن گھر والوں کے جذباتی دباؤ میں آ کر مجھے یہ شادی کرنی پڑی آپ کا میرے وجود پر تو حق ہے لیکن میرے دل پر آپ کی دسترس ناممکن ہے۔" وہ پھر بولی۔

"محترمہ آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ یہ زبردستی کا بندھن باندھنے پر تیار ہو جائے میری زندگی بھی خواہ مخواہ ڈسٹرب کر ڈالی اور بائی داوے وہ اور کون ہے؟ جس نے آپ کو پسند کر ڈالا۔" حمید کی مردانہ انا پر چوٹ پڑی تھی مرد کو اپنی ناپسند پسند کے بارے میں بتانا اپنی چاہت کے بارے میں دوسری عورت کو بتانا بے حد آسان لگتا ہے وہ عورت کے دل کو روندتا جاتا ہے لیکن جب کبھی عورت ایسا کچھ کرے وہ بلبلا اٹھتا ہے تب وہ صرف ایک مرد ہوتا ہے جس عورت کسی دوسرے مرد کی وجہ سے رد کر رہی ہوتی ہے وہ پڑھا لکھا ہے اچھی تربیت کا مالک ہے سب بھول جاتا ہے حمید اس پر طنز کرتا ہوا تلخی کے ساتھ بولا۔

"ہونہہ! مردوں کے اس معاشرے میں آپ جیسا مرد اگر مجبور ہو سکتا ہے تو میں بے چاری کس کھاتے میں میرے ساتھ بھی ایموشنل بلیک میلنگ کھیلی گئی جس سے مجبور ہو کر مجھے اس رشتے پر ہاں کرنی پڑی اور اسی وجہ سے مجھ پر بے حد کڑی نظر رکھی گئی جس کی وجہ سے میں آپ کو حقیقت سے آشنائی نہ دے سکی اور...... آہ! وہ میرا کلاس فیلو تھا یونیورسٹی میں ہم دونوں ایک ساتھ میں پڑھتے تھے لیکن معاشرتی طور پر ہماری کلاسوں میں فرق تھا۔ اس کی غربت ایسی بد قسمتی تھی اس کے لیے کہ میرے گھر والوں نے اس کی ہر خوبی کو نظر انداز کرتے ہوئے انکار کر دیا اس نے مجھے میری ہر کمی کے ساتھ قبول کیا تھا اتنی بڑی خوبی کسی کو بھی نظر نہ آئی۔" طنزیہ اور مضبوط لہجے میں اس نے حمید پر چوٹ کی تھی۔

"خیر جو ہونا تھا ہو چکا اب جب ہم دونوں ایک دوسرے کی حقیقت جان چکے ہیں یقیناً اب آپ میرے ساتھ زبردستی رہنا پسند نہیں کریں گی اور صبح سب کو اس بے نام رشتے کے بارے میں بتا کر مجھ سے علیحدگی اختیار کرنا چاہیں گی۔" حمید نے بات لپیٹی۔

"کس قدر خود غرض اور سفاک شخص ہے اپنا فیصلہ میرے ہاتھوں کروانا چاہتا ہے۔" پہلی بار عوزہ کے دل میں سامنے بیٹھے شخص کے لیے نفرت اور غصے کے جذبات نے جنم لیا۔

"لیکن میں فی الحال ایسا کچھ نہیں چاہتی ہمارا کوئی بھی جذباتی قدم ہمیں نہ صرف ہماری نظروں میں ذلیل کر دے گا بلکہ ہم کسی نقصان سے بھی دوچار ہو سکتے ہیں میں فی الحال یہ رشتہ نبھانے پر مجبور ہوں۔"

"یعنی!؟" حمید کے عوزہ کا انداز گفتگو سخت الجھا رہا تھا۔ وہ جو سب کچھ طے کیے بیٹھا تھا اب اس سے مسئلے کا حل جاننا چاہ رہا تھا۔

"یعنی میں اپنے ماضی کو دفن کر کے اس گھر آئی ہوں اب میرا اس سے کوئی تعلق واسطہ نہیں میرے گھر والوں کی بیگانگی دیکھ کر وہ یہ شہر چھوڑ چکا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ ہمارا رشتہ اتنی جلد ختم ہو جائے وقت اور حالات کے مطابق میں علیحدگی کا فیصلہ کروں گی بہرحال یہ تو طے ہے کہ ہم دونوں

www.pkdigest.com

تمام عمر ایک ساتھ نہیں چلیں گے لیکن فی الحال ہم اس کمرے سے باہر سب کے لیے ایک اچھے میاں بیوی ہوں گے اور کمرے کے اندر دو اجنبی ایک دوسرے سے بالکل انجانے اور بیگانے۔" عوزہ نے اپنا فیصلہ سنایا آخر کب تک مرد ہی عورت پر اپنے فیصلے لاگو کرتا رہے گا جب اس کی محبت نہیں ملی تو عورت کیوں نہ اپنی انا اپنی خودداری کو بچا لے اور گڑگڑانے کی بجائے فیصلہ سنا ڈالے جو مرد اس کی قدر نہ کرنا چاہے کیوں اس کے لیے خود کو ضائع کرے۔

"علیحدگی......؟! علیحدگی کا فیصلہ تم کروں گی......؟ اس کا فیصلہ میں کر چکا ہوں محترمہ۔" حمید کو عوزہ کے انداز اور بات پر سخت تاؤ آگیا وہ اس عجیب و غریب لڑکی جس سے پہلی ملاقات دونوں کی تھی اندر ہی اندر الجھ رہا تھا اس کا اعتماد سے بھرپور انداز گفتگو اس کی مردانگی کو چیلنج کر رہا تھا اب تک وہ جتنی لڑکیوں سے مل چکا تھا وہ اس مخلوق کی نفسیات سے بخوبی واقف تھا سوائے رونے بلکنے لڑنے اور گڑگڑانے کے علاوہ اس کمزور مخلوق کو کچھ آتا ہی نہیں لیکن آج یہ لڑکی اس کے خیالات کو بری طرح سے جھنجوڑ رہی تھی۔

"اگر ایسی بات ہے تو دیر کس بات کی ہے دے دیجیے طلاق لیکن آپ ایسا نہیں کر سکتے جب میں طلاق نامہ لیکر اس کمرے سے باہر نکلوں گی تو انکل کو آپ کا یہ اقدام دوسرے ہارٹ اٹیک پر مجبور کر دے گا اور آپ ایسا تو ہرگز نہیں چاہیے گے ورنہ کیوں بندھتے اس مجبوری کے بندھن میں۔" عوزہ نے ٹھہرے اور سرد لہجے میں کہا۔

"اگر یہی بات ہے تو تم بھی یقیناً ایسا نہیں چاہو گی ایک رات کی طلاق یافتہ دلہن کون کرے گا تم سے دوبارہ شادی اور پھر تمہاری یہ عام سے شکل و صورت اور یہ معذوری یقیناً زندگی تمہیں دوبارہ دلہن بننے کا چانس نہیں دے گی تو عوزہ رحمان جتنا مجبور تم مجھے سمجھ رہی ہو اس سے کہیں کم تم خود اس رشتے کو نبھانے پر مجبور ہو۔" حمید کی صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا اور اس نے غصے میں ایک ایک لفظ چباتے ہوئے اسے آئینہ دکھانا چاہا۔

"میرے لیے یہ باتیں اتنی اہم نہیں میں ایک عام سی شکل و صورت کی لڑکی ہوں معذور بھی ہوں ان سب باتوں کا ادراک مجھے بخوبی ہے آج سے نہیں بچپن سے ہی اور زندگی شادی کے بغیر ختم نہیں ہو جاتی میرے پاس زندگی گزارنے کے بہت سے آپشن موجود ہے لیکن آپ تمام عمر اپنے من چاہے ساتھی کے ساتھ اس سمجھوتے کے ساتھ زندگی بھی نہیں گزارنا چاہے گے کہ آپ کی جلد بازی نے آپ کے والد کی جان لے لی اور اب مجھے آپ سے یہ دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لے اجنبی ہے۔" عوزہ نے اب بھی ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"ہونہہ! حق؟ جسے میرا دل قبول نہ کرے جو میری حسن پرست طبیعت پر بار ہو جس کے ساتھ ہم قدم ہوتے ہوئے میں سوسائٹی میں شرمندگی محسوس کروں اس کے نزدیک آنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تمہیں اس قسم کے خوش فہم اندیشے پالنے کی ضرورت نہیں رات کافی ہو چکی ہے اور فضول قسم کی رسومات نے مجھے تھکا بھی دیا ہے آج رات میں سامنے صوفے پر سو رہا ہوں لیکن کل سے میں اپنے بیڈ پر سوؤں گا ان پھولوں کے بکھیڑوں میں مجھے نیند نہیں آئے گی۔" حمید نے ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بات ختم کی اور صوفے پر جا کر لیٹ گیا اور دایاں بازو اپنی آنکھوں پر رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا کسی کو رتجگے بخش کر۔

☆......☆......☆

بیڈ پر بکھری گلاب کی پتیاں اسے اپنی غم گسار محسوس ہوئیں جیسے وہ بھی اپنی ناقدری پر مجھی گئیں تھیں کتنے شوخ احساسات کے ساتھ سیج پر بچھائیں گئیں تھیں لیکن ان چھوئی رہ گئیں تھیں۔ کیا قسمت ہے ان پھولوں کی بھی کوئی انہیں دلہن کی سیج پر سجاتا ہے اور کوئی انہیں قبر پر آج بھی تو وہ اصل میں قبر پر ڈالیں گئیں تھیں عوزہ کے ارمانوں کی قبر پر اس نے دھیرے سے پتیوں پر ہاتھ پھیرا۔

"دادو! دادو میں پھر ہار گئی آپ کی عوزہ صرف آپ کے لیے خوبصورت ہے کاش دادو دل پر لگنے والے ہر زخم پر میں آج بھی آپ کی گرم نرم گود میں پناہ لے سکتی لیکن آج عوزہ بالکل تنہا ہے۔" اس کی سوچیں افسردگی سے اردگرد کے ماحول میں گھلتیں جا رہیں تھیں۔

"بیٹا ہم لوگ دنیاوی سہارے ڈھونڈتے ہیں اپنا غم بھلانے یا غم کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ ایک ذات ایک ہستی چوبیس گھنٹے ہمارے ساتھ ہے وہی ہمارے غموں کا مداوا کر سکتی ہے ہمیں صرف اس کے سہارے کا متلاشی ہونا چاہیے اور ہر مشکل گھڑی میں اس رحمن کو ہی پکارنا چاہیے۔" ایک دن دادو کی کہی بات اچانک اس کی یاد کے خانے میں روشن ہوئی تب وہ آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بیڈ سے اٹھنے لگی جب کلائیوں میں پڑیں چوڑیاں کھنک اٹھیں فضاء میں مدھر سا ارتعاش برپا ہوا وہ اس لرزش پر فوراً سٹ سی گئی۔ قدرے خفیف ہوتے ہوئے اس نے اس جھنجٹ سے نجات حاصل کرنے کا سوچا اور بڑی احتیاط سے دھیرے دھیرے چوڑیاں اتارنے لگیں۔

"واؤ! زوئی تمہاری کلائیوں میں چوڑیاں کتنی اچھی لگ رہیں ہیں پہلی دفعہ تم نے اتنی ساری چوڑیاں پہنیں ہیں حمید بھائی کو تو سمجھ ہی نہیں آئے گی کہ وہ ان چوڑیوں کو اتارے یا انہیں شور مچانے دیں۔" سمیرا کی شرارتی سی آواز اس کی یاد کی سماعت سے ٹکرائی اور اس کا دل جیسے درد سے سکڑ سا گیا آنکھوں میں آنسو اترنے لگے لیکن اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا اور تمام زیور اتار ڈالا پائل اتار[illegible]ے اس کے ننھے سے گھنگرو جیسے احتجاجاً بج اٹھے۔

"ہم تو منتظر تھے ان مضبوط گرم انگلیوں کے لمس سے آشنا ہونے کے لیے جو نرمی اور پیار سے بوجھل جذبات کے ساتھ ہمیں چھوتے ہوئے کھنکھناتے ہوئے اتارتا۔" بے دردی سے پائل اتار کر اس نے وہیں بیڈ پر پھینک دی اور احتیاط کے ساتھ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی وہ کسی قسم کی آواز پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ سامنے صوفے پر سویا ہوا سنگدل شخص اٹھ جاتا اسے اس کی جاگنے کی قطعی پرواہ نہ تھی فکر تھی تو اس کی آنکھ کھلنے سے اپنے بھرم کے ٹوٹ جانے کی۔

"کتنے سکون سے سو رہا ہے مجھے بے سکون کر کے۔" اچانک اس کا نظر سوتے ہوئے حمید پر جا پڑی وہ بغور اسے دیکھنے لگی۔

"اس رشتے میں بندھنے کے بعد اتنا تو حق رکھتی ہوں کہ تمہیں سوتے ہوئے کو دیکھ لوں۔" لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھ نہ پائی دل جیسے باغی ہونے لگا تھا بچے کی طرح اپنی پسندیدہ چیز لینے کو مچلنے لگا تھا۔

"کتنا خوبصورت لگ رہا ہے نیوی بلو شروانی جس کے گلے پر گولڈن نقش دبکی کا نقش کام کیا گیا تھا اس کے اوپر کے بٹن کھولے وہ دوسری جانب کروٹ لیے بے خبر سو رہا تھا روشن بڑی آنکھوں پر بھاری پپوٹوں کا پردہ تھا سفید و گلابی رنگ پر گھنی کالی مونچھیں اور ان کے تلے مردانہ گلابی ہونٹ نیند کے خمار میں ایک دوسرے میں پیوست ہوئے اس کے چہرے کو معصومیت کا تاثر دے رہے تھے روشن فراخ پیشانی پر گھنے بال کچھ بکھرے سے پڑے تھے بے اختیار اس کا جی چاہا کہ وہ ان بالوں کو اپنی نرم سانس سے پھونک مار کر اور بکھیر دے وہ ایک ٹرانس کی حالت میں اسے یونانی دیوتا کے قدموں میں جا کر بیٹھنے کے لیے بڑھی لیکن اس کا پہلا غیر متوازن قدم اسے حقیقت کی دنیا میں [illegible]!! اور وہ پلٹ کر باتھ روم کی جانب بڑھ

www.pkdigest.com

گئی۔"

☆.....☆.....☆

"لیجئے سالی صاحبہ! ایڈمیشن تو میں نے آپ کا کروادیا ہے ایک دو دن تک کلاسز شروع ہوجائے گیں اور کس روٹ کی بس سے تمہیں یونیورسٹی جانا ہے اس کے بارے میں مینا تمہیں اچھی طرح سے گائیڈ کردے گی۔ I am getting late لہٰذا میں چلتا ہوں' بائے۔" اسفند بھائی نے صبح ناشتے کی میز پر جلدی جلدی عوزہ کو بتایا اور اپنے آفس جانے کے لیے نکل گئے۔

"لوزوئی ناشتہ کردو ویسے مجھے تمہاری کبھی ان نرالی منطقوں کی سمجھ نہیں آئی تمہاری شادی ہوگئی ہے حمید کے ساتھ شکر کرو اتنا اچھا شوہر مل گیا ہے سسر بھی تم پر جان دیتے ہیں اور تمہیں کیا چاہئے لیکن یہ سب چھوڑ کر تین ماہ کی جدائی کاٹنے یہاں چلی آئی ہو۔" مینا آپی نے خاموشی سے ٹوسٹ پر مکھن لگاتی عوزہ سے کہا اور خود بھی کرسی گھسیٹ کر ناشتہ کرنے میں اس کا ساتھ دینے لگیں۔

"بھئی برامت منانا میں تو ہمیشہ صاف بات کرتی ہوں مجھے تمہارا اپنے گھر میں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں جب تک جی چاہے رہو لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم دونوں ہنی مون منانے یہاں آتے ناں کہ فیشن ڈائیزنگ کا شارٹ کورس کرنے۔" مینا آپی نے فرائی ایگ کو اپنے پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے برا نہیں منایا آپ جانتی ہیں نے آج تک آپ کی بات کا برا منایا ہے اور نہ ہی غلط مطلب اخذ کیا ہے فیشن ڈائیزنگ میں کورس کرنا میرا خواب تھا اور ویسے بھی میں حمید کے ساتھ آفس جارہی ہوں تو میں چاہتی ہوں کہ میں اس سلسلے میں اپنی تعلیم کو بڑھاؤں دوسرا حمید کی خود خواہش تھی کہ میں کورس کروں اور آنا تو وہ بھی چاہتے تھے لیکن ایک تو بابا تنہا ہو جاتے اور دوسرا آفس کے کام اتنی لمبی چھٹیاں دینے کے متحمل نہیں ہوسکتے میں تو کچھ جھجک رہی تھی لیکن ان کی رضا مندی اور ان کی خوش کی خاطر ہی یہاں پر آئی ہوں۔" عوزہ نے مینا کو تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کرنا چاہا پچھلے چند روز سے وہ بہت سے لوگوں کو ایسے ہی جوابات دے کر مطمئن کررہی تھی۔

"اوہ! ایکسوزمی بابا کا فون ہے۔" عوزہ نے بجتے ہوئے سیل نمبر پر نام دیکھا اور فون سننے کے لیے لاؤنج میں چلی آئی وہ ناشتہ کرچکی تھی۔

"اسلام علیکم بابا! کیسے ہیں آپ؟ جی میں نے ناشتہ کرلیا ہے جی میں بالکل ٹھیک ہوں آپ فکر مت کیے جی حمید کا آپ سے پہلے فون آیا تھا انہوں نے بتایا تھا بابا آپ دوائیاں وقت پر لے رہے ہیں ناں؟ جی۔" عوزہ نے اپنے سسر کی بات پر ہنستے ہوئے ان کی بات کا جواب دیا۔

مینا نے ایک رشک بھری نظر عوزہ پر ڈالی شادی کے بعد کتنی نکھر گئی ہے اور ہنستی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہے بظاہر جسے میں کالی کہا کرتی تھی آج اس کی نرم اور چمکتی جلد کے سامنے میری روکھی بے رونق سفید جلد کچھ بھی نہیں لگ رہی پردیس میں آکر شوہر کے ساتھ رات دن کام کرتے ہوئے ایک میٹھی زندگی گزار رہی ہوں اور عوزہ جسے سسرال میں اپنے سسر کی بھرپور محبت اور شفقت حاصل تھی اور اس کا شوہر حمید جو کتنا اچھا ہے کہ ہم خونی رشتے اسے اس کی کمی کا احساس دلاتے رہے اور اس نے اسے اپنے دل کی رانی بنا کر رکھا ہوا ہے جو اس کی مرضی اور خواہش پر یہاں پڑھنے کے لیے بھیج دیا عوزہ بہت خوش قسمت ہے اور میں جسے تمام عمر اپنی خوبصورتی پر غرور و فخر رہا آج ایک بے ڈول وجود کے ساتھ دن رات مشقت بھری میٹھی زندگی گزار رہی ہوں۔

"Mamma give me bread pleasr!"

پانچ سالہ بلال نے مینا کی سوچوں کا ارتکاز توڑا۔

☆.....☆.....☆

"کیا بہت ضروری ہے تمہارا جانا؟" اس نے ویٹر کو ڈنر کا مینو لکھوا کر اس سے پوچھا جو اس کا لایا ہوا گولڈ کا قیمتی برسیلٹ پہنے اپنی کلائی میں گھما کر دیکھ رہی تھی۔

"آف کورس صامی میر نہیں (بھانجی) کی شادی ہے I have to go dear"

"لیکن بھابھی بھی تو جارہی ہیں صرف ایک ہفتے کے لیے اور آپ نے اکٹھا دو ماہ کا پروگرام بنالیا ہے اتنا عرصہ آپ کے بغیر میں کیسے رہوں گا۔ You don't care me bady!"

"I do! لیکن آپی کو تو بچوں کی وجہ سے واپس آنا ہے ان کی سکولنگ وغیرہ کی وجہ سے لیکن میرے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں میں کینیڈا پہلی بار جارہی ہوں دوسرے یورپ ممالک میں میرے ٹورز لگے ہوئے ہیں لیکن کینیڈا پہلی بار ہے میں وہاں خوب سی اور شاپنگ کرنا چاہ رہی ہوں بس دو ماہ کی تو بات ہے۔" صفویا نے اسے سمجھانا چاہا۔

"ہم ہنی مون پر کینیڈا چلے گے یار میں تمہارے بغیر اتنا عرصے کیسے رہوں گا۔" اس نے اپنی الجھن ایک بار پھر بتائی۔

"ہنی مون پر تو میں ورلڈ ٹور رکھوں گی مجھے تمہارے ساتھ پوری دنیا گھومنی ہے ابھی صرف میں اپنی کزنز اور بھانجے بھانجیوں کے ساتھ صرف دو ماہ کا سیر و تفریح کا پروگرام بنارہی ہوں مس تو میں بھی تمہیں بہت کروں گی لیکن وہاں سے بھی کافی اصرار کیا جارہا ہے میرے Stay کرنے کا پلیز! میرے بات کو سمجھوں ناں۔" صفویا نے چکن پاستہ اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے ایک ادا سے کہا۔

"او کے! ایز یو وش باس۔" صفویا نے دل ہی دل میں اسے خود پر ناز و فخر محسوس ہوا کہ اتنا ہنڈسم مرد اس کے پیچھے بالکل دیوانہ ہے اور اسے مردوں کو دیوانہ بنانا ہمیشہ سے اچھا لگتا ہے۔

☆.....☆.....☆

"ارے رب کائنات! اے میرے اللہ! کس سے پوچھوں؟ کس کو الزام دوں؟ خود اپنی قسمت کو یا تیری تخلیق کو! مجھ میں اتنی جرات نہیں کہ میں تیری تخلیق میں کوئی نقص نکال سکوں تو پھر تیری یہ دنیا..... یہ لوگ کیوں مجھے اس چیز کی سزا دیتے ہیں جو میں نے کیا ہی نہیں، کیوں اللہ میاں جی آخر کیوں؟..... تو مجھے یوں تخلیق کیا میرے دائیں پاؤں میں پیدائشی نقص رکھا بے حد خوبصورت لوگوں میں کم صورت اور سانولے رنگ کا پیدا کیا مجھے سواس پر گلہ نہیں تو پھر ان لوگوں کو کیوں جو مکمل ہیں بظاہر خوبصورت ہیں۔

"یا اللہ آج کا دن میری زندگی کا سب سے دکھی اور اذیت ناک دن ہے شاید اب زندگی اذیت کے ساتھ ہی گزرے مالک مجھے حوصلہ دے صبر دے اور استقامت دے، مالک میں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہورہی ہوں مجھے بچا میرے اللہ مجھے اس مشکل گھڑی میں صحیح سمت دکھا صحیح فیصلہ کرنے کا حوصلہ عطا کر تو میری مدد فرما کہو ہی میرا اللہ ہے صرف تو ہے جو مجھے میرے ہر نقص، ہر عیب کے باوجود سنتا ہے پیار کرتا ہے....."

عوزہ حمید کے بیڈ روم کے ساتھ ملحقہ ایک چھوٹے سے سٹور نما کمرے میں جائے نماز بچھائے آنسوؤں سے تر چہرہ لیے اس رب کائنات کے آگے اپنا دکھ ہاتھ بلند کیے بیان کررہی تھی۔ وہ جو اتنی دیر سے حمید کے سامنے ایک مضبوط بے پرواہ اور پر اعتماد لڑکی کا روپ دھارے ہوئی تھی اب ہر جھجک، ہر شرم اور ہر قسم کی انا کو بالائے طاق رکھے اپنے اللہ کے آگے سربسجود تھی۔

سادہ سا لباس زیب تن کیے وہ اپنے مجازی خدا سے پوشیدہ اپنے حقیقی خدا کے آگے سر جھکائے رو رہی تھی، دکھ درد سے تڑپ رہی تھی آج

www.pkdigest.com

پھر اس کی ذات کی نفی کر دی گئی تھی اور اسے کامل یقین تھا کہ ایسے حالات میں صرف وہی ذات ہے جو اس کا درد سن رہی ہے اور وہی اسے صبر و قرار دینے والی ہے۔

''توڑ ڈالو اس رشتے کو کیا فائدہ اس نے رشتے کا جو تیرے وجود سے ہی منکر ہے صبح سب کو اس سنگدل، خود غرض شخص کی حقیقت بتا دو بتا دو کہ رات اس نے تمہارے ساتھ کیا باتیں کی ہیں ختم کرو صبح اس قصے کو بلاوجہ کی زندگی میں ان چاہا بن کر رہنے سے بہتر ہے کہ تنہا زندگی گزار دی جائے۔'' اس کے جذباتی دل نے اسے اکسایا۔

''نہیں...... میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی حمید کی طرح میں بھی مجبور ہوں۔ رشتے داروں کی نظروں میں میری یہ کمی پہلے ہی بہت کھٹکتی ہے اور اگر ایک رات کی طلاق یافتہ لڑکی...... یہ معاشرہ کیا خیالات رکھتا ہے میں بخوبی واقف ہوں مجھے اس ان چاہے رشتے کو نبھانا ہوگا کم از کم میں ابھی اس انہونی کے بارے میں کسی کو نہیں بتا سکتی اتنے خوشی سے بھرپور چہروں کو میں یہ مژدہ نہیں کر سکتی دادو، پیا، انکل اور مما کس قدر خوش تھے یہ لوگ خاص طور پر میں مما کا سامنا نہیں کر سکتی وہ تو مجھ سے ایسے حالات میں جینے کا حوصلہ چھین لے گیں میں لاکھ اس دکھ کے ساتھ زندگی پرسکون گزارنے کی کوشش کروں گی مما کی جھبتی نظریں اور طنزیہ فقرے یا ان خاموش ناپسندیدگی لیے طرز عمل یہ سب میری زندگی دوبھر کر دے گے۔'' اس نے دل کے باغی خیال کو جھٹکتے ہوئے سوچا۔

''تو پھر کیا کرو گی؟ اس ان چاہے رشتے کو تمام عمر جھوٹ کے ساتھ نبھاؤ گی یہ کمزور اور بزدل شخص اپنے باپ کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں اس بے نام بیگانے ان چاہے رشتے میں باندھ چکا ہے بغیر کسی وجہ کے یونہی نبھاتی رہو گی یا پھر اپنے حق اور اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے تمام عمر اس کے آگے سر جھکائے گڑگڑاتی ہو گی؟'' دل نے ایک بار پھر اسے حقیقت کا ادراک کرانا چاہا۔

''نہیں...... ہرگز نہیں میں اس شخص سے اس کی محبت کے لیے اپنے جائز حق کے لیے بھی بھیک نہیں مانگوں گی اس نے میری انا میرے پندار کو ٹھیس پہنچائی ہے یوں سیج پر بیٹھی دلہن بنی کو ٹھکرایا ہے میں اسے کبھی اس کے لیے معاف نہیں کروں گی اور کبھی اس کی قربت کا سوچ بھی نہیں سکتی کہ کمن آئی ہے مجھے اس سے میں اس کے آگے گڑگڑاؤں یا ناممکن ہے اے میرے اللہ تو ہی اس مشکل کا حل بتا میرے زخمی دل کو سکون دے مجھے اس سزا کو کاٹنے کا حوصلہ عطا کر جو اس شخص نے بلاقصور مجھے سنا ڈالی۔'' عوزہ اپنی سوچ سے گھبرا کر ایک بار پھر دعا کے لیے ہاتھ پھیلانے لگی۔

☆......☆......☆

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں رحمان؟ یقیناً آپ کو سننے میں غلطی ہوئی ہے انہوں نے ماہ روش کا نام لیا ہوگا۔'' سنبل نے رحمان کے قریب ایک حیرت سے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''میں عوزہ اور ماہ روش کے نام میں تمیز کر سکتا ہوں جب ابراہیم صاحب نے پہلی دفعہ عوزہ کا نام لیا تھا تو حیرانگی مجھے بھی ہوئی تھی میں نے اُن سے دوبارہ کنفرم کیا تو انہوں نے وثوق کے ساتھ عوزہ کا ہی نام لیا۔''

''کیا وہ عوزہ کی معذوری کے بارے میں نہیں جانتے؟''

''خدا کا نام لو بیگم عوزہ معذور نہیں بس پیدائشی طور پر اس کا دائیں پاؤں تھوڑا سا مڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ قدرے غیر متوازن ہو کر چلتی ہے۔'' رحمان صاحب اپنی بیوی کو ٹوکے بغیر نہ رہ سکے۔

''چلو! وہ تو ٹھیک ہے لیکن حمید سے میں بزنس پارٹیز میں ملی ہوں ہی حمید سے ویری ہینڈسم بوائے عوزہ کا اس کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں صرف معذوری ہی نہیں وہ تو خوبصورت بھی نہیں اس کا سانولا رنگ حمید اسے لائف پارٹنر کے طور پر کیسے قبول کرے گا ابراہیم صاحب نے یہ سب نہیں سوچا یا پھر حمید میں کوئی ایسی برائی ہے جو وہ عوزہ جیسی معذور کم صورت لڑکی کا رشتہ مانگنے بیٹھ گئے۔'' سنبل نے شانے اچکاتے ہوئے اپنے ہاتھوں پر کسی کریم کا مساج شروع کر دیا اور صاف گوئی سے رحمان صاحب سے مخاطب ہوئیں۔

''اوروں کا تو مجھے پتہ نہیں لیکن تم خود اپنی بیٹی کو اس پیدائشی نقص کے ساتھ قبول نہیں کر پائی ہو ویسے ابراہیم صاحب سے میری اس سلسلے میں اچھی طرح سے تفصیلی بات ہوئی ہے وہ عوزہ سے بذات خود میرے آفس ایک دو بار مل چکے ہیں وہ اس کی ذہانت کے پہلے دن سے قائل ہیں اور باقی باتیں ان کی نظر میں بے معنی ہے جہاں تک حمید کی بات ہے تو انہوں نے اتنا بڑا قدم اس کی مرضی جانے بغیر تو نہیں اٹھایا حمید راضی ہے اس رشتے پر تو ہی انہوں نے بات کی ہے اور حمید کو میں پرسنلی کافی عرصے سے جانتا ہوں اس میں ایسی کوئی ظاہری اور باطنی برائی نہیں جو ہمارے بیٹی کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو۔''

''ہوں تو پھر ٹھیک ہے جلدی سے شادی کی تاریخ رکھ دیتے ہیں ہمیں کونسا جہیز وغیرہ بنانے کا مسئلہ ہے چیک سائن کر دیجئے گا ایک دو دن میں شاپنگ ہو جائے گی کہیں ایسا نہ ہو ان لوگوں کا ارادہ بدل جائے عوزہ کے لیے اتنا اچھا رشتہ آ جائے گا میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' سنبل نے قدرے جذباتی ہو کر کہا۔

''دھیرج بیگم دھیرج! سب سے پہلے مجھے اس سلسلے میں اماں جی سے بات کرنی ہے اور اس سے ضروری بات کہ تمہیں عوزہ کا اس رشتے کے بارے میں عندیہ لینا ہے اس کا جو جواب ہوگا اس کے مطابق بات بڑھائے گے یا ختم کرے گے۔'' رحمان صاحب نے اپنی خوبصورت ماڈرن اور جینئس بیگم کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں عفرہ کو اس سے بہترین رشتہ مل ہی نہیں سکتا ابراہیم صاحب کو نہ جانے ہماری عوزہ میں ایسا کیا نظر آ گیا ہے جو وہ اپنے اتنے پڑھے لکھے امیر اور خوبرو بیٹے کا رشتہ ڈال رہے ہیں اور یقیناً اماں جی کو بھی اس رشتے پر اعتراض نہ ہوگا یہ رسمی باتیں مکمل کر کے ایک دو دن میں انہیں ڈنر پر بلا لیتے ہیں اور شادی کی ڈیٹ فکس کر دیتے ہیں اور ویسے بھی کچھ دنوں بعد میری این جی او کے سیمینار شروع ہو رہے ہیں میں اس میں بری طرح مصروف ہو جاؤں گی اور میں یہ شادی اس مصروفیت سے پہلے ہی کرنا چاہوں گی۔'' سنبل نے ایک ادا سے رحمان صاحب کو بتایا اور انہوں نے اپنی بیوی کی بات پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

رحمان صاحب کا تعلق اپر کلاس سے تھا ان کے باپ دادا سے امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس چلا آ رہا تھا وہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے ان کی بعد ان کی تین بہنیں تھیں جو اپنے جیسے اچھے گھروں میں بیاہی ہوئیں تھیں رحمان صاحب کی شادی بھی اپنے ہی کلاس کی ایک ماڈرن پڑھی لکھی دوشیزہ سے ہوئی تھی رحمان صاحب اور سنبل کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹوں اور ایک بیٹے سے نوازا تھا عوزہ ان کی دوسرے نمبر پر آنے والی اولاد تھی نہ جانے قدرت نے کیا سوچ کہ اسے اتنے حسین لوگوں میں کم صورت اور پیدائشی طور پر مڑے پاؤں کے ساتھ پیدا کیا تھا شاید وہ سنبل بیگم کے کسی غرور کا ہی نتیجہ تھی لیکن سنبل کو اس چیز کا ادراک نہ ہوا تھا عوزہ کی پیدائش پر وہ ایک دم شاکڈ رہ گئیں تھیں ان کی پہلی بیٹی ہنا ہو بہو ان کی طرح تھی عادت میں بھی اور صورت میں بھی قدرت نے ان کے ساتھ یہ انوکھا ہی مذاق کیا تھا عوزہ کے ایک سال کے بعد ہی ماہ روش ان کی گود میں آ گئی تھی ماہ روش بھی واقعی چاند کی روشنی کی مانند تھی سنبل کا گلہ ختم ہو گیا تھا اور پھر اس کے دو سال بعد فیصل ان کی فیملی مکمل ہو گئی

www.pkdigest.com

تھی عوزہ کی دیکھ بھال اور تربیت ان کی ساس کی زمہ داری بن گئی تھی نہ جانے کیوں ان پر لوگوں کی باتوں کا اتنا خوف سوار رہا کہ وہ ڈھنگ سے اپنی ممتا بھی عوزہ پر نچھاور نہ کر پائیں۔

"ہائے سنبل تمہارے سارے بچے تم دونوں پر ہیں یہ کس پر چلی گئی؟"

"یارہ عوزہ کی دفعہ کیا کھایا تم نے۔"

"سنبل قدرت نے تم سے آخر کس بات کا بدلہ لیا ہے۔"

"سچ بتانا یہ تمہاری ہی بیٹی ہے یا کسی ہمدردی کے تحت تم نے adopet کی ہے۔"

عوزہ کے بڑے ہونے کی ساتھ ساتھ اس قسم کے جملے سنبل بیگم کو رشتے داروں اور جاننے والوں سے متواتر سننے کو ملنے لگے وہ عوزہ کو مہمانوں کے درمیان نہ آنے دیتیں اسے کسی دعوت پر مجبوری ہی لیکر جاتیں ورنہ اس کی دادو کے پاس ہی چھوڑ جاتیں لوگوں میں اس کا تعارف کراتے ہوئے ہچکچاتیں اور ان سب باتوں کا اثر عوزہ کے معصوم اور ننھے دماغ پر کافی برا پڑنے لگا تب عوزہ کی دادو جہاں آرا بیگم جو نہایت ہی سادہ مزاج اور شفیق خاتون تھیں عوزہ کو اپنی نرم ممتا کے زیر سایہ لے آئیں اور اس کی تربیت نہایت اچھے اسلوب کے ساتھ کرنی لگیں اور اسے اپنی کمی کے ساتھ اعتماد کے ساتھ جینے کا فن سکھانے لگیں۔ بہن بھائیوں میں ماہ رش ذہنی اور دلی طور پر ہمیشہ عوزہ کے قریب رہی مینا نے ہمیشہ اپنی ماں کی روش اختیار کی اور فیصل تو تھا ہی لاابالی سا لڑکا رحمان صاحب بزنس اتنے مصروف تھے کہ ان کے پاس اپنی کسی بھی اولاد کو پورا ٹائم دینے کا وقت ہی نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

"واٹ؟ یہ لڑکی آپ نے میرے لیے پسند کی ہے I con not believe it baba۔" حمید نے دور جاتی عوزہ پر نظر ڈالتے ہوئے شاک بھرے انداز میں ابراہیم صاحب سے پوچھا۔

"کیوں مائی سن کیا خرابی ہے اس میں؟" انہوں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"دیکھو حمید میں نے آج خاص طور پر رحمان اور عوزہ کو اس پروجیکٹ کو ڈسکس کرنے کے بہانہ اپنے آفس انوائیٹ کیا تھا تاکہ تم عوزہ سے مل سکو عوزہ بہت اچھی لڑکی ہے میں دو تین بار اس سے مل چکا ہوں وہ بے حد زہین اور پیاری بچی ہے۔"

"ہوگی لیکن مجھے وہ اپنی زندگی کے ہم سفر کے طور پر قطعی منظور نہیں آخر آپ نے کیا سوچ کر اسے میرے لیے بیوی کے طور پر چنا ہے۔"

حمید ابھی تک شاک کی کیفیت میں کرسی پر بیٹھا تھا رات اس نے ہلکے پھلکے انداز میں اپنی بڑی بھابھی کی بہن ضویا کے متعلق بات کی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آج ابراہیم صاحب اسے اس وقت عوزہ سے ملا رہے تھے اور ان کے جانے کے بعد عوزہ کو بہو بنانے کا ارادہ حمید پر اشکار کیا تھا جس پر وہ گنگ ہی ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں اس میں بظاہر یہ کمی ہے وہ تھوڑا غیر متوازن ہو کر چلتی ہے لیکن اس کی بے شمار خوبیوں کے سامنے یہ خامی کچھ بھی نہیں تم میرے اس فیصلے پر بہت پرسکون زندگی گزارو گے اپنے دونوں بھائیوں کی طرح بے سکون نہیں رہو گے۔" ابراہیم صاحب نے اپنے جنگلی گھوڑے کی مانند بدکتے ہوئے بیٹے کے کندھوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرنا چاہا۔

"تو دے پپا مجھے اس لڑکی سے شادی نہیں کرنی میں ضویا کو پسند کرتا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے اردگرد کبھی بدصورت پانا ممکن چیزیں دیکھنا پسند نہیں کرتا کجا کوئی انسان جو تمام عمر میری زندگی میں داخل کر دیا جائے میں تو شاید اس لڑکی کو اپنی ملازمہ رکھنا پسند نہ کروں اور آپ مجھ سے شادی کی بات کر رہے ہیں۔" حمید نے ہٹیلے

انداز میں جواب دیا۔

"تو پھر میری بھی بات غور سے سن لو حمید کہ تمہاری شادی اس لڑکی سے ہی ہوگی اگر تم اپنی ہٹ دھرمی کرنا چاہو گے اپنے بھائیوں کی طرح تمہیں علیحدہ رہنا ہوگا میرے گھر میں صرف یہی لڑکی بہو بن کر آسکتی ہے اور کوئی نہیں۔" ابراہیم صاحب نے بھی اپنا فیصلہ سنا ڈالا۔

"پپا آخر آپ سمجھ کیوں نہیں رہے ایک پرائی لڑکی کی خاطر آپ مجھے چھوڑنے کو تیار ہیں آخر ایسا کیا جادو کر دیا ہے اس نے آپ پر اور آپ میری طبیعت سے بھی واقف ہیں میں نہیں برداشت کر سکوں گا۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"دیکھ حمید میرا تجربہ تمہاری عمر سے کئی گنا ہے میں تمہاری طبیعت سے بھی واقف ہوں لیکن بیٹا میری نگاہیں جہاں تک تمہارے مستقبل میں دیکھ رہی ہیں تم وہاں تک دیکھ نہیں سکتے تمہارے دونوں بھائیوں نے بھی اپنی پسند کی شادیاں کیں کیا پایا ماں باپ سے علیحدگی اور بے سکونی میں اپنے دو جوان بیٹوں کو ایک طرح سے کھو چکا ہوں ان کی بیویوں کی اجازت ہو تو وہ بھولے بھٹکے ادھر خیریت معلوم کرنے چلے آتے ہیں ورنہ کئی کئی دنوں تک کوئی رابطہ نہیں ہوتا تمہاری ماں کو بھی یہی دکھ کھا گیا اور اس کے جانے بعد ہو ہمارے گھر کو پھر سے گھر یہ لڑکی بنا سکتی ہے حمید تم میری آخری پونجی ہو اور آخری پونجی ہر کوئی بہت سنبھال کر رکھتا ہے میں تمہارے لیے غلط فیصلہ نہیں کروں گا میرا اعتبار کرو۔ بیٹا صرف ظاہری خوبصورتی سب کچھ نہیں ہوتی اصل خوبصورتی تو اندر کی ہوتی ہے اللہ نے کسی کو بھی پرفیکٹ نہیں بنایا کیونکہ مکمل اور بے عیب صرف اس کی ذات ہے ہر انسان میں ظاہری اور باطنی طور پر کوئی نہ کوئی کمی موجود ہے عوزہ میں ظاہری طور پر کمی ہے لیکن اندر سے وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے۔" ابراہیم صاحب نے نرمی سے اپنے لاڈلے بیٹے کو سمجھانا چاہا۔

"پلیز بابا میں آپ کے لیکچر سے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتا یہ لڑکی مجھے اپنی شریک حیات کے طور پر قبول نہیں میں رات آپ کو ضویا کے متعلق بتا چکا ہوں۔" حمید نے ابراہیم صاحب کو ٹوکتے ہوئے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا اور میز سے گاڑی کی چابی اور موبائل لیکر اٹھ کھڑا ہوا۔

"حمید تمہیں میری بات ماننی ہوگی۔" نہ جانے ابراہیم صاحب کو بھی کیا ضد ہوگئی تھی ورنہ اس سے پیشتر انہوں نے اپنے بچوں پر کبھی کوئی فیصلہ مسلط نہ کیا تھا۔

"آئی ایم سوری بابا میں آپ کی بات کسی صورت نہیں مان سکتا ضویا سے آپ کو کبھی شکایت نہیں ہوگی اور پلیز مجھے اب مجبور مت کیجئے گا کہ بار بار انکار کر کے میں گستاخی نہیں کرنا چاہتا۔" حمید نے قدرے سخت اور اٹل لہجے میں کہا اور باہر کی جانب رخ کیا اس کا اس وقت آفس میں جیسے دم گھٹ رہا تھا۔

"لیکن گاڑی چلاتے ہوئے وہ ابھی آفس سے تھوڑا دور ہی گیا تھا کہ اس کا سیل بج اٹھا حمید نے ڈائیورٹنگ کرتے ہوئے سیل آن کر کے کان سے لگایا۔

"واٹ؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں اچھا میں آرہا ہوں۔ بس صرف دو منٹ میں میں پہنچ رہا ہوں۔" حمید نے فون کو تقریباً ساتھ والی سیٹ پر پٹختے ہوئے گاڑی دوبارہ آفس کی جانب موڑی۔

ابراہیم صاحب کے پرسنل سیکرٹری کا فون تھا ابراہیم صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔

☆.....☆.....☆

چوبیس گھنٹے انہیں آئی۔ سی۔ یو میں رکھا گیا ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ انہیں اچانک بہت شدید صدمہ پہنچا ہے اور حمید سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کے بابا اس موضوع کو لیکر اتنے حساس کیونکر ہو گئے جو

www.pkdigest.com

اس بات کو دل پر ہی لے بیٹھے۔

اس نے زنید اور عبید بھائی کو فون کر دیا تھا دونوں تین چار گھنٹے گزرنے کے بعد صرف دس فسٹ کے لیے آئے تھے۔ ڈاکٹرز نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ کسی قسم کی معمولی سی بھی ٹینشن ان کے لیے جانی طور پر نقصان دہ ہو سکتی ہے اور حمید کو ایسی صورت حال میں اپنے پیارے بابا کی بات ماننی پڑی تھی وہ اپنے باپ سے بے حد پیار کرتا تھا لیکن اسے عوزہ نامی لڑکی سے دیکھے بغیر نفرت سی ہو گئی تھی۔

"کاش ضویا تم ان دنوں کینیڈا نہ گئی ہوتی میرے قریب ہوتی تو شاید بابا بھی اتنا بڑا فیصلہ مجھ پر نہ تھوپتے لیکن تمہاری بے خبری کا بدلہ میں اس لڑکی سے ضرور لوں گا اس کا ہو کر بھی کبھی اس کا نہ بن رہوں گا۔" مہندی کی رات حمید نے ضویا کا سیل نمبر ٹرائی کرتے ہوئے خود سے وعدہ کیا تھا اپنی بہن کی زبانی جب سے ضویا کو حمید اور عوزہ کی شادی کی اطلاع ملی تھی وہ حمید کا فون اٹینڈ نہیں کر رہی تھی اور نہ ہی اس کے میسج کا ریسپانس دے رہی تھی اور ضویا کی جانب سے یہ خاموشی اور سرد احتجاج حمید کو اندر ہی اندر الجھائے دے رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ابراہیم صاحب کا شمار شہر کے معزز اور امیر ترین بزنس مین کے طور پر کیا جاتا تھا وہ بے حد امیر تھے لیکن دولت کا نشہ ان کے سر پر چڑھ کر کبھی نہ بولا تھا والدین کی اچھی تربیت اور تعلیم کا نتیجہ تھا کہ وہ بے حد عاجزی پسند، نرم دل اور اچھی فطرت کے انسان تھے قدرت نے ان کی انہیں عادات کی وجہ سے صاحبہ بیگم بطور تحفہ عطا کی تھی ان کی بیگم جو انہیں کی طرح سادہ طبیعت کی مالک تھیں اب حیات نہ تھیں ان کی وفات کو پانچ سال کا عرصہ گزر چکا تھا ہارٹ اٹیک تو شاید بہانہ تھا انہیں اپنے بڑے دونوں بیٹوں کی جدائی کھا گئی تھی یہ نہیں تھا کہ ان دونوں بیٹے کسی اور دیس کے باسی تھے وہ اسی شہر میں رہتے تھے لیکن ماں ان کی شکلیں دیکھنے تک کو ترس جاتی تھی ان کے دونوں بڑے بیٹوں زنید اور عبید نے اپنی شادیاں بظاہر اپنی کلاس کی لڑکیوں سے کی تھی ان دونوں کی بیویاں فیشن کی دلدادہ مغربیت پسند گھر کے کاموں سے الرجک ایک بے مقصد زندگی گزارنے کی عادی تھیں لہٰذا دونوں کا صاحبہ بیگم کے گھر میں دم گھٹنے لگا اور وہ اپنے شوہروں کو لیکر علیحدہ ہو گئیں نہ جانے انہیں ساس سسر سے کیا خوف لاحق تھا کہ وہ ہر وقت اپنے شوہروں کو ان کے خلاف الٹی سیدھی باتیں کر کے ان ترستے ہوئے ماں باپ سے دور رکھنے کی کوشش کرتی کے بچوں کو بھی اپنے دادی دادا سے ملنے نہ دیتیں اور یہی غم آخر کار صاحبہ بیگم کو دیمک کی طرح اندر ہی اندر کھا گیا۔

حمید ابراہیم صاحب کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا ایم۔ بی۔ اے۔ کی ڈگری باہر سے لیکر آیا تھا بے حد ہینڈسم، ذہین اور نفیس طبیعت کا مالک تھا ماں کی اچھی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اپنی خوبروئی کو اس نے کبھی غلط انداز میں استعمال نہ کیا تھا البتہ حسن پرست بہت زیادہ تھا فلرٹ کرنا یا حد سے گزرا وہ مرد کی کمزوری گردانتا تھا البتہ حسین لڑکیوں سے اس کی دوستی ضرور تھی وہ حسین لڑکیاں جو اس پر جان دیتی تھیں لیکن وہ پہلے دن ہی انہیں باور کرا دیا کرتا تھا کہ وہ اس کے دل کی رانی نہیں ہے اور انہیں اس معزز اور ہینڈسم لڑکے کی دوستی ہی اپنے لیے کافی محسوس ہوتی اور وہ ٹھنڈی آہ بھر کر اسی پر اکتفا کر لیا کرتیں کہ شاید یہ پتھر دل کبھی پگھل ہی جائے آخر کار حمید کی نظر اپنی بڑی بھابھی کی بہن ضویا پر گئی وہ نہایت حسین اور طرح دار لڑکی تھی آج کل وہ ضویا کے ساتھ دیکھا جا رہا تھا اور ابراہیم صاحب کے لیے یہ خطرے کی گھنٹی تھی۔

ایک روز ان کے ملاقات اپنے کاروباری دوست رحمان کی بیٹی عوزہ سے رحمان کے آفس میں ہوئی وہ جس شائستگی اور زہانت کے

ساتھ اپنے باپ سے کوئی کاروباری مسئلہ ڈسکس کر رہی تھی وہ اس کی زہانت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے دوسری ملاقات ان کی عوزہ سے رحمان کے گھر پر ہوئی جب وہ اپنے لان میں بیٹھی بڑی دلجمعی کے ساتھ اپنی دادی کے پاؤں گرم پانی سے دھو رہی تھی اور پھر اس کے بعد بے حد نرمی کے ساتھ ان کے پاؤں کی مالش کرنے لگی تھی ابراہیم صاحب کو اپنی آئیڈیل بہو کا روپ عوزہ میں نظر آیا تھا چند ایک ملاقاتوں میں وہ اس کی بہت سی خوبیوں کے معترف ہو چکے تھے صاحبہ بیگم کے جانے کے بعد گھر کی جو حالت تھی اس گھر کو ایسی ہی بہو کی ضرورت تھی انہوں نے پکا فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عوزہ کو ہی حمید کی دلہن بنا کر چھوڑے گے اس سلسلے میں انہوں نے کسی کی بھی نہ چلنے دی تھی لیکن وہ پھر بھی دونوں کو ایک نہ کر پائے تھے ورنہ اس مقدس رشتے میں بندھنے کے باوجود وہ کمرے میں بوں بیگانے اور اجنبی ہو کر سانسیں نہ لے رہے ہوتے۔

☆.....☆.....☆

کسی انجانے سے احساس نے اس کے شعور کو بیدار کیا تھا وہ آنکھیں جھپکتی ہوئی نیند سے بیدار ہوئی۔ ایک پل کو وہ اپنے اردگرد کے ماحول کو سمجھ نہ پائی بے حد چھوٹا سے کمرہ کا وارڈ روب کی الماری کے ساتھ رکھی ہوئی آئرن ٹیبل اور ایک سائیڈ پر جاؤ نماز پر وہ خود سمٹے وجود کے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔

رات دلہن بن کر وہ اس کمرے میں تو نہیں لائی گئی تھی۔

"یہ حمید کے ساتھ جچے گی کیسے؟ بے چارہ حمید!"

حمید کی بڑی بھابھی کے رات کو ادا کیا گیا طنزیہ جملہ اس کے دماغ میں جاگا تھا اور پھر دھیرے دھیرے تمام گزشتہ رات کے واقعات اس کے دماغ میں بیدار ہو گئے۔

کمرے کے سامنے بنے واش روم کا دروازہ کھلا تھا وہ دھیرے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

"بھابھی آپ لوگوں کا ناشتہ کمرے میں لگواؤں یا پھر ڈائننگ ٹیبل پر سب کے ساتھ کریں گے؟" حمید کی ایک کزن غنیزہ نے عوزہ سے بے تکلفی سے پوچھا حمید اس وقت نہا کر باہر نکل رہا تھا۔

"ارے نہیں کمرے میں کیوں بس دس منٹ ورنہ ناشتہ ٹھنڈا ہو جائے گا میں ناشتہ لگواتی ہوں۔" غنیزہ نے مسکراتے ہوئے تاکید کی اور شرارتی انداز میں میں دونوں کو دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

عوزہ بھی جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔

حمید کو بلاوجہ کمرے میں رکنا اپنی توہین لگا۔

"ارے میں محترمہ کا یہاں بیٹھ کر انتظار فرماؤں اور وہ محترمہ خواہ مخواہ خوش فہمی کا شکار ہوتی پھریں۔" بال بنا کر حمید فوراً کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ارے بیگ مین! آپ اکیلے آرہے ہیں عوزہ بیٹی کہاں رہ گئی؟" ابراہیم صاحب اکیلے آتے حمید کو دیکھ کر فوراً پوچھا۔

"بابا میرا خیال ہے میں اس سے پہلے بھی اکیلے ہی ناشتہ کرنے آتا تھا۔"

"لیکن بھیا اب تمہاری شادی ہو گئی ہے کیا بھول گئے۔" حمید کی بڑی بھابھی نے زرا طنزیہ انداز میں جتایا۔

"بھئی آپ خواتین میک اپ کو شوہر سے بھی عزیز رکھتی ہیں عوزہ تیار ہو رہی تھی میں نے سوچا آپ لوگوں میں آکر کچھ تسلی کروائی جائے۔" حمید نے ابراہیم صاحب کی دایاں جانب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بات بنائی۔

"لو بھابھی بھی آگئیں۔" غنیزہ نے

www.pkdigest.com

سب کی توجہ عوزہ کی جانب کرائی جو پنک کلر کا بے حد نفیس سفید موتیوں والا سوٹ زیب تن کیے اور سر پر ڈوپٹہ اوڑھے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی چلی آرہی تھی آوازوں سے اندازہ لگاتی ہوئی وہ ڈائننگ روم کی جانب چلی آئی تھی۔

حمید نے ایک نظر سب کے چہروں پر ڈالی کسی کے چہرے پر طنزیہ اور کسی کے چہرے پر ہمدردی کے ملے جلے تاثرات موجود تھے حمید کو عوزہ کے وجود سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"ارے واہ بھابھی آپ تو وقت کی بڑی پابند ہیں پورے دس منٹ میں تیار ہو کر آگئیں ہیں۔" عنیزہ نے سامنے دیوار پر لگے وال کلاک کی جانب دیکھتے ہوئے خوش گوار انداز میں کہا ابھی تک صرف وہی عوزہ کے ساتھ میز بانی کے فرائض نبھا رہی تھی حمید کی دونوں بھابھیاں بات کرنا تو درکنار اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھیں۔

"ہوں! اس لیے کہ میں وہی بات کرتی ہوں جس پر واقعی عمل کر سکوں۔" عوزہ نے اعتماد کے ساتھ حمید کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھتے ہوئے نرم انداز میں جواب دیا اور حمید عوزہ کا طنز سمجھ کر اندر ہی اندر تلملا اٹھا۔

"چلیے بھئی سب ناشتہ شروع کریں پھر ریناتم دونوں عوزہ بیٹی کو بیوٹی پارلر لے جانا اور باقی تم سب لوگ ولیمے کی دعوت وغیرہ کا انتظام دیکھو۔" ابراہیم صاحب نے اپنی بھابھی اور بڑی بہو کو ہدایت جاری کی۔

"لو عوزہ بیٹا ناشتہ کرو شرماتی مت رہنا یہ اب تمہارا گھر ہے او کے۔" ابراہیم صاحب نے شفقت سے آملیٹ کی پلیٹ عوزہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا اور ان کا یہ جملہ بہت سے لوگوں کا دل جلا گیا۔

☆.....☆.....☆

"حمید! بیٹھو بیٹا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" ابراہیم صاحب نے اپنے آفس میں حمید کو روکتے ہوئے کہا جو ایک ضروری کام کے سلسلے میں ان کے آفس آیا تھا اور اب اپنے آفس جا رہا تھا۔

"جی بابا کہیے!" حمید نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"رحمان صاحب کا مجھے فون آیا تھا انہوں نے ایک دوبار پہلے تمہارے سیل پر Contact کرنی کی کوشش کی تھی لیکن ان کا رابطہ نہ ہو سکا پھر انہوں نے مجھے فون کیا وہ تم دونوں کو آج رات اپنے گھر ڈنر پر انوائیٹ کر رہے ہیں۔"

"لیکن بابا!" حمید نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے ابراہیم صاحب سے کچھ کہنا چاہا۔

"Listen to me yirst my son" ابراہیم صاحب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے نرمی سے حمید کو ٹوکا اور پھر بات شروع کی۔

"ولیمے والے روز تم نے عوزہ کے ساتھ ان کے گھر جانے سے ایکسکیوز کر لی تھی کہ تم بے حد تھک چکے تھے اور دوسرا زیادہ سے زیادہ وقت تنہا تم عوزہ کے ساتھ گزارنا چاہتے تھے تاکہ جس فیصلے پر میں نے تمہیں اپنی ضد سے راضی کیا ہے تم بہت جلد اس فیصلے پر مکمل طور پر دل سے راضی ہو جاؤ یہی کہا تھا ناں تم نے مجھ سے۔" ابراہیم صاحب نے حمید سے تصدیق چاہی اور حمید کا سر اثبات میں ہلتے دیکھ کر پھر مزید گویا ہوئے۔

"تمہاری بات اس روز میں نے سمجھ لی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس روز صاف گوئی سے کام لیا لیکن بیٹا دنیاوی رسموں کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں مجھے آج رحمان صاحب کو انکار کرنا مناسب نہیں لگا میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تم دونوں آج شام آرہے ہو اور چونکہ کل سنڈے ہے لہٰذا کل کا دن بھی وہیں گزارو گے۔" ابراہیم صاحب نے پروگرام سے آگاہ کیا۔

"ہونہہ! اس رشتے کو دل سے قبول کرنا ناممکن ہے بابا۔" حمید نے دل میں ابھرتے ہوئے غصے کو دباتے ہوئے دل میں ابراہیم صاحب کو جواب دیا۔ کیونکہ باپ کے چہرے کا اطمینان اس کی سچائی میں رکاوٹ بن گیا تھا۔

"ٹھیک ہے بیا ایزوش میں عوزہ کو فون کر کے رات کے پروگرام کے بارے میں بتا دوں گا۔" حمید نے زبردستی اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا اور آفس سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

"Impassible! اب میں اسے فون کر کے یہ کہوں کہ وہ تیار رہے رات ہم دعوت پر جا رہے ہیں ایک ہفتے سے میں اس بے تکے بندھن کو سب کی نظروں میں باخوبی نبھا رہا ہوں لیکن اپنے کمرے میں ہم دونوں تو اول روز کی مانند اجنبی ہیں۔

ولیمے والے دن لوگوں کی طنزیہ باتیں مجھے بھول تو نہیں گئیں۔" حمید نے اپنے آفس میں غصے سے کھولتے ہوئے سوچا۔

"بھئی قسمت کے کھیل ہیں ایک کالی وہ بھی کرموں والی....."

"ارے صرف کالی نہیں لنگڑی بھی!"

"حمید کو بھلا لڑکیوں کی کمی تھی جو.....؟"

"بے چارہ حمید.....! چہ.....چہ!"

ایسے بہت سے ہمدردی میں چھپے طنزیہ جملے حمید کے کانوں میں ولیمے کے روز پڑھے تھے اور اس کا جی چاہا تھا کہ بوتل گرین لہنگے میں ملبوس عوزہ کا گلا گھونٹ دے وہ آج لوگوں میں یوں تماشہ نہ بنتا تھا کچھ اور تو ہوتا لیکن ابراہیم صاحب کو اس نے بہانہ بناتے ہوئے عوزہ کے ہمراہ اس کے میکے جانے سے انکار کر دیا تھا اور ابراہیم صاحب نے نہ جانے کس طرح رحمان فیملی کو مطمئن کر کے بھیجا تھا وہ نہیں جانتا البتہ وہ لوگ گھر نہیں جا رہے یہ جان کہ عوزہ کا چہرہ ایک پل کو بجھ سا گیا تھا یہ دیکھ کر اسے خوشی سی محسوس ہوئی تھی اور آج وہ اسے فون کر کے کہے کہ انہیں ڈنر پر جانا ہے ہرگز نہیں۔"

حمید نے یہ سب سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور اپنے سیل ایک نمبر ملانے لگا یہ جانے بغیر کہ ابراہیم صاحب اس سے پیشتر عوزہ کو رات ڈنر کے بارے میں مطلع کر چکے ہیں۔

"اوہ شویا پلیز پک اپ دی فون یار! کتنے دنوں سے ٹرائی کر رہا ہیں لیکن تم میرا فون نہیں اٹھا رہی پلیز یار ایک بار صرف ایک بار مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع تو دو تم جیسی حسین لڑکی کے علاوہ میں کسی اور لڑکی کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

دوسری جانب مسلسل جاتی ہوئی بیل پر حمید نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور کچھ دیر بعد سیل کو جھنجھلا کر گلاس ٹیبل پر پٹخ دیا۔

☆.....☆.....☆

"عوزہ! تم خوش تو ہو نہ؟ حمید کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" دادو نے عوزہ کو اپنے ساتھ لپٹائے ہوئے قدرے تفکر سے پوچھا۔

"جی دادو میں خوش ہوں حمید اچھے ہیں اور ویسے بھی آپ نے میری طبیعت میں قناعت پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔"

عوزہ نے مطمئن انداز میں اپنی دادو کے تفکرات کو دور کرنا چاہا جانتی تھی کہ اگر اس گھر میں اس کے بارے میں فکر مند کوئی ہوگا تو وہ اس کی دادو ہی ہوگی لیکن زندگی نے جو نئی آزمائش اس کے سامنے رکھی وہ پچھلی مشکلات جیسی نہ تھی کہ جس میں وہ اپنی دادی کی کمزور لیکن محبت بھری بانہوں میں پناہ لیکر اس مشکل سے گزر جاتی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی دادی اس کی نئی زندگی کی اصل حقیقت جان کر بڑھاپے میں دکھی ہوں۔

"اچھا اللہ کا شکر ہے ورنہ جی کو دھڑکو سا لگا ہوا تھا تمہاری شادی بھی آناً فاناً ہوئی حمید بچے سے میں شادی سے پہلے ایک دفعہ ہی ملی تھی وہ مجھے

www.pkdigest.com

کچھ الجھا ہوا سا لگا بظاہر تو اپنے باپ کے پاس بیٹھا سب کے ساتھ ہنس بول رہا تھا لیکن میری تجربہ کار آنکھیں کہہ رہی تھیں جیسے وہ یہ سب اوپری دل سے کر رہا ہو اور پھر ولیمے کے روز تم دونوں سب کے ساتھ آئے بھی تو ہاں دل اور پریشان ہو گیا اسی لیے تم سے پوچھ رہی تھی۔" عوزہ جو دادو کی گود میں منہ چھپائے ان کے ساتھ ہی بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی بے حد ضبط کے باوجود ایک آنسو اس کی گرفت سے نکل کر اپنی دادو کی گود میں جذب ہو گیا۔

"یہ سوال تو آج میری ماں کو مجھ سے کرنا چاہیے تھا لیکن وہ تو ابھی میرے بارے میں اتنی فکر مندی سے سوچ ہی نہیں پائیں اب بھی سب کے درمیاں بیٹھیں بس باتوں کو انجوائے کر رہی ہیں ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ عوزہ کیسی ہو؟ جانی تم خوش تو ہو؟ بس ایک بوجھ تھی میں ان پر جو فوراً اتار پھینکا۔" عوزہ نے بس اپنے دل سے شکوہ کیا۔

"نیند آ رہی ہے کیا؟ اب یہاں مت سو جانا تمہارا شوہر کیا سوچے گا؟" دادو نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"کچھ نہیں سوچے گا وہ جانتے ہیں میں آپ سے کتنی اداس ہو رہی تھی اور ویسے بھی باہر سب کی محفل جمی ہوئی ہے کافی دیر تک جاگے گیں یہ لوگ میں اتنی دیر آپ کے پاس لیٹوں گی۔" عوزہ نے زبردستی اپنے لہجے میں بشاشت سموتے ہوئے جواب دیا۔

باہر سے قہقہوں کی آوازیں انہیں بخوبی سنائی دے رہی تھیں حمید پہلے تو کچھ دیر سنجیدہ اور بیزار سا بیٹھا رہا کھانا بھی تکلف سے کھایا لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ ان سب میں گھلنے لگا اپنے جیسے حسین لوگوں کے درمیاں وہ دھیرے دھیرے relax ہوتا چلا گیا اور اب وہ سب کے درمیان باتوں کو کافی انجوائے کر رہا تھا سپیشل فیصل اور ماہ روش سے اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

"کتنی خوبصورت ہیں عوزہ کی جیا اس عمر میں بھی بے حد سمارٹ۔ آخر یہ کس پر چلی گئی چلو پاؤں میں نقص تو قدرتی ہے لیکن رنگ روپ بھی تو ان لوگوں جیسا نہیں پتہ نہیں ان کی اصل بیٹی ہے یا کوئی لے پالک۔" حمید نے ایک بار بھی عوزہ کی کی اس محفل میں محسوس نہ کی تھی سوچا تو بس یہی سوچا۔

☆......☆......☆

خمار آلود آنکھوں کے ساتھ وہ حمید کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور بنا کچھ کہے وہ اپنے بیڈ سے تکیہ اٹھا کر صوفے پر رکھ کر فوراً سو بھی گئی تھی۔ حمید کو اس کا یہ انداز بے حد چبھا تھا پہلے کی ساری خوش مزاجی ختم ہو گئی تھی۔ اسے تو توقع نہیں تھی کہ وہ ایسی بے نیازی کا اظہار کرے گی حمید کے گھر تو وہ پہلے دن سے ہی بیڈ روم کے ساتھ ملحق چھوٹے سے سٹور نما کمرے میں ڈیرے جمائے ہوئے تھی حمید اور وہ اپنے کمرے سے باہر اچھے میاں بیوی کا روپ دھارے رکھتے ان فیکٹ حمید خود کو آفس کے کاموں میں رات گئے تک الجھائے رکھتا یا پھر دوستوں کی طرف زیادہ وقت لگا کر آتا اور اس کے آنے تک یا تو وہ اپنے کمرے میں جا کر سو چکی ہوتی یا بابا کے ساتھ ان کے سٹڈی روم میں شطرنج یا گپ شپ چل رہی ہوتی اس لیے سب کے درمیاں انہیں بہت کم موقع ملتا خوش مزاج میاں بیوی بننے کا۔

"ہونہہ کمپلیکس کی ماری ہوئی۔" حمید بیڈ پر لیٹتے ہوئے دھیرے سے بڑبڑایا اور اپنے سیل پر ضویا کا نمبر ملانے لگا جو اس نے حسب معمول اٹھایا نہیں سیل کو بیڈ پر پھینکتے ہوئے وہ یونہی کمرے کا دیکھنے لگا فی الحال اسے انجانے کمرے میں ان چاہی صورت حال سمیت نیند نہیں آ رہی تھی۔ سو وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا ماہ روش نے اسے بتایا تھا کہ پورے گھر کی سجاوٹ صرف عوزہ نے خود کر رکھی ہے اور اسے دل میں اس سجاوٹ کی خوبصورتی کا معترف ہونا پڑا تھا ہر خوبصورت چیز کی

تعریف اس کا دل بے اختیار کر اٹھتا تھا یہی اس کی کمزوری تھی۔

"کمرہ سادہ لیکن ایک ذہنی سکون لیے ہوئے تھا آف وائٹ اور کافی رنگ امتزاج سے کمرے کو سجایا گیا تھا کلر سکیم انوکھی اور مختلف تھی پردے، قالین اور صوفے میں کہیں نہ کہیں کاسنی رنگ شامل کیا گیا تھا ایک بڑی سی ایک شلیف اپنے مالک کی باذوقی کا منہ بولتا ثبوت تھی اس پر کاسنی رنگوں کے پھولوں کا گلدان بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا بیڈ کی سامنے کی دیوار پر ایک پینٹنگ لگائی گئی ہوئی تھی پینٹنگ کی تھیم بے حد اچھی تھی سے آسماں کے بیچ دو مضبوط ہاتھ دعا کے لیے بلند تھے جن کے درمیان تسبیح پڑی ہوئی تھی ایک سائیڈ پر مختلف مسجدوں کی مینار بنائے گئے تھے اور سورج اپنی آب و تاب بکھیر رہا تھا پینٹنگ کی خاص بات دونوں ہاتھوں کے درمیان انگلیوں کی لکیروں میں لکھا ہوا اللہ تھا۔

"ہوں نائس۔ ڈیکوریشن لیکن اس کمرے میں ایک ہی چیز ان فٹ ہے اور وہ ہے سامنے صوفے پر سوئی ہوئی لڑکی۔" حمید نے آخر میں عوزہ کے سوئے وجود پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا جو سر سے پیر تک چادر اوڑھے سوئی ہوئی تھی اور پھر خود بھی سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆......☆......☆

"اوہ! واؤ اٹس ویری نائس ویری بیوٹی فل پینٹنگ!" حمید نے ایک جگہ رکتے ہوئے سامنے دیوار پر لگی تصویر کو سراہا۔

"آپ کو پسند آئی۔" ماہ روش نے مسکراتے ہوئے پوچھا جو اس وقت ناشتے کے بعد حمید کو پورا گھر دکھا رہی تھی اور ہر خوبصورت انوکھی چیز کے پیچھے عوزہ کی کاوش ہے بتا رہی تھی جب حمید لاؤنج میں لگی ایک دیوار پر بڑے سائز کی پینٹنگ دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"لیس آف کورس اس کا تھیم بہت خوبصورت ہے۔" حمید نے اثبات میں سر ہلایا۔ تصویر میں ایک نازک اور خوبصورت سراپے والی لڑکی بال بکھیرے پھولوں کے درمیان دلکش انداز میں بیٹھی تھی مغلیہ طرز کی بڑی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور جو چیز دیکھنے والے کو اس تصویر میں چونکاتی تھی وہ تھا اس کے ارد گرد شیشے کا کرچیوں میں ٹوٹا ہونا اور ایک ٹوٹے شیشے کی نوک دار کرچی اٹھائے وہ اس میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی عکس میں اس کا چہرہ شیشے میں آئی دراڑوں میں بٹا ہوا تھا جس سے اس کا چہرہ ایک عجیب سا تاثر قائم کر رہا تھا۔

"آپ کو معلوم ہے یہ کس نے بنائی ہے؟"

"نہیں لیکن اب ہر بات کی طرح یہ مت کہہ دینا کہ یہ پینٹنگ بھی عوزہ نے بنائی ہے۔" حمید نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ماہ روش کو چھیڑا۔

"ڈونٹ ٹل می ریئلی عوزہ نے بنائی یہ پینٹنگ۔" حمید نے حیران ہوتے ہوئے ماہ روش کو دیکھا جس کی مسکراہٹ واضح طور پر اعلان کر رہی تھی کہ یہ پینٹنگ عوزہ نے ہی بنائی ہے۔

"تو عوزہ نے یونیورسٹی سے فائن آرٹ کی ایجوکیشن لی ہے۔" حمید نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے ماہ روش سے یونہی پوچھ ڈالا۔

"یونیورسٹی.....! OK وہ فائن آرٹ.....! جناب عوزہ نے پرائیویٹ ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی ہے اور وہ بھی فرسٹ ڈویژن میں یونیورسٹی سے بھی تو گولڈ میڈلسٹ ہوئی۔ پینٹنگ بنانا تو اس کی جسٹ ہوبی ہے اور اس کی اس نے کہیں سے تعلیم حاصل نہیں کی پورے گھر میں اس کے ہاتھوں کی بنی پینٹنگز لگی ہوئی ہیں۔"

"واٹ؟ عوزہ نے ایم۔بی۔اے کسی یونیورسٹی سے نہیں کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" حمید چونک کر ماہ روش کی طرف پلٹا۔

"وہ میرا کلاس فیلو تھا یونیورسٹی میں ہم دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے لیکن معاشرتی

طور پر ہماری کلاسز کا فرق ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر گیا۔"

عوزہ کا پہلی رات کا کہا جملہ حمید کے دماغ میں کھٹک ہوا۔ مرد کبھی اس بات کو نہیں بھولتا کہ عورت نے اس کے مقابل کسی اور مرد کو کھڑا کیا چاہے خود وہ عورت کے مقابل ہزار عورتیں نے آئیں کر۔

"اصل میں عوزہ کو جب یونیورسٹی ایڈمیشن لینا تھا تو ان دنوں میں دادو پر فالج کا اٹیک ہوا اور ان کی بائیں ٹانگ اور بازو بالکل مفلوج ہو گئے عوزہ دادو کی دیکھ بھال کا زمہ اپنے سر لے لیا ہم لوگوں نے بے حد سمجھایا لیکن اس نے پرائیوٹ ایم۔ بی۔ اے کیا اور عوزہ کی انتھک محنت کا نتیجہ ہے کہ دادو اب وہیل چیئر پر آرام سے بیٹھ سکتی ہیں وہ تو اس وجہ سے شادی پر بھی راضی نہیں تھی لیکن بابا نے سسٹر رضیہ کو دادو کے لیے ہائیر کر لیا اور میں نے بھی گارنٹی دی تب مانی۔ لیکن آپ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں؟ کیا زوئی نے آپ کو یہ سب نہیں بتایا؟" ماہ روش نے ایک دم چونکتے ہوئے حمید سے پوچھا۔

بھئی ہماری شادی کو صرف چند دن ہوئے ہیں ابھی تو پیار محبت کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے ایک دوسرے کے بارے میں جاننے کے لیے عمر پڑی ہے یونو۔" حمید نے شرارتی انداز میں ماہ روش کو جواب دیا اور روش بات کا مطلب سمجھ کر خود بھی مسکرانے لگی۔

"آیئے باہر لان میں چلتے ہیں دھوپ اچھی لگ رہی ہے اور یقیناً آپ کی مسز اپنے لگائے پودوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگی اسے باغبانی کا بہت شوق ہے اور اس کے بارے میں اس کی معلومات حیرت انگیز ہیں۔" حمید کے لیے یہ انکشاف خوش کن تھا کیونکہ باغبانی کا وہ خود بھی بہت شوق رکھتا تھا جب بھی وہ وقت ملتا اپنے گھر کے پودوں کی ردو بدل اور باغبانی وہ خود ہی سرانجام دیتا۔

"عوزہ نے مجھ سے جھوٹ بولا یونیورسٹی فیلو کا محض قصہ ہے یا.....؟" حمید کو عوزہ کی یہ بات اندر ہی اندر الجھا گئی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آخر عوزہ نے جھوٹ کیوں بولا۔

☆.....☆.....☆

"دادو! میں اللہ میاں جی کے پاس جا کر ایک بار یہ ضرور پوچھوں گی کہ انہوں نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ آخر میں ہی کیوں؟" سات سالہ عوزہ نے اپنی دادو کی نرم آغوش میں نم آنکھوں کے ساتھ منہ چھپاتے ہوئے بولی۔

"شی! بری بات بیٹا ایسے نہیں کہتے اللہ سے ملنے کا شوق اس لیے تو نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس سے مل کر گلے شکوے کر سکے بلکہ یہ شوق تو اس کے دیدار کا ہونا چاہیے اور اللہ تمہاری عمر دراز کرے ہمیں اللہ میاں جی سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں اپنے ان نیک بندوں میں شامل کرے جس سے وہ خود ملاقات کرنا پسند کرے گا اور جو نیک بندے وہ ہوتے ہیں جو اس دنیا میں صبر کرتے ہیں چھوٹی چھوٹی آزمائشوں کو برداشت کرتے ہیں اور میری عوزہ جان تو بہت بہادر ہے۔" دادو نے اسے نرمی سے سمجھایا۔ یقیناً پھر کوئی ایسی بات ہوئی تھی جس سے ننھی عوزہ ہرٹ ہوئی تھی۔

"اچھا اب میرا بچہ بتائے کہ کیا بات ہوئی؟" دادو نے پیار سے پوچھا۔

"باہر لان میں سب کرکٹ کھیل رہے ہیں جب میں بیٹ پکڑ کر کھیلنے لگی تو مینا آپی نے مجھ سے یہ کہتے ہوئے پیٹ لے لیا کرافوہ زوئی اب تم ہمارا ٹائم ویسٹ کرو گی آدھے گھنٹے میں تم نے ایک رن بنانا ہے اور دادو باقی سب ہنسنے لگے اور پھپھو کا بیٹا احسن مجھے عوزہ کوزہ..... چوزہ کہنے لگا۔" یہ کہہ کہ عوزہ رونے لگی۔

"وہ سب نادان میں ظاہر کی دیکھتے ہیں اندر کی خوبصورتی سے ناآشنا ہیں۔" عوزہ نے دادو کی جانب دیکھا۔

"دیکھو بیٹا روتے ہوئے کے ساتھ ملکر کوئی نہیں روتا اور ہنستے ہوئے کو کوئی ہنستا نہیں دیکھ سکتا یہ دنیا کا دستور ہے اگر تم خود اپنی کمی پر شرمندہ ہو تو کس اور کو کیا پڑی ہے کہ وہ تمہیں حوصلہ دے تمہارا دل نہ دکھائے۔"

لیکن دادو میں تو ان کے ساتھ کھیلنا چاہ رہی تھی اور یہ صرف آج کی بات تو نہیں آپ نے دیکھا ہی ہے مینا آپی ہمیشہ مجھے ہرٹ کرتی ہیں مما بھی انہیں کچھ نہیں کہتیں بلکہ مما تو جیسے مجھے اپنی بیٹی ہی نہیں مانتیں بہت کم سب کے ساتھ پارٹیز میں لیکر جاتیں ہیں کوئی مہمان آجائے تو شرمندگی سے تعارف کراتی ہیں یا مجھے اپنے کمرے اس دن بابا سے کہہ رہی تھیں کہ ہماری تمام اولاد ہم دونوں پر ہے اور یہ عوزہ تو سب کے سامنے شرمندہ کروا تی ہے سب کہتے ہیں یہ ہماری بیٹی نہیں۔ کیا میں واقعی ان کی بیٹی نہیں ہوں؟" عوزہ نے بوجھل دل کے ساتھ اپنوں کے رویوں کے بارے میں بتایا وہ بے حد حساس تھی اور اس عمر میں ہر چیز کو بغور دیکھتی اور سمجھتی تھی۔

عوزہ کی دادی کا دل بوجھل ہو گیا ان کی خوبصورت طرح دار نازک مزاج بہو جانے انجانے میں اپنی سگی اولاد کی شخصیت کو بتاہ کر رہی تھی۔

"عوزہ کیا تمہیں پتہ ہے تمہارے نام کا مطلب کیا ہے؟"

نہیں دادو لیکن وہ احسن اور فیصل مجھے ہر وقت کوزہ چوزہ کہہ کر پکارتے ہیں مجھے اپنا نام پسند نہیں آپ کو کوئی اور نام نہیں تھا ملا۔" عوزہ نفی سے سر ہلاتے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

"ان کی تم پرواہ مت کرو۔ تمہارے نام مطلب ہے بند کلی تم نے اپنے لان میں گلاب کا پودا تو دیکھا ہے ناں۔" دادو نے پوچھا۔

"جی دادو مجھے گلاب کے پھول بہت اچھے لگتے ہیں۔" عوزہ نے جھٹ شوق سے جواب دیا بچوں کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ بہت جلد تلخ باتیں بھول کر نئی کھوج اور جستجو میں لگ جاتے ہیں۔

"تو بیٹا جانی آپ نے دیکھا ہے ناں کہ اس پودے پر کچھ سرخ گلاب کھلے ہوتے ہیں اور کچھ گلابی کلیاں ہوتی ہیں جو سبز پتوں میں لپٹی بڑی پیاری لگتیں ہیں تو بیٹا تم بھی ایسی ہی کلی ہو بظاہر دیکھنے میں بند پھول کی ڈوڈی لیکن اندر سے بے حد خوبصورت، نازک، ملائم اور بھینی سی خوشبو سمیٹے ہوئے۔ تم ان لوگوں سے کمتر نہیں ہو بلکہ ان سے مختلف ہو اور یہی تمہاری خوبی ہے تم ان لوگوں میں خاص ہو اس بات کو تمہیں خود سمجھنا اور جاننا ہوگا اپنی قدر خود کر بیٹا دل چاہے جتنا مرضی دکھی ہو لیکن اوپر سے تمہیں ہنستے ہوئے اعتماد کے ساتھ ان رویوں کا سامنا کرنا ہے بہت جلد یہ لوگ تمہیں ستانا چھوڑ دے گیے۔ دادو کی بات سن کہ عوزہ کو یوں محسوس ہونے لگا کہ وہ واقعی سب میں مختلف اور خاص ہے۔

"وہ تمہیں اگر نہیں کھلاتے تو نہ ہی تم خود اپنے آپ کے ساتھ کھیلو ابھی باہر جاؤ اور سب سے علیحدہ خود فٹ بال کے ساتھ کھیلو تمہیں میری باتوں پر یقین آجائے گا بیٹا دنیا کے پیچھے جتنا بھاگنے کی کوشش کرو گی یہ آگے ہی بھاگے گی اپنی عمل سے اور اعتماد سے اور اللہ کے بھروسے سے اسے اپنے پیچھے بھاگاؤں جاؤ شاباش تم خود کھیلو اور اس کا نتیجہ دیکھو۔" دادو نے اسے اٹھاتے ہوئے حوصلہ دیا اور عوزہ ایک نئے جوش کے ساتھ فٹ بال لے کر باغ میں چلی آئی جہاں سب بچے بڑے جوش خروش کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں مشغول تھے قدرے تنہا گوشے کا انتخاب کر کے وہ اکیلی فٹ بال کے ساتھ کھیلنے لگی۔

"میں ان میں خاص ہوں میں بہادر ہوں مجھے انہیں اپنی کمزوری پر ہنسنے نہیں دینا۔" یہ الفاظ دل ہی میں دہراتی وہ اپنے کھیل میں مگن تھی

www.pkdigest.com

جب ماہ روش چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی جانب چلی آئی۔

"زوئی میں بھی تمہارے ساتھ کھیلوں میں دوسری سائیڈ پر کھڑی ہوتی ہوں تم میری طرف کک لگا کر فٹ بال پھینکو میں تمہاری طرف۔" ماہ روش نے عوزہ کے قریب کھڑے ہو کر اس سے اجازت مانگی اور عوزہ کو پہلی دفعہ ایک انجانی خوشی کا احساس ہوا وہ اس کے ساتھ کھیلنا چاہتی ہے اس کی مرضی کے ساتھ اسے مجبور کر کے نہیں اور دوسرا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

"ہوں......!اچھا ٹھیک ہے۔" اور پھر وہ دونوں کھیلنے لگیں۔

باقی بچوں کو بھی اپنے رویے کا احساس ہوا اور ان میں سے کچھ کرکٹ چھوڑ کر ان دونوں کے ساتھ گیم میں شریک ہو گئے۔

"دادو نے مجھے جس انداز میں یہ سبق سکھایا اسے میں نے تمام عمر کے لیے پلے باندھ لیا میں نے جان لیا کہ اگر میں خود اپنی کمزوری یا کسی احساس کمتری کا شکار ہوں گی تو لوگ مجھے شدت سے اس کا احساس دلاتے رہے گے لہٰذا میں نے اپنی کمی کی دریافت کرنے کی بجائے اپنے اندر کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو دریافت کرنا شروع کر دیا۔

"لیکن زندگی سے میں نے ایسا ضرور چاہا تھا کہ وہ مجھے میری کمی سمیت میرے صلاحیتوں کے ساتھ مجھے قبول کرتا لیکن زندگی آپ کو وہ سب کچھ نہیں دیتی جو آپ چاہتے ہیں زندگی میں ہر چیز کی قیمت ہے سوائے محبت کے۔" حمید نے بلیک ڈائری کا یہ صفحہ پڑھ کر ڈائری بند کر دی۔

"میں بہت بد قسمت ہوں زوئی جو تمہیں جان نہ پایا تمہاری خوبصورتی کو دیکھ نہ پایا زندگی ہر چیز کی قیمت ہے سوائے محبت کے پچ زوئی سوائے محبت کے۔" حمید نے بند کمرے میں آنکھیں موندے سوچا لیکن وقت ٹھہرتا نہیں دیر ہو چکی تھی بہت دیر۔

☆......☆......☆

"بابا کیا واقعی عوزہ رحمان صاحب کی ہی اولاد ہے؟" یہ بات حمید نے اس روز رحمان والا سے واپس آ کر یونہی ابراہیم صاحب سے پوچھی تھی۔

"بالکل بیٹا اس میں کوئی شک نہیں جب عوزہ پیدا ہوئی اس وقت تمہاری مما کو ٹائیفائیڈ ہوا تھا وہ بھی ہوسپٹل ایڈمٹ تھیں میں خود اس وقت رحمان کے ساتھ ہوسپٹل موجود تھا۔ تم عوزہ بیٹی کی دادی سے ملے ہو۔" ابراہیم صاحب نے اس کا شک دور کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی بابا بہت شفیق اور نرم خو سی خاتون ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"اب جب ان سے ملو تو ذرا غور سے دیکھنا عوزہ شکل صورت کے لحاظ سے اپنی دادی پر گئی ہے۔ عوزہ کے دادا بہت حسین اور ہینڈسم انسان تھے رحمان انہیں کا پرتو ہے پھر عوزہ کی والدہ دونوں چاند سورج کی جوڑی مشہور تھے اور ہیں ان کے سارے بچے اپنے والدین پر گئے ہیں سوائے عوزہ کے لیکن بیٹا اصل خوبصورتی تو اندر کی ہوتی ہے سیرت کی ہوتی ہے اب تمہیں اس میں شک تو نہیں ہونا چاہیے۔"

"آف کو اس بابا بس میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔" حمید نے فوراً کہا اور اسی روز عوزہ نے لاؤنج میں بیٹھے آفس جوائن کرنے کی اجازت مانگی اور ابراہیم صاحب نے اپنی لاڈلی بہو کی بات فوراً مان لی حمید کو اس کے شاطر ذہن کی داد دینی پڑی تھی کیونکہ اس نے ابراہیم صاحب کے سامنے سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا تھا کہ حمید کو اس پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ خود عوزہ کو آفس جوائن کرنے کا کہہ رہے ہیں اور حمید کو خاموش ہونا پڑا تھا اور پھر عوزہ بے حد احسن طریقے سے گھر اور آفس چلانے لگی تھی وہ بے ڈسپلنڈ تھی گھر میں ایک عجیب نکھار اور سکون در آیا تھا وہ اپنے ہاتھوں سے رات کا کھانا تیار کرتی

اور صبح کا ناشتہ اپنی موجودگی میں بنواتی لنچ ٹائم وہ تینوں آفس میں کرتے عوزہ کچھ نہ کچھ ضرور ابراہیم صاحب کی پسند کا بناتی حمید سے اس نے ایک بار بھی اس کی فیورٹ ڈش کا نہ پوچھا تھا آفس سے وہ تین بجے تک واپس آ جاتی اور پھر اس کے بعد وہ گھر کی دیکھ بھال کرتی حمید کے لگائے پودوں میں کچھ اور نئے پودوں کا اضافہ ہو چکا تھا لان بے حد خوبصورت اور جاذب نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔ سب کچھ اپنی جگہ پر ٹھیک اور پر سکون چل رہا تھا سوائے دونوں کے رشتے کے وہ دونوں آج بھی اپنے کمرے میں اجنبی اور بیگانے تھے وہ حمید کے کمرے میں آنے سے پہلے اپنے سٹور کمرہ میں چلی جاتی جب حمید کمرے میں آتا تو وہ دھیرے سے کمرے کو لاک کر دیتی موسم بدل رہا تھا ایک چھوٹا سا ٹیبل فین یقیناً عوزہ کے لیے ناکافی تھا لیکن وہ اسی پر گزارہ کر رہی تھی یہ دونوں کی انا کی جنگ تھی اور ہار نے پر کوئی بھی تیار نہ تھا دوستی تو بہت دور کی بات تھی۔

☆......☆......☆

ہوا!
مجرم اس کی آہستہ آہستہ کھلتی ہوئی آنکھ
سے
خواب کی کرچیاں چننے جائے تو کہنا
کہ ہم جاگتے ہیں
ہوا اس سے کہنا
کہ جو ہجر کی آگ جیتی رتوں کی ملتا ہیں
رگوں سے الجھتی ہوئی سانس کے ساتھ
کسی دن
انہیں رات کے سرد ہاتھ خیرات میں نیند
کب دے سکے ہیں
ہوا اس سے کہنا
کہ ہم نے تجھے کھوجنے کی بھی خواہشوں
کو
اداسی کو دیوار میں چن دیا ہے
ہوا اس سے کہنا
ہوا کچھ نہ کہنا......!
ہوا کچھ نہ کہنا......!!

آج ہفتہ تھا اور اسے یونیورسٹی سے چھٹی تھی بوجھل آنکھوں کو جھپکتے ہوئے اس نے اٹھنے کی کوشش کی آج سارا دن وہ اپنے پانچ سالہ گپلو سے بھانجے بلال کے ساتھ گزارتی تھی اس کے ماں باپ آج کے دن بھی کاموں میں الجھے ہوتے تھے شب و روز گھڑی کی سوئی مانند ٹک ٹک کرتے بیت رہے تھے۔

رات جدائی اور ہجر کی تڑپ لیکر آتی تھی کبھی آنسوؤں کی برسات ہوتی تھی کہ اداسی کی چاندنی دن کاموں کے ساتھ ہر پل اس کی یاد کو ساتھ لیکر چلتا تھا کوئی کوئی لمحہ کوئی واقعہ اس کا دل و دماغ نہ جانے کیوں اس کے نذر ہے تھے ورنہ کسی کو بھول جانا ناممکن تو نہیں یہ اس کا خیال تھا کلاس لیکر وہ فوراً گھر آنے کی کرتی وہ کافی حد تک تنہائی پسند ہو چکی تھی دو ماہ کا عرصہ بیت گیا تھا اور اس نے ابھی تک اپنی کسی کلاس فیلو سے سوائے ہیلو ہائے تک سے آگے بات نہ بڑھائی تھی اور یہاں گوروں کی بھی خوبی اسے پسند آئی تھی کہ کوئی بھی بلاوجہ کسی کی زندگی میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش نہ کرتا ہے۔

یونہی لیٹے لیٹے اس کی آنکھوں کے پیچھے بیتے دنوں کی صبح کا ایک منظر انگڑائی لیکر بیدار ہوا۔

اس روز وہ اپنے کمرے سے تیار ہو کر حمید کے ہمراہ آفس جانے کے لیے نکلی تو حمید کو بیڈ پر سوتے دیکھ کر ٹھٹک گئی حمید کو اس کی طرح صبح خیزی کی عادت تھی وہ رات کتنی مرضی دیر سے سوئے صبح جلدی ہی اٹھتا اور بے حد ڈسپلن سے آفس جانے کے لیے تیار ہوتا عوزہ کو حمید کی وقت کی پابندی کی عادت بہت بھاتی تھی۔

"اب میں کیا کروں جگاؤں یا سویا رہنے دوں مگر پاپا بابا کو ان کے بارے میں کیا بتاؤں گی۔" عوزہ کشمکش و پیچ کا شکار تھی۔

www.pkdigest.com

"چلو جگانے کی کوشش کرتی ہوں اب پتہ نہیں محترم جگانے نے پہ کس قسم کا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔" عوزہ چند قدم اٹھا کر حمید کے بیڈ کے قریب سوچتے ہوئے چلی آئی۔

"حمید!"

"حمید اٹھ جائے آفس کا وقت ہو رہا ہے۔" عوزہ نے حمید کو جگانے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" اچانک اس کی نظر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے حمید کی سیل پر پڑی اور اس نے اپنے سیل سے حمید کا نمبر ملایا۔

موبائل مدھم ٹون کے ساتھ بجنے لگا لیکن حمید کے سوئے وجود میں کسی قسم کی حرکت نہ ہوئی وہ منہ تکیے پر سر رکھے بے خبر سو رہا ہوا تھا۔

"یا اللہ خیر یہ اٹھ کیوں نہیں رہے۔" عوزہ پریشان ہو اٹھی اور جلدی سے حمید کی کلائی پر ہاتھ رکھا نبض چیک کرنے کے لیے۔

"اوہ مائی گاڈ اتنا تیز بخار۔" وہ فوراً سیدھی ہوئی اور تیز مگر غیر متوازن قدم اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ہوں! ٹمپریچر تو کافی ہے اور اسی وجہ سے نیم بے ہوشی طاری ہے لگتا ہے موصوف رات باہر بارش میں بھیگتے رہے ہیں موسم بدل رہا ہے دن میں کچھ گرمی ہوتی ہے تو رات میں ابھی بھی ٹھنڈ ہوتی ہے یہ مارچ اپریل کے مہینے یونہی ہوتے ہیں خیر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں دوائیاں لکھ رہا ہوں ہوش آنے پر کچھ ہلکا پھلکا کھلا کر دیجیے گا اور اتنی دیر تک ٹھنڈے پانی پٹیاں کریں انشاء اللہ جلد آرام آجائے گا۔"

ڈاکٹر نعیم جو بے حد باتونی واقع ہوتے تھے حمید کا چیک اپ کرتے ہوئے ابراہیم اور عوزہ دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی دوائیوں کا نسخہ لکھ کر ابراہیم صاحب کو پکڑایا ڈاکٹر ابراہیم صاحب کے پڑوسی اور اچھے دوست تھے۔

ڈاکٹر اور ابراہیم صاحب دونوں کمرے سے باہر نکل گئے عوزہ جلدی سے ٹھنڈا پانی ایک برتن میں ڈال کر لے آئی اور ایک کپڑے کی پٹیاں بنا کر بے سدھ پڑے حمید پر رکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

"آہ!..... پانی..... پانی....."

بیزار اور بے چین رات کا نجانے کونسا پہر تھا جب حمید نے کروٹ بدلتے ہوئے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری اور غنودگی میں پانی کے لیے پکارا۔

عوزہ جو دن بھر سے حمید کے پاس ہی رہی تھی ایک کرسی پر بیٹھی اونگھ گئی تھی فوراً اٹھ بیٹھی اور سائیڈ ٹیبل سے گلاس میں جگ سے پانی ڈال کر حمید کے قریب چلی آئی۔

"حمید پانی۔" یہ کہہ کر اس نے حمید کے سر کے نیچے سے اپنا ایک ہاتھ ڈال کر سر اونچا کیا اور دوسرے ہاتھ سے گلاس حمید کے ہونٹوں سے لگایا حمید نے ایک دو گھونٹ پی کر سر دوبارہ تکیے پر رکھ دیا بخار کی شدت میں کسی حد تک کمی آئی تھی لیکن ابھی زور نہیں ٹوٹا تھا ابراہیم صاحب بھی کچھ دیر پہلے ہی سونے کے لیے گئے تھے عوزہ نے اٹھنا چاہا تو حمید نے اپنی گرم اور مضبوط ہتھیلی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

عوزہ کو اچانک موقع کی نزاکت کا احساس ہوا دل یکبارگی زور سے دھڑکا اسقدر قریب وہ حمید کے پہلی بار آئی تھی حمید کی گرم سانس وہ بے حد قریب سے سن رہی تھی اس نے دھیرے سے اٹھنا چاہا جب حمید کی بوجھل آواز اس کی ہی سماعت سے ٹکرائی۔

"آہ..... سر میں بہت درد ہے..... مما..... درد ہو رہا ہے۔" حمید غنودگی میں ایک چھوٹے بچے کی مانند بڑبڑا رہا تھا۔

"درد ہو رہا ہے..... دبائے دوں۔"

عوزہ کی پہلی بار اس شخص سے انسیت

محسوس ہوئی اسے ایک چھ فٹ جوان مرد پر ایک معصوم بچے کی مانند پیار آیا وہ فوراً حمید کی گرم پیشانی اپنے نرم ہاتھوں سے دبانے لگی کچھ دیر وہ کراہتا رہا اور پھر گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

حمید کو اپنے بائیں گال پر ریشم اور نرم سی چیز کا احساس ہوا تھا اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں شاید صبح ہو چکی بخار کا زور ٹوٹ چکا تھا لیکن جو منظر اس کی بوجھل آنکھوں نے دکھایا وہ کافی حیران کن تھا وہ سمجھ نہ پایا اور کروٹ لینا چاہی اور عوزہ جو رات کو حمید کا سر دباتے دباتے نہ جانے کب سو گئی تھی اچانک بیدار ہوئی گھبرا کر حمید کی جانب جھکی کہ شاید اسے کچھ چاہیے لیکن بہت ہی قریب اسے جاگتا اور اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ ایک دم سٹپٹا کر اٹھی گال پر صبح کی سرخی نمودار ہوئی۔

"وہ اصل میں رات سر دباتی رہی آپکا..... اور پھر پتہ نہیں کب آنکھ لگ گئی..... اب طبیعت کیسی ہے؟ میں بابا جانی کو بتاتی ہوں....." عوزہ نے جلدی سے اپنی پوزیشن کلیئر کرتے ہوئے گھبرائے سے انداز میں پوچھا اور جواب لیے بغیر جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

حمید جو اس کے انداز کو نرم تاثر لیے دیکھ رہا تھا اس کی غیر متوازن چال پر بیزار ہو کر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

میرے ہی ہاتھوں پے لکھی ہے تقدیر میری
اور میری ہی تقدیر پر میرا بس نہیں چلتا.....

"زوئی دیکھ! میرے سر میں آج بھی درد ہے مجھے روز رات تمہاری یاد کا بخار چڑھتا ہے کہاں ہو تم؟ تمہارے وہ نرم محبت سے گندھے ہاتھوں کا لمس میری پیشانی پر آج بھی جلتا ہے کاش میں ایک بار کہہ دیتا دن رات ایک کیے میری تیمارداری کرنا، خاموشی سے میرے کام سرانجام دینا مجھے اچھا لگنے لگا تھا جب تم مجھے سہارا دے کر اٹھاتی تو تمہاری لمبی گھنی بالوں کی چوٹی میرے سینے سے یوں لپٹ جاتی جیسے کہتی ہو مجھے کھولو ناں تمہارا اپنے بالوں سے الجھنا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔

"زوئی میں کیا کروں جدائی کا یہ دکھ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بویا ہے اور مجھے اب اس فیصل کو کاٹنا ہے زوئی تمہارا حمید تمہارے بغیر بالکل ادھورا ہے نامکمل ہے زوئی....." حمید کی صبح کا آغاز ایسے ہی سوچوں کے ساتھ ہوتا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہر دن کی طرح اسے پھر یہی وہم گزرا تھا جیسے حمید نے تڑپ کر اسے پکارا ہے اور دل کے اس وہم کو اس نے آج بھی جھٹکا تھا وہ حمید کی یاد سے دامن چھڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"بلال اٹھ چکا ہوگا اور میرا آج اس سے وعدہ ہے کہ آج میں اس کی فیورٹ کارٹون مووی اس کے ساتھ بیٹھ کر دیکھوں گی۔" عوزہ جو نہ جانے کب سے آنکھیں موندے بیتے دنوں کی یاد میں کھوئی ہوئی تھی ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی نہ جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ایک بار وہ حمید کو فون کر کے پوچھے کہ وہ خیریت سے ہے اسے روز کیوں لگتا ہے کہ وہ اسے پکارتا ہے۔ لیکن یہ سب وہ صرف سوچ کر رہ گئی ٹوٹے ہوئے شیشے اور رشتے کو جوڑا نہیں جا سکتا پھر ایسا کر کے وہ دل فگار کیوں ہو۔

☆.....☆.....☆

"جی بیٹا میں وقت پر دوائی لے رہا ہوں انوار میرے لیے پرہیزی کھانا تیار کرتا ہے وہ بھی دوائی کی طرح کھا لیتا ہوں اب میری بیٹی جیسی ہاتھ کی لذت تو نہیں ہے ناں اور آپ کو صبح شام رپورٹ بھی دیتا ہوں..... تم سناؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ بس جلدی سے یہ کورس ختم کرو اور آجاؤ miss you بیٹا..... او کے اللہ حافظ۔" ابراہیم صاحب نے دوسری طرف کی بات سنتے ہوئے فون بند کر دیا۔

www.pkdigest.com

"یس یو.....!" عوزہ نے ابراہیم صاحب کا کہا جملہ دہرایا اور سیل فون بیڈ کی سائیڈ پر رکھ دیا۔ ابراہیم صاحب اسے روزانہ ہی دو دفعہ فون کرتے تھے وہ بھی ہر دوسرے تیسرے دن ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کرتی تھی اور ابراہیم صاحب باتوں باتوں میں کوئی ایسا جملہ ضرور کہہ جاتے تھے جو عوزہ کو پل کے لیے خوش گماں وادی میں لے جاتا تھا لیکن دفاع اسے بہت جلد حقیقت کی دنیا میں لے آتا۔

"اگر ایسا ہوتا تو حمید اسے ضرور فون کرتا فون نہیں تو کوئی میسج ضرور آتا نہ اس نے آتے ہوئے مجھے کوروکا اور نہ ہی بعد میں رابطہ رکھا بابا تو بس یونہی کہہ دیتے ہیں۔" عوزہ نے ہمیشہ کی طرح اپنی خوش گمانی کو جھٹکتے ہوئے افسردگی سے سوچا اور سنڈی کرنے کے لیے بیڈ سے اٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

"جی تنویر صاحب آیئے۔" حمید نے اپنے سیکرٹری کو آفس کے اندر بلاتے ہوئے کہا۔

"سر یہ رضا صاحب نے فائل سمجھوائی تھی کہہ رہے تھے ایک نظر آپ دیکھ لے۔" تنویر صاحب نے ایک فائل حمید کی ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کونسی فائل ہے یہ۔" حمید نے فائل اپنی جانب کرتے ہوئے پوچھا۔

"سر یہ عوزہ بی بی کا شروع کیا ہوا پروجیکٹ ہے وہ سرونٹ کوارٹرز کے ساتھ ایک چھوٹا سا ہسپتال اور سکول تعمیر کروانا چاہ رہی تھیں نقشہ وغیرہ بن چکا ہے کاغذی کارروائی مکمل ہے بس اب تعمیری کام شروع ہونا ہے۔" تنویر صاحب نے مودب انداز میں بتایا۔

"اوکے تو کام شروع کروا دیجئے۔" حمید کو یاد آیا یہ پروجیکٹ عوزہ نے خاص طور پر ابراہیم صاحب کو کہا تھا کہ اس سے ان کے مل میں کام کرنے والے مزدوروں کی زندگی بہتر ہو جائے گی اور یہ ان کا فرض ہے۔

"سر کام ابھی شروع کروانا ہے یا عوزہ بی بی جب پڑھ کر واپس آئے گی پھر اصل میں رضا صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ کام عوزہ بی بی اپنی موجودگی میں شروع کرائے گی؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"آں! آپ کام شروع کروا دیں اب یہ کام میری نگرانی میں ہوگا۔" حمید نے ایک پل سوچتے ہوئے تنویر صاحب کو جواب دیا۔

"او کے سر تھنک یو۔" تنویر صاحب نے اثبات میں سر ہلا اور آفس سے باہر چلے گئے۔

"کس کس سے جھوٹ بولوں عوزہ خود سے ان لوگوں سے آفس سے گھر سے یا بابا سے آخر کب تک چھپا پاؤں گا اس بات کو یہ جو سب تمہارے آنے کے منتظر ہیں وقت آنے پر جب تم نہیں آؤں گی تو کیا کہوں گا کہ میں نے تمہیں اپنی زندگی سے نہیں ہر ایک کی زندگی سے نکال دیا ہے عوزہ بہت بڑی سزا خریدی ہے۔ میں نے اپنی نادانی سے۔" حمید نے آفس چیئر کے ساتھ ٹیک لگاتے آنکھیں موند کر سوچا۔

عوزہ پورے گھر کا نظام تو بہتر طریقے سے سنبھال ہی رکھا تھا مگر آفس میں بھی وہ اپنا کام بہتر طریقے سے سرانجام دینے کی کوشش کرتی تھی بے حد محنتی اور ذہین تھی بنیادی طور پر وہ ایڈورٹائزنگ ڈیپارٹمنٹ سے منسلک تھی لیکن ابراہیم صاحب ہر کام میں اس سے مشورہ ضرور لیتے تھے۔ شروع شروع میں حمید کو یہ سب ناگوار گزرا خاص طور پر اس کا لنچ کے بعد سٹاف کے ساتھ لنچ روم میں چائے پینا حمید کو سٹاف کے ساتھ یوں گھل مل کر کام کرنا پسند نہ تھا وہ باس اور ملازم میں ایک حد قائم رکھنے کا قائل تھا جبکہ عوزہ کام تو نہایت نظم وضبط کے ساتھ کرتی لیکن سٹاف کے ساتھ دوستانہ رویے کے ساتھ چائے اپنے سٹاف کے ساتھ پینے کا فائدہ یہ ہوتا کہ آفس کا کوئی مسئلہ یا کسی سٹاف کا کوئی ذاتی مسئلہ وہیں ڈسکس ہو جاتا اور پھر اسے حل

کرنے کی کوشش بھی کی جاتی جس کے بہترین نتائج سٹاف کی بہترین کارکردگی کی صورت میں نکل رہے تھے ہر کوئی اب دلجمعی کے ساتھ اور محنت کے ساتھ کام کرنے لگا تھا اور عوزہ کے جانے کے بعد حمید اس روایت کو برقرار رکھے ہوئے تھا گو اس کا سٹاف حمید سے اتنا فرینک تو نہ تھا لیکن اب وہ حمید کی اس انداز کو قبول کرنے لگے تھے۔

"تمہارے بعد میں تمہارے جیسا ہو گیا ہوں کاش میں نے تمہیں ہوتے ہی قبول کر لیا ہوتا۔" حمید نے سوچا۔ حمید کو عنید بھائی کی ملاقات یاد آئی جب ایک روز وہ بابا سے ملنے آئے تھے اور آفس ناپا کر حمید کے آفس چلے آئے تھے عوزہ اس وقت گھر جا چکی تھی شام ابراہیم صاحب کے کچھ دعوت پر آرہے تھے عوزہ کو اس کی تیاری کرنی تھی عنید بھائی کے پوچھنے پر جب حمید نے عوزہ کی آفس غیر موجودگی کے بارے میں بتایا تو انہوں نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"آہ! عوزہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ تو بہت خوش نصیب رہا ہوں بابا کی بات مان کر کاش ہم اپنی زندگی کے اہم فیصلے اپنے بزرگوں کو نظر انداز کر کے نہ کیا کریں۔"

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔" حمید کے غیر کا شکستہ لہجہ حیران کر گیا تھا۔

"کاش میں نے اس وقت مما بابا کی بات مانی ہوتی اپنی مرضی کی بجائے ان کی مرضی سے شادی کی ہوتی ردا کو سوائے شاپنگ کرنے، فضول کی پارٹیز میں جانے اور ایسے ہی فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کوئی شوق نہیں گھر مکمل طور پر نوکروں پر ہے گھر کی بے ترتیبی بچے تعلیم میں اچھے نہیں اور کسی مسئلے پر ردا سے مشورہ ناممکن ان سب باتوں کو لیکر آئے دن ہمارے بیچ جھگڑا ہوتا رہتا ہے اور یہی حال زنید بھائی کا ہے رینا بھابھی بھی ردا جیسی ہی ہیں۔ لیکن تمہارے گھر میں اب جب بھی آیا ہوں ایک عجیب سا سکون اور راحت محسوس ہوتی ہے بالکل مما کے ہوتے ہوئے جو محسوس ہوتی تھی۔

شروع میں مجھے اور ردا کو بابا کے اس فیصلے پر حیرت اور اختلاف تھا بھلا تمہارے لیے لڑکیوں کی کیا کمی جو بابا عوزہ کو بہو بنانے پر بضد تھے لیکن بابا نے تمہارے لیے ایک نایاب ہیرا ڈھونڈا ہے یو آر ویری لکی حمید۔ خیر تمہارے آفس تو میں عوزہ کے ہاتھ کی بنی چائے پینے آیا تھا لیکن پھر بھی سہی اور تم دونوں آؤ نہ ہمارے گھر ردا کو تو ایسی روایات نبھانی نہیں آتیں ہمیں چاہیے تھا کہ باقاعدہ تمہیں دعوت کرتے لیکن یار وہ تمہارے بھائی کا گھر ہے جب چاہو تم لوگ آسکتے ہو۔" عنید نے بات کرتے ہوئے اچانک موڈ بدلا اور ہلکے پھلکے انداز میں حمید کو دعوت دی اور ساتھ ہی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس روز پہلی بار حمید نے عنید کی چال میں شکستگی محسوس کی تھی۔

"کاش بھائی میں آپ کی بات کو اس روز صحیح معنوں میں سمجھ پاتا۔" حمید پر پچھتاوے جنوری کی سرد دھند کی طرح دل ودماغ پر چھاتے ہوئے تھے۔

☆.....☆.....☆

"24 ستمبر 2009"

تمہاری زندگی میں
میں کہاں پر ہوں؟
ہوائے صبح میں
یا شام کے پہلے ستارے میں
بھیگتی ہوئی بوندا باندی میں
کہ بے حد تیز بارش میں
روپہلی چاندنی میں
یا کہ پھر پتی دوپہروں میں
بہت گہرے خیالوں میں
کہ بے حد سرسری دھن میں
میں کہاں پر ہوں؟

www.pkdigest.com

"تمہاری زندگی میں کہیں پر نہیں ہوں لیکن ارے دیوتا میری زندگی میں تم ہی تم ہو لیکن اس کا اقرار میں تم سے کبھی نہیں کروں گی کبھی نہیں....." پروین شاکر کی نظم کے نیچے یہ چند سطریں تحریر تھیں حمید نے کمرے کی تنہائی میں ڈائری کے اس صفحے پر دھیرے سے انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"میری زندگی میں بھی تم ہی تم ہو لیکن اس کا ادراک مجھے تمہارے جانے کے بعد ہوا میری جان۔" عوزہ کی ڈائری یہیں پر رہ گئی تھی جو حمید کے ہاتھ لگ گئی روز رات کو وہ ایک صفحہ ڈائری کا پڑھتا دل مسکراتا دماغ الجھتا وہ لڑکی جو اس شدید محبت کرتی تھی اس کی محبت وہ گنوا چکا ہے یہ احساس وہ روز گھونٹ گھونٹ کڑوی دوائی کی طرح پیتا اس کی نظریں تاریخ پر جا کر اٹکیں۔

24 ستمبر 2009 اس روز کچھ انوکھی باتیں ہوئیں تھیں ذہن پر ماضی کی یادیں روشن ہوئیں۔ ابراہیم صاحب ایک دوروز کے لیے اسلام آباد کسی بزنس میٹنگ کو اٹینڈ کرنے گئے ہوئے تھے آج عوزہ نے آفس سے چھٹی کی تھی ماہ روش صبح سویرے ان کے گھر آئی ہوئی تھی اور اب ماہ روش کے مسلسل فون آرہے تھے کہ وہ جلدی گھر پہنچے وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی ہے نا چار حمید کو آفس کے کام جلدی جلدی نبٹا کر اٹھنا پڑا۔

ماہ روش اور فیصل سے اس کی کافی اچھی دوستی ہوگئی تھی اس کی حسن پرست طبیعت اپنے جیسے ہی لوگوں میں پرسکون رہتی تھی ایک دو دفعہ وہ عوزہ کے ساتھ کچھ دیر کے لیے رحمان ولا جا چکا تھا اس نے محسوس کیا تھا کہ گھر میں عوزہ کی بہت زیادہ جذباتی و دلی وابستگی صرف اپنی دادو کے ساتھ تھی یا پھر ماہ روش سے دوستی تھی۔

"جی سالی صاحبہ وہ کیا سرپرائز ہے جس کو دکھانے کے لیے آپ نے مجھے آفس سے اتنی جلدی بلوایا ہے۔" حمید نے لاؤنج آتے ہوئے ماہ روش سے پوچھا۔

"حمید بھائی سرپرائز دیکھ کر آپ اتنے خوش ہوگے کہ کسی فائیو سٹار ہوٹل میں ہمارا ڈنر پکا ہے۔"

"Ok then show me your surprse!" حمید نے صوفے پر بیٹھتے خوش گوار انداز میں پرجوش ماہ روش سے کہا۔

"ابھی لیجیے جناب!" ماہ روش چٹکی بجاتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"اوہ تو کوئی ڈش یا کیک بنایا ہے جس کے لیے اتنی ایکسائیٹڈ ہو رہی ہے۔" حمید نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ حمید کو ماہ روش کی اپنے گھر آمد بہن کی کمی کم ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

"افوہ زوئی اب چلو بھی خواہ مخواہ میرے ڈنر کا پروگرام کینسل کروا رہی ہو۔" ماہ روش نے کچن کے دروازے میں کھڑے ہوئے قدرے جھلائے انداز میں کہا اور پھر آگے بڑھ کر عوزہ کا ہاتھ تھاما اسے زبردستی حمید کے سامنے لا کھڑا کیا۔

عوزہ قدرے اور نروس کھڑی تھی اس کے چہرے پر بہن کی شرارت اور یوں زبردستی کرنے پر الجھے سے تاثر تھے حمید واقعی اس سرپرائز پر ایک پل کو حیران سا رہ گیا تھا۔

"کیسا لگا سرپرائز؟" ماہ روش نے پوچھا۔

"بھئی یہ تو میں اچھی طرح سے دیکھ کر ہی بتا سکوں گا۔" حمید نے شوخ لہجے میں جواب دیا اور حمید کی بات سن کر عوزہ مزید نروس ہوگئی اور حیا کی سرخی ایک دم اس کے سانولے گالوں کو گلال کر گئی۔

"وہ چائے تیار ہے میں لیکر آتی ہوں۔" عوزہ نے وہاں سے رفو چکر ہونا چاہا۔

"اوں ہوں! تم رہنے دو میں لیکر آتی ہوں تب تک حمید بھائی کو "سرپرائز" اچھی طرح سے دیکھنے دو۔" ماہ روش نے عوزہ کو ڈکتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا اور کچن کی جانب مڑ گئی۔

ناچار عوزہ کو خاموشی سے صوفے پر بیٹھا پڑا وہ اس صورت حال سے پہلی مرتبہ دوچار تھی حمید بائیں صوفے پر بیٹھا شاید اسے بغور دیکھ رہا تھا عورت کی نظریں جھکی بھی ہو تو اس کی اندر کی آنکھ سب کچھ دیکھ لیتی ہے اور حمید بھی تو پہلی مرتبہ یوں شوخ ہو رہا تھا ورنہ سب میں بھی وہ عوزہ سے لیے دیے والا انداز ہی اختیار کیے رکھتا تھا جیسے سب اس کی سنجیدہ طبیعت کا انداز سمجھتے تھے۔ شیفون کی بلیک ساڑھی جس کی باڈر پر باریک گولڈن کا نقش دبکی اور ستاروں کا بے حد نفیس اور حسین کام بنا تھا عوزہ نے پہن رکھی تھی ہاف سلیویس کا بلیک بلاؤز جس کا گلا قدرے بڑا تھا لیکن عامیانہ نہیں تھا بے حد نفاست اور مہارت سے کیا گیا میک اپ اس کی چہرے کو عجیب ہی رونق بخش رہا تھا ان سب میں بڑھ کر یہ کہ ماہ روش نے ضد کر کے عوزہ کے لمبے، گھنے سلکی بال کھلے چھوڑ دیے تھے اس نے کبھی جانے انجانے میں بھی حمید کے سامنے اپنے بال کھلے نہ چھوڑے تھے۔

اس کا سرو قد اور دلکش سراپا ساڑھی میں بے حد حسین اور قریب نظر آرہا تھا اللہ جو خود جمال ہے اپنی ہر تخلیق میں کہیں نہ کہیں ظاہر اور پوشیدہ جمال ضرور رکھتا ہے عوزہ ایک بے حد قریب اور دلکش سراپے کی مالک تھی اور اس کے لیے اس نے کبھی کسی قسم کی کوئی تگ و دو نہ کی تھی۔ حمید نے ہمیشہ اسے ہلکے نفیس رنگوں کی شلوار قمیض میں ہی دیکھا تھا اور دوپٹہ وہ ہمیشہ پھیلا کر لیتی تھی اور ویسے بھی حمید نے کبھی اسے اس قابل جانا کب تھا کہ اس طرح دیکھتا۔

گردن میں باریک گولڈ نیکلس جس کے درمیان ایک چھوٹا سا بلیک موتی لٹکا ہوا تھا موتی کے پاس عوزہ کا بلیک گہرا تل ایک انوکھا سا ملاپ لگ رہا تھا کانوں میں قدرے لمبے بلیک اور گولڈ کے آویزے ہلکورے رہے تھے دونوں کلائیوں میں گولڈن اور بلیک کڑی چوڑیاں ہلکی سی سے شرارتی ہو کر کھنک اٹھی تھیں۔ شادی اور ولیمے کے بعد حمید پہلی بار عوزہ کو اسقدر تیار دیکھا تھا پہلی دو صورتوں میں تو اس نے غصے اور عداوت کی پٹی اپنی آنکھوں پر باندھ رکھی تھی۔ اس لیے اس کا معصوم اور پیارا چہرہ قابل غور نہ لگا تھا پر آج اس کا دل بے اختیار کہہ اٹھا تھا کہ۔

"کس نے کہا کہ یہ خوبصورت نہیں۔"

باہر شاید گاڑی کا ہارن بجا تھا حمید اپنی محویت پر چونک سا گیا۔

"ڈرائیور ہوگا میں نے فون کر کے بلایا ہے اور اب میں جا رہی ہوں تاکہ آپ اپنے سرپرائز کو جی بھر کر دیکھتے ہوئے ہم سب کو اپنی بیگم کی سالگرہ کی خوشی میں ڈنر کروائیں۔" ماہ روش نے جلدی جلدی حمید کو بتایا اور باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

"اوہ تو آج عوزہ کی سالگرہ ہے۔" حمید چونکا۔

"بائی داوے آپ نے اپنی بیگم کو گفٹ کیا دیا ہے؟" ماہ روش نے اچانک مڑ کر پوچھا۔

"رات ڈنر پر دیکھ لینا۔" حمید نے جلدی سے جواب دیا اور کیا کہتا اسے تو معلوم ہی نہ تھا کہ آج عوزہ کی برتھ ڈے ہے تبھی ماہ روش نے اسے اتنا تیار کیا تھا اور ماہ روش حمید کی جلدی کو کوئی اور معنی پنہانی معنی خیز انداز میں مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

دونوں کے بیچ پھر سے خاموشی آن بیٹھی حمید کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ سابقہ رویہ برقرار رکھتے ہوئے وہ عوزہ کو نظر انداز کر دے یا پھر ایک دوستانہ انداز میں کم از کم اس کی برتھ ڈے پر اسے وش کر دے اور عوزہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی جائے یا حمید کو چائے بنا کر دے۔ اچانک کسی کی باتوں کی آواز پورچ سے آنے لگی اور کوئی لاؤنج میں داخل ہوا۔

"ضویا!" حمید کے لب دھیرے سے ہلے۔

www.pdfdigest.com

ہیلو ایوری باڈی ارے لگتا ہے آپ کہیں جا رہے ہیں سوری بھئی بغیر فون کیے ہی ہم لوگ آ گئیں اصل میں شاپنگ کے لیے نکلیں تھیں اور ضویا کو تمہاری بیوی سے ملنے کا بہت شوق ہو رہا تھا لہٰذا ہم ادھر ہی چلی آئیں۔" حمید کی بھابھی نے نان سٹاپ بولتے ہوئے آگے بڑھیں عوزہ خوش اخلاقی کی مسکراہٹ سجائے ان دونوں کو آگے بڑھ کر ملی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہم لوگ ابھی کہیں نہیں جا رہے آپ لوگ بیٹھیے میں ذرا انوار کو چائے کا کہہ آؤں۔" عوزہ نے میزبانی کے فرائض نبھاتے ہوئے دونوں کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارا کیا اور خود ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

حمید کی بھابھی اور ضویا نے طنزیہ نظروں سے عوزہ کو جاتے ہوئے دیکھا۔

"شادی مبارک ہو حمید۔" ضویا نے حمید کو طنزیہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا جو اس وقت سے حیران و پریشان بیٹھا تھا۔

"تم آج یوں اچانک کتنی بار تم سے Contact کرنا چاہا لیکن تم نے ایک بار بھی میرا فون نہیں اٹھایا۔" حمید نے اس کے طنز اور اپنی بھابھی کو یکسر نظر انداز کر کے پوچھا یہ سچ تھا وہ روز ہی ضویا کو فون کرتا پہلے اس میں شدت تھی لیکن اب دن میں ایک بار وہ فون ضرور کرتا لیکن ہمیشہ کی طرح آگے بیل جاتی رہتی ضویا اس کا فون نہ اٹھاتی کتنی بار اس نے میسج کیے لیکن ضویا کی جانب سے خاموشی تھی اور آج یوں اچانک خود چلے آنا حمید سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ضویا اسے یوں سرپرائز دے سکتی ہے واقعی آج سرپرائز کا ہی دن تھا۔

ضویا پہلے سے بھی نکھری اور دلکش روپ میں اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"ہاں وہ بس....." ضویا نے بات کرنی چاہی جب اس کی بہن روبا نے ضویا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے حمید سے مخاطب ہوئی۔

"بھئی حمید بلاؤ ناں اپنی مسز ہم لوگ خاص اسے ملنے آئیں ہیں وہ نہ جانے کہاں چھپ گئی بلاؤ ناں عوزہ کو۔" حمید کی بھابھی ابھی حمید کو بے چین ہی رکھنا چاہتی تھیں وہ حمید اور ضویا کی دوستی کے بارے میں باخوبی واقف تھیں اور آج وہ اپنی جلن کا بدلہ عوزہ کو باتوں ہی باتوں میں حمید کے سامنے ذلیل کر کے لینا چاہتی تھیں۔

"بلا کر لاؤ ناں بھئی۔" انہوں نے اپنی جلو باز طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر حمید سے ایک بار پھر کہا اور حمید کو نا چار اٹھنا پڑا۔

پہلے حمید نے کچن گیا لیکن وہاں انوار اکیلا چائے کا انتظام کر رہا تھا وہ کچن سے باہر نکل کر اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

"نہ جانے کہاں چلی گئی ہے؟ کاش ضویا اکیلی آئی ہوتی تو میں اس سے جی بھر کر باتیں کرتا چلو شکر ہے وہ واپس آ گئی ہے اب میں بہت جلد اس کی غلط فہمی دور کر دوں گا اسے مناؤں گا اس فضول سے رشتے کو طول دینا اب بیکار ہی بات ہے۔" حمید یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں وہ لوگ خاص طور پر آپ سے ملنے آئیں ہیں اور آپ.....؟" حمید نے قدرے درشتی سے عوزہ سے کہاں جو اسی لباس میں ملبوس فون سن کر شاید باہر جانے کے لیے ہی قدم اٹھا رہی تھی۔

"میں دادو کا فون سننے آئی تھی اور ویسے بھی میرا نہیں خیال کے آپ کے خاص مہمانوں میں میری موجودگی ضروری ہے۔" عوزہ نے اعتماد سے جواب دے اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھائے۔

"خاص مہمان سے تو میں ملتا ہی رہوں گا ابھی فی الحال تم چلو ان کے پاس۔" حمید نے آگے بڑھ کر عوزہ کا ہاتھ تھاما اور ساتھ لیے لاؤنج کی

جانب بڑھا۔ عوزہ کا ہاتھ پہلی بار حمید نے تھاما تھا وہ ایک فرانس کی حالت میں حمید کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چلنے لگی۔

حمید نے شارٹ کٹ طور پر لاؤنج میں جانے کے لیے دوسرا راستہ چنا یہ ان کے کمرے کے باہر راہداری میں ہوتا ہوا سیدھا لاؤنج کی جانب جاتا تھا لاؤنج کی ایک بڑی گلاس ونڈو راہداری میں کھلتی تھی اور پھر اس کے آگے چھوٹا دروازہ تھا ادھر سے وہ لوگ جلدی لاؤنج میں پہنچ جاتے بجائے سیدھے ہو کر کچن کے پاس سے گزر کر بڑے لاؤنج کے دروازے سے داخل ہوتے اسے ضویا سے ملنے کی جلدی تھی۔

"حمید کو تم اب بھی قابو کر سکتی ہو ہم یہ پلان پھر سے کامیاب کر سکتیں ہیں اگر تم اس رمیز کا خیال دل سے نکال دو..... دیکھو ناں وہ تمہیں زیادہ سے زیادہ کنیڈا میں ایک چھوٹے سے زاتی فلیٹ کے گیا دے سکتا ہے جبکہ حمید سے تمہاری شادی ہم دونوں کے لیے کر فائدہ مند ہے ہم دونوں بہنوں کا اتنی بڑی جاگیر پر قبضہ ہو جائے گا عندیہ بھی اپنا بزنس حمید سے ملا کے گا رینا ایک طرف بیٹھی رہ جائے گی۔"

کھڑکی سے آتی آواز نے حمید کے قدم کو وہیں پر جکڑا تھا لاؤنج کے اندر وہ دونوں کھڑکی کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھیں تھیں حمید کی بھابھی کی نظریں سامنے بڑے دروازے پر تھیں جہاں سے حمید کو اندر داخل ہونا تھا اپنی جلد باز طبیعت کے ہاتھوں مجبور وہ ایک بہت بڑی حقیقت سے پردہ اٹھا رہی تھیں عوزہ جس کا ہاتھ ابھی تک حمید کے ہاتھ میں تھا حمید کے ساتھ رکنے اور بات سننے پر مجبور ہوئی تھی۔

"افوہ آپی اب چھوڑ بھی دے اس قصے کو آپ کے کہنے پر میں نے حمید سے دوستی کی لیکن وہ میرے مزاج کا نہیں اپر کلاس لڑکوں جیسی عادتیں اس میں پائی ہی نہیں جاتیں میں ایک آزاد خیال زندگی گزارنے کی عادی ہوں اور رمیز میرے مزاج کو بخوبی جان گیا ہے حمید سے شادی کر کے مجھے آپ کی سوکالڈ دولت تو مل جائے گی لیکن ایک مشرقیت پسند شوہر اور اس کا بڈھا باپ بھی ملے گا آپ نے خود تو اپنے ساس سسر سے نجات حاصل کر لی مجھے کیوں اسے بڈھے کی خدمت میں پھنسا رہی اور ویسے بھی ہمیں دولت کی کیا کمی۔ حمید نو دے۔" ضویا کی جھنجلائی آواز ابھری جو حمید کی ذات کے پرخچے اڑاتی چلی گئی۔

رد ہو جانے کی تکلیف سے وہ پہلی بار آشنا ہوا تھا ایک ابال تو جو ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالنا چاہتا تھا اور عوزہ جسے اس نے ضویا کی وجہ سے قابل اعتنا نہ جانا تھا آج اس حقیقت کا پردہ اس کے سامنے فاش ہوا تھا اپنی ذات کا غرور سب کچھ جیسے ختم ہو گیا تھا بہت چھوٹا ہو گیا تھا وہ عوزہ کے سامنے حمید بمشکل خود پر ضبط کرتا ہوا واپس پلٹا اس وقت وہ دونوں کا سامنا کرتا تو جس غیظ و غضب میں مبتلا تھا وہ دونوں بھی اس سے بچ نہ پاتیں اور کچھ بھی ہو کمزور حریف کو زیر بار کرنا حمید اپنی مردانہ انا کے خلاف سمجھتا تھا۔ عوزہ نے اس کے ساتھ ہی پیچھے کی جانب قدم بڑھائے۔

"انوار مہمانوں سے کہو کہ وہ چائے پی کر چلیں جائیں ہم دونوں کسی دعوت پر جا چکے ہیں۔"

"اتنی تو ہین ان کے لیے کافی ہے ضویا بی بی جس قدر تم حسین نظر آتی ہو اتنی ہی اندر سے بدصورت ہو تھو کتا ہوں میں تمہارے حسن پر۔" حمید طیش کے عالم میں اپنے کمرے میں داخل ہوا عوزہ اس ساری صورت حال سے اندر ہی اندر گھبرائی ہوئی تھی اپنا آپ اسے بہت مس فٹ محسوس ہو رہا تھا اس کے دل کو رنج ہوا تھا وہ خاموشی سے حمید کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی اور اسی خاموشی سے اپنے سٹور نما کمرے میں جانے کے لیے قدم آگے بڑھائے جب حمید نے ایک جست میں سے عوزہ کا دایاں بازو تھام کر اپنی طرف اس کا رخ موڑا عوزہ

www.pkdigest.com

اس ناگہانی افتاد کے لیے بالکل تیار نہ تھی وہ ایک دم حمید کے سینے سے جا ٹکرائی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" حمید نے سختی سے عوزہ کو مزید اپنے قریب کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اپنے کمرے....." عوزہ سنبھل کر بتانے کی کوشش کی۔

"کونسا کمرہ؟ تم میری بیوی ہو حق رکھتا ہوں تم پر آج سے تم اسی کمرے میں رہا کروں گی دوسرے کمرے میں سو کر تم کیا ثابت کرنی ہو کہ میں ایک بزدل کمزور مرد ہوں جسے تم بے وقوف بنا سکتی ہو اور پھر بعد میں اپنے اشاروں پر نچا سکتی ہو تم سمجھتی ہو تم میری مردانگی کو یوں چیلنج کرتی رہو گی نہیں عوزہ بیگم آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ ہمارا رشتہ کیا ہے اور تم انکار کرنے کر مجاز نہیں ہو۔"

حمید نے عوزہ کی بات کاٹتے ہوئے ایک ایک لفظ کو گویا چباتے ہوئے اس کی بازو پر مزید گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا اس وقت اس کی انا پر چوٹ پڑی تھی وہ بکھرا ہوا تھا۔ عوزہ کا دل اندر ہی اندر تھر تھر کانپنے لگا تھا وہ حمید کی باتوں کا مفہوم بہت اچھی طرح سے سمجھ رہی تھی۔ اتنے چوڑے چکلے مرد کے سامنے اس کا وجود بے حد نازک سا تھا وہ اس بپھرے مرد کو کسی صورت نہیں روک سکتی تھی ویسے بھی وہ اپنا شرعی حق استعمال کرنے کی ہی بات کر رہا تھا۔ شوہر تھا وہ اس کا وہ اسے منع نہیں کر سکتی تھی لیکن جس صورت حال میں حمید اپنے حق کی بات کر رہا تھا وہ ایک انتقامی کاروائی کے سوا کچھ نہ تھا اس کا وجود اتنا ارزاں ہرگز نہ تھا کہ کسی کا انتقام اس سے لیا جاتا اور نہ ہی وہ چاہتی تھی کہ حمید اس کمزور لمحے میں آ کر بعد میں اپنی اس کمزوری پر پچھتائے اس کے دماغ نے سیکنڈوں میں ساری صورت حال کا جائزہ لیا اور بدقت خود کو سنبھالتے ہوئے نہایت نرمی اور تحمل مزاجی کے ساتھ بولی۔

"جانتی ہوں کہ میں آپ کی بیوی ہوں آپ مجھ پر پورا حق رکھتے ہیں میں آپ کی خواہش کے آگے تابع ہوں آپ جس کیفیت سے دوچار ہیں مجھے اسے کا اندازہ ہے آپ کی جگہ اگر میں بھی ہوتی تو یونہی ردعمل ظاہر کرتی لیکن حمید اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کیجیے کیونکہ اس بات کے بعد میرا جو دو تو کر چی کر چی ہو گا ہی لیکن آپ تمام عمر خود سے نظر نہ ملا پائیں گے کیونکہ یہ آپ کی طبیعت کا حصہ نہیں سو پلیز حمید انتقام اور غصے کی حالت میں ایک بے نام رشتہ قائم مت کریں عورت کو کمزور جان کر اسے اپنے غصے کی بھینٹ چڑھانا یہ آپ کی تربیت اور طبیعت دونوں کا حصہ نہیں۔" عوزہ کے الفاظ حمید کے جلتے دل و دماغ پر پانی کی مانند گرے اس نے ایک جھٹکے سے عوزہ کا بازو چھوڑا اور دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے سخت لہجے میں بولا۔

"Leave me alone now!"

عوزہ نے اس لمحے کو غنیمت جانا اور عرق آلود پیشانی کے ساتھ لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی راہداری میں پڑی ایک کرسی پر وہ ڈھے سی گئی اس کی ہمت جواب دے چکی تھی آنسو بہت تیزی سے اس کے رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

"اے اللہ تو رحم فرما تو جانتا ہے میں غلط نہیں کیا اس صورت حال میں یہی بہتر تھا اگر آج جو کچھ حمید چاہ رہے تھے ہو جاتا تم دونوں کے لیے بہت برا ہوتا میں نے اپنے شوہر کو اس جائز حق سے نہیں روکا میں نے اپنے شوہر کو اس کی نظروں میں گرنے سے روکا ہے۔"

☆.....☆.....☆

"شام کو تیار رہیے گا شاپنگ کے لیے جانا ہے اور پھر ماہ رخ لوگوں کے ساتھ ڈنر کا پروگرام ہے اس دن کا ڈپو ہے۔" حمید نے ناشتے کرتے ہوئے اچانک عوزہ کو مخاطب کیا اور ابراہیم صاحب کی موجودگی میں اس کی پاس سوائے اثبات میں سر ہلانے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

اس واقعہ کے روز سے تقریباً ان کے

درمیاں بات چیت بند تھی خیر گفتگو تو وہ آپس میں ویسے بھی نہیں کرتے تھے لیکن سب کے سامنے بھی عوزہ کچھ کچھ کھچی کھچی اور خفا خفا سی تھی اور جس کی وجہ صرف حمید کو معلوم تھی ابراہیم صاحب رات کو ہی اسلام آباد سے واپس آئے تھے اس وقت تک عوزہ کا رویا رویا چہرہ کسی حد تک نارمل ہو چکا تھا۔ ماہ رخ کو اس نے نجانے کیا کہہ کر اس روز مطمئن کیا تھا۔ ابراہیم صاحب کے چہرے پر ایک اطمینان کی لہر گزری تھی حمید کا پروگرام سن کر نہ جانے کیوں انہیں لگتا کہ حمید اور عوزہ کا شتہ حد سے زیادہ سنجیدگی لیے ہوئے ہے لیکن وہ ابھی ان دونوں کے بیچ دخل نہیں دینا چاہتے تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے اچھی طرح سے جان اور سمجھ لے جو ایک دیوانے کا خواب ہی لگتا تھا۔

☆.....☆.....☆

تجھے دیکھ دیکھ سونا تجھے دیکھ دیکھ کر ہے جاگنا
میں نے یہ زندگانی سنگ تیرے بتانی
تجھ میں بس ہے میری جان ہائے۔
جیا دھڑک دھڑک جیا دھڑک دھڑک جائے

راحت کی بھرپور آواز گاڑی میں گونجنے لگی تھی عوزہ کو کبھی کبھی حیرت ہوتی تھی اس کی اور حمید کی پسند کافی حد تک ملتی جلتی تھی باغبانی کا شوق، اچھی انگلش مویز دیکھنا، شطرنج کھیلنا اور اچھی موسیقی سے لطف اندوز ہونا ان میں یہ باتیں مشترک تھیں راحت خاں اس کا فیورٹ سنگر تھا اور یہ گانا اسے بے حد پسند تھا۔

"ہوں..... ہوں۔" عوزہ حمید کے گلا کھنکارنے پر اپنی سوچوں سے باہر آئی گاڑی ایک کم ٹریفک والے اور پرسکون روڈ سے گزر رہی تھی جب حمید نے ایک پارکنگ کی جگہ دیکھ کر گاڑی وہاں جا روکی۔

"مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔" حمید نے سامنے دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ عوزہ خاموش بیٹھی رہی۔

"آئی ایم سوری عوزہ! آئی ایم رئیلی ویری سوری اس روز واقعی میرے اندر غصے اور توہین کے احساس کا ایسا طوفان اٹھا جو اپنی لپیٹ میں سب کچھ بہا کر لے جانا چاہتا تھا تباہ کر دینا چاہتا تھا لیکن بعد میں احساس ہوا کہ میں کس قدر غلط کرنے جا رہا تھا بہت شرمندگی محسوس ہوئی اپنے رویے پر اور میں جانتا ہوں آپ کو بھی تکلیف ہوئی میرے اس روز کے طرز عمل سے میں اس کی معذرت چاہتا ہوں۔" حمید نے توقف کیا اور عوزہ کی جانب دیکھا جو حمید کے قدرے حیرت سے دیکھ رہی تھی آج پہلی بار وہ تنہائی میں یوں اس سے نرم لہجے میں مخاطب تھا۔

"اگر اس روز آپ مجھے کچھ جتاتیں یا میرے غصے کو غصے کی صورت میں جواب دیتیں تو شاید اس کا نتیجہ ہم دونوں کے لیے برا نکلتا لیکن آپ کی نرم حکمت عملی نے واقعی مجھے اپنی نظروں میں گرنے سے بچا لیا میں بہت صاف گو شخص ہوں میں آپ پر کچھ واضح کرنا چاہتا ہوں ضویا ہمارے بیچ اس رشتے کو قبول نہ کرنے کی وجہ تو تھی لیکن مکمل طور پر نہیں میں..... اصل میں لائف پارٹنر کا جو آئیڈیل میرے ذہن میں ہے آپ اس پر پوری نہیں اتر تیں یہ میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں اور یقیناً یہ الفاظ آپ کو تکلیف دے گے لیکن اس خوش گمانی سے بہتر....."

"یہ آپ سے کس نہ کہہ دیا کہ ضویا کی حقیقت جاننے کے بعد میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اب میں آپ کی بیوی کے طور پر قبول ہوں۔ میں نے بھی آپ کو اول روز بتا دیا تھا کہ میں نے خود بھی اس رشتے کو ذہنی طور پر قبول نہیں کیا ہاں ضویا کے واقعہ سے مجھے افسوس ضرور ہوا ہے لیکن یہ آپ کا پرسنل معاملہ ہے میری طرف سے بے فکر رہیے جو وعدہ پہلے دن کیا تھا اسے ضرور پورا کروں گی زرا حالات ایسے ہو جائے کہ اس رشتے کو توڑتے ہوئے ہمارے اردگرد کے لوگوں کو تکلیف زیادہ نہ ہو میں

www.pkdigest.com

نے آپ کی سوری قبول کرلی اب چلیں۔" عوزہ نے حمید کی بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا اور حمید کو عوزہ کے انداز پر غصہ آگیا لہٰذا اس نے خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کی اور تیزی سے روڈ پر ڈال دی۔

☆.....☆.....☆

برسات کا موسم اپنے عروج میں تھا اور آج بھی دوپہر سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی حمید کب سے گیٹ کے باہر گاڑی روکے ہارن دے رہا تھا اور پھر اسے اچانک یاد آیا کہ چوکیدار تو آج چھٹی پر ہے اور انوار اور اس کی بیوی بھی کام ختم کر کے اپنے کوارٹر جا چکے ہوں گے ات کے نوچ رہے تھے اور ابراہیم صاحب کسی اپنے کسی دوست کی عیادت کو گئے ہوئے تھے۔ حمید نے ایک بار پھر گاڑی کا ہارن زور سے بجایا بارش اسقدر تیز ہو رہی تھی کہ شیشے سے پار دیکھنا مشکل ہو رہا تھا ساتھ ہی اس نے عوزہ کے سیل پر کال کی جب گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔

حمید نے گاڑی پورچ میں لے آیا عوزہ جلدی سے گیٹ بند کر کے برآمدے کی جانب تیز تیز قدم اٹھاتی بڑھ گئی اس کے ہاتھ میں اس کا موبائل موجود تھا شاید ہارن کی آواز سن کر وہ دروازہ کھولنے آئی تھی اور حمید کے اس موبائل پر رنگ کرنے پر اسے بھی ہاتھ پکڑے چلی آئی تھی۔

حمید جلدی سے گاڑی کھڑی کر کے برآمدے کی جانب بھاگا اتنی سی دیر میں وہ دونوں ہی بھیگ چکے تھے عوزہ کے سیل پر رنگ ہوئی وہ ٹھہر کر فون سننے لگی۔

"اسلام علیکم!" عوزہ نے فون اٹینڈ کیا۔

"نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا..... ایسا نہیں ہو سکتا۔" نہ جانے آگے سے فون پر کیا کہا گیا تھا کہ عوزہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا وہ ایک دم نفی میں سر ہلانے لگی اس کے ہاتھوں سے سیل فون گر گیا اور وہ خود بھی لہرا کر ٹھنڈے فرش پر گر گئی حمید نے یہ ساری کاروائی ایک پل میں دیکھی اور تقریباً دوڑتا ہوا اس کے بے ہوش وجود کے قریب پہنچا۔

"عوزہ کیا ہوا؟ آر یو اوکے....." اس نے بے ہوش عوزہ کے گال تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔ لیکن جواب نہ پا کر پاس ہی پڑا سیل فون اٹھایا اس وقت فون کی دوبارہ رنگ شروع ہو گئی ماہ روش کا نام سیل کی سکرین پر جگمگا رہا تھا۔ حمید نے فوراً کال اٹینڈ کی۔

"ہیلو! کیا؟ اوہ نو! نہیں وہ بے ہوش ہو گئی ہے ہاں ہاں تم فکر مت کو میں ابھی ڈاکٹر کا کال کر رہا ہوں وہ ہوش میں آجائے ہم آتے ہیں۔" حمید نے جلدی سے ماہ روش سے بات کی۔

عوزہ کی دادو کا اچانک ہارٹ فیل ہو گیا تھا ماہ روش نے عوزہ کو یہی خبر کچھ دیر قبل فون پر سنائی تھی اور یہ صدمہ عوزہ کے لیے کتنا بڑا تھا اس کا ادراک حمید کو بخوبی تھا۔

حمید نے عوزہ کے بے خبر وجود کو اپنی بانہوں میں اٹھایا اور اسے بیڈ روم میں لا کر بیڈ پر لٹا دیا اس کے گیلے بال بیڈ پر ادھر ادھر بکھر گئے خود سے بے خبر بے ہوش وجود بارش میں بھیگے کپڑے جو اس کے وجود سے چپکے جا رہے تھے حمید کی نظریں اس کے سراپے میں الجھیں تھیں جسے اس نے جلدی سے ہٹاتے ہوئے ڈاکٹر نعیم کا نمبر ملانا شروع کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"نہیں..... نہیں میں دادو کو اکیلے نہیں جانے دوں گی، دادو میں یہاں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟ آپ تو میری دکھ سکھ کی ساتھی دادو اب میں کس کی آغوش میں خود کو چھپاؤں گی اب کون میرا خیال کرے گا مجھے ساتھ لیکر جائے میں یہاں نہیں رہوں گی۔" عوزہ رحمان اور فیصل کو جنازہ اٹھانے سے روکتے ہوئے بولنا شروع کیا ہوش میں آتے ہی حمید اسے رحمان ولا لایا تھا اور تب سے وہ روئے چلی جا رہی تھی ہر اشکبار آنکھ کو مزید اشکبار

کیے جا رہی تھی وہ اس وقت جیسے اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھی حمید کو اس پل وہ ایک ڈرے معصوم بچے کی مانند لگی تھی جس کی بے حد قیمتی چیز اس سے چھینی جا رہی ہو وہ کسی بھی طرح کسی کے قابو نہیں آ رہی تھی۔

"پلیز عوزہ خود کو سنبھالو ایسا مت کرو۔" حمید نے ابراہیم صاحب کے اشارے پر آگے بڑھتے کہا۔

"کیسے سنبھالوں وہی تو میری درد آشناء تھیں دیکھو غور سے دیکھو میرا رنگ روپ انہیں کی طرح ہے میں اپنی دادی کا عکس ہوں تو پھر بھلا مجھے ان کے بغیر اس جگہ کیوں چھوڑا جا رہا ہے مجھے بھی دادو کے ساتھ دفن کر دیں میں نہیں رہوں گی ان کے بغیر۔" عوزہ نے ہچکیاں لیتے ہوئے مچلنا شروع کر دیا۔

حمید نے آگے بڑھ کر عوزہ کو اپنی بانہوں کی گرفت میں لے لیا اور جنازہ اٹھانے کا اشارہ کیا۔

عوزہ حمید کی بانہوں میں مچلنے لگی اس سینے پر اپنا سر پٹخنے لگی لیکن حمید کی مضبوط بانہوں کے حصار کو وہ توڑ نہ پائی اور صدمے سے ایک بار پھر بے ہوش ہو کر اس کی بانہوں میں جھول گئی۔

☆.....☆.....☆

"عوزہ بیٹا میں تمہارے دکھ کو سمجھ سکتا ہوں۔ شریک ہو سکتا ہوں، بانٹ بھی سکتا ہوں لیکن دکھ کی اس شدت کو پھر بھی کم نہیں کر سکتا اس دکھ کو تمہیں خود ہی سہنا ہے خود ہی پینا ہے۔" ابراہیم صاحب نے خاموش آنسوؤں سے روتی عوزہ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے شفقت سے کہا۔

"دیکھو بیٹا آپ کی دادو کی فوت ہوئے تقریباً دو ہفتے گزر چکے ہیں اور آپ کا یوں رونا ان کی روح کو کتنا بے چین کرتا ہو گا کتنی تکلیف دیتا ہو گا میری سمجھدار بیٹی کو یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں تھی۔"

"میں کیا کروں بابا دادو کا غم مجھ سے بھلایا نہیں جا رہا عوزہ نے روتے ہوئے کہا۔ عوزہ واقعی اپنی دادو کی موت کے صدمے سے سنبھل نہ پائی تھی عجیب اداس اور ویران سی ہو گئی تھی حمید کے گھر آ کر بھی زیادہ وقت اپنے سٹور نما کمرے میں گزارتی آفس بھی نہیں جا رہی تھی آفس کا تمام سٹاف باری باری اس کی دل جوئی کے لیے آ چکا تھا جس سے حمید کو سٹاف میں اس مقبولیت ارپسندیدگی کا صحیح اندازہ ہوا تھا جس پر نجانے کیوں اسے فخر بھی محسوس ہوا تھا۔

حمید عوزہ کو اس ڈپریشن سے نکالنا چاہتا تھا اس حادثے کے بعد وہ ذہنی طور پر عوزہ کے قریب ہو گیا تھا اس نے بھی تو اوروں کی طرح اسے سوائے تنہائی اور حسرت کے کچھ نہ دیا تھا وہ شاید اس کا مداوا کرنا چاہتا تھا لیکن عوزہ اسے یہ موقع دے ہی نہیں رہی تھی اس کا اجنبی اور سرد انداز حمید کو آگے بڑھنے سے روک رہا تھا اور حمید دل میں ٹھان چکا تھا کہ وہ عوزہ کے اس سرد رویے کو پار کرتے ہوئے عوزہ کو اس دکھ میں دوستوں کی طرح اس کا ساتھ دے گا لیکن عوزہ اس سے پہلے ہی فیصلہ کر چکی تھی تب ہی تو جب ابراہیم صاحب نے اسے آج اپنے سٹڈی روم میں بلا کر سمجھانا شروع کیا تو عوزہ نے اپنا فیصلہ ان کے آگے رکھ دیا۔

"بابا میں کچھ دنوں کے لیے اس ماحول سے نکلنا چاہتی ہوں۔" عوزہ نے بات کا آغاز کیا۔

"فائن بیٹا تم اور حمید کچھ دنوں کے لیے سوئٹزرلینڈ چلے جاؤ میں ٹکٹوں کا انتظام کروا دیتا ہوں ویسے بھی میں حمید سے کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ وہ تمہیں باہر گھمانے وغیرہ کے لیے لے جائے..... ! think its good time" ابراہیم صاحب نے فوراً راضی ہوتے ہوئے کیا۔

"نہیں بابا میں ایسا نہیں چاہتی میں بہت اپ سیٹ ہوں۔" عوزہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر بیٹا؟" ابراہیم صاحب نے

www.pkdigest.com

پوچھا۔

''بابا میں اپنی آپی کے پاس ٹورنٹو جانا چاہتی ہوں میری اسفند بھائی سے بات ہوئی ہے وہاں کی ایک بہت اچھی یونیورسٹی فیشن ڈائیزننگ کا تین ماہ کا شارٹ کورس کروا رہی ہے میں وہ کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیا تمہاری حمید سے اس سلسلے میں بات ہوئی ہے؟'' ابراہیم صاحب نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''جی بہت تفصیل سے تو نہیں لیکن سرسری انہوں نے کہا کہ آپ سے پوچھ لوں۔ بابا میں اس ماحول سے چینج چاہتی ہوں وہاں جا کر پڑھائی میں مصروف ہو جاؤں گی تو جلد ہی اپنے اس ڈپریشن پر قابو پا لوں گی ویسے بھی یہ میرا خواب تھا کہ میں فیشن ڈیزننگ کا کورس کروں۔'' عوزہ نے بتایا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں سوائے اس کے کہ تین ماہ تمہارے بغیر گزارنے ہوں گے بہت مشکل ہوگا مگر میرا خیال ہے کہ تم ضرور ٹورنٹو جاؤ اس صدمے سے نکلنے کا یہ بہترین حل ہے۔'' ابراہیم صاحب نے عوزہ کو رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ تھنک یو بابا میں اپ کو بہت مس کروں گی۔'' عوزہ نے اداسی سے کہا۔

''ویلکم میں تو تمہیں ابھی سے مس کرنے لگا ہوں بیٹا۔'' ابراہیم صاحب نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

میں ہمیشہ سے اس کے سامنے تھی
اس نے دیکھا نہیں تو میرا نصیب
روح تک جس کی آنچ آتی ہے
کون یہ شعلہ رو ہے دل کے قریب

''زوئی خالہ آپ بھی چلے ناں بہت مزہ آئے گا پلیز۔'' ننھے بلال نے عوزہ کا ہاتھ تھام کر ایک بار پھر راضی کرنا چاہا۔

''نہیں جانی خالہ بہت تھکی ہوئی ہیں۔'' عوزہ نے بلال کے پھولے ہوئے گورے گال پر پیار کرتے ہوئے کسلمندی سے جواب دیا۔

''او کے عوزہ ہم لوگ جا رہے ہیں دروازہ اندر سے اچھی طرح لاک کر لینا ہم کوشش کرتے گے کہ جلد واپس آجائے اگر تم بھی چلتی شیور تمہیں بہت مزہ آتا۔'' مینا نے ریسٹ واچ کو کلائی پر باندھتے ہوئے عوزہ سے کہا آج رات اسفند کے کولیگ رمیز صاحب کے بیٹے کی سالگرہ تھی وہ اسے کافی اہتمام سے منا رہے تھے دوست احباب کافی بلوائے گئے تھے سالگرہ بہانہ تھی بے وطنوں کا ایک جگہ پر اکٹھے ہو کر اپنے وطن کو یاد کرنے کا بہانہ تھا بس۔

''ہاں عوزہ یہاں اکیلی گھر میں رہ کر کیا کروں گی ہمارے ساتھ ہی چلو۔'' اسفند بھائی نے بھی عوزہ سے کہا۔

''نہیں اسفند بھائی میرا جی نہیں چاہ رہا پلیز آپ لوگوں مائنڈ مت کیجیے گا دراصل مجھے ایک بہت ضروری اسائنمنٹ تیار کرنی ہے صبح سر راجہ کو دینی ہے اس وجہ سے آپ لوگ میری فکر مت کیجیے اور پارٹی کو جا کر خوب اچھے طریقے سے انجوائے کریں۔'' عوزہ نے بہانہ گھڑتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''او کے ڈیر سرپرائز یو وش۔''

تینوں کو رخصت کر کے باہر کے دروازہ کا لاک لگا کر عوزہ بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں چلی آئی اس وقت اسے تنہائی کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی وہ یہ پل صرف اور صرف اپنے ساتھ گزارنا چاہتی تھیں۔

''کتنے سنگدل ثابت ہوئے تم اس روز پیکنگ کرتا دیکھ کر پوچھا تو صرف اتنا کہ''

''ہم دونوں کی علیحدگی کی کیا وجہ ہوگی بتاؤ جبکہ تم تو تین ماہ کے کورس پر جا رہی ہو اور تین ماہ گزرنے کے بعد؟''

''تین ماہ گزر جاتے گے تو کسی اور شہر میں سکونت اختیار کر لوں گی میری ایک دوست پیرس رہتی ہے وہاں جا کر جاب کر لوں گی اور فون کر کے سب کو بتا دوں گی کہ آپ میرے مزاج آشنا نہیں لہٰذا اب میں مزید اس رشتے کو نبھا نہیں سکتی اور آپ کے لیے اتنا کافی ہوگا اپنی مرضی کی شادی کرنے کے لیے۔'' عوزہ نے ریزہ ہوتے دل کو سنبھالتے بمشکل جواب دیا تھا آنسو بہانا آسان ہوتا ہے لیکن آنسو پینا بے حد مشکل۔

اچانک ڈوربیل کی آواز عوزہ کو چونکا گئی۔

''لگتا ہے مینا آپی کچھ بھول گئیں ہیں۔'' عوزہ قیاس کرتی ہوئی اٹھی اور غیر متوازن چال چلتی دروازہ تک آئی۔

''کون ہے؟'' اس نے دروازے کے قریب ہو کر پوچھا۔

"Who's there?" عوزہ نے پھر پوچھا۔

''دروازہ کھولیں!''

اسے اپنی سماعت پر شک گزرا دروازے کے قریب ہوتے ہوئے پھر پوچھا۔

''کون؟؟''

''عوزہ دروازہ کھولو۔''

آواز نے اس کے وہم کو یقین کا سہارا دیا اور اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے دروازے کا لاک گھمایا۔ بینائی کو جیسے سامنے کھڑے شخص پر وہم کا گمان گزرا۔

''آپ!'' اس کے لبوں پر سرسراہٹ ابھری۔

لفظوں کو گویائی کی ضرورت نہ رہی آنکھوں نے ایک دوسرے کے چہروں پر ہر قسم جدائی کی داستان پڑھ ڈالی محبت نے فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا بہت عرصے سے وہ دونوں کے بیچ خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی صبر کا ہر بندھ ٹوٹ گیا اناؤں کی فصیلیں ڈھے گئیں عوزہ کے جیسے کسی نے پیچھے سے ہلکا سا دھکیلا محبت نے حمید کے بازو وا کیے اور اگلے پل ہی وہ حمید کے سینے سے لگی ہچکیوں سمیت رونے لگی اس کا سارا وجود جیسے آنسو بن گیا وہ حمید کی جیکٹ کے کالر دونوں ہاتھوں سے تھامے روئے چلی جا رہی تھی۔

حمید آنکھیں موندے اپنے جلتے برستے وجود پر اس کے آنسوؤں کی بارش کو برستا دیکھ رہا تھا دونوں کو ارد گرد کا ہوش نہ رہا تھا کائنات جیسے صرف ان دونوں کے وجود پر منحصر تھی باہر روڈ پر جاتی گاڑی کے ہارن انہیں ہوش دلایا تھا وہ ایک دم چونکے عوزہ کو پہلی بار اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا اس نے جھجک کر حمید سے الگ ہونا چاہا لیکن حمید اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لیے اندر چلا آیا۔

☆......☆......☆

بچھڑ کر پھر ملے گے یقین کتنا تھا
تھا تو اک خواب پر حسین کتنا تھا

''جان من اس بات کا آغاز شاید اس روز سے ہوتا ہے جب تمہاری اور میری ملاقات اک نئے اور ٹوٹ رشتے کی صورت میں ہوئی۔'' حمید نے عوزہ کے ہاتھ تھامتے ہوئے بات کا آغاز کیا وہ اس وقت لاونج میں موجود تھے عوزہ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور حمید عوزہ کے سامنے نیچے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے اس کے ہاتھ تھامے۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ پلیز اوپر بیٹھے......'' عوزہ نے گھبرا کر کہنا چاہا۔

''شی صرف مجھے دھیان سے سنو ایک ایک پل طویل صدیوں کی صورت میں کاٹا ہے اس ایک لمحے کے آنے کے لیے۔'' حمید نے عوزہ کو ٹوکا اور پھر بات کا آغاز کیا۔

''میں حسن پرست ہوں یہ میری خوبی خامی تھی میں یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ میں ایک ہینڈسم مرد ہوں کیونکہ اس کا ادراک مجھے بارہا کرایا گیا میرا آئیڈیل میرا لائف پاٹنر مجھ سے بڑھ کر حسین

www.pkdigest.com

اور خوبصورت تھا لیکن یہ تصور اس روز چکنا چور ہو گیا جب بابا تمہیں میرے لیے شریک حیات کے طور پر منتخب کیا اور پھر بارات کے روز لوگوں کے طنزیہ جملے ہمدردی کے انداز میں تم سے ملے اور جانے بغیر ہی اچھا خاصا چڑ چکا تھا ایک پل کو بھی نہ دیکھا کہ تم پر دلہن بن کیا روپ آیا ہے۔" حمید سانس لینے کو رکا عوزہ سانس روکے حمید کی بات سن رہی تھی عوزہ کے ہاتھ ابھی تک حمید کی گرفت میں تھے۔

لیکن تم سے بات کر کے مجھے اندر سے جھٹکا لگا تمہارا رد عمل میری توقع کے خلاف تھا تمہیں روتا اور گڑگڑاتا دیکھ کر میں اپنے غصے کی آگ بجھانا چاہتا تھا لیکن تمہارا اعتماد سے گفتگو کرنا مجھے الجھا گیا اور تمہارا یہ کہنا کہ میری مردانگی پر ضرب لگانا کہ تم کسی اور کو پسند کرتی تھی میں جانتا ہوں یہ جھوٹ ہے بعد میں ماہ روش سے مجھے معلوم ہو گیا تھا تم کسی یونیورسٹی میں نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ لاشعوری طور پر اور اور آخر میں شعوری طور پر میں تمہاری صلاحیتوں اور تمہارے اندر کی خوبصورتی کا مداح ہوتا چلا گیا پہلے میں نے تمہیں اور ضویا کو مقابل رکھنا شروع کیا اور ہمیشہ تمہیں برتر پایا۔

اس روز جب مجھے بخار تھا تمہارا میری فکر کرنا دھیرے دھیرے سرد بانا رات رات بھر جاگنا اور اپنے آرام کی پرواہ کیے بغیر میری تیمارداری میں لگے رہنا پہلی بار میرے آگے یہ سوال آن کھڑا ہوا کیوں؟ تم ایسا کیوں کر رہی ہو جبکہ ہمارا کوئی رشتہ ہی نہیں میں نے تمہیں ٹھکرایا ہے اور بدلے میں تم مجھے راحت دینا چاہ رہی ہو تب شاید تم خود بھی آشنا نہیں تھا کہ تمہارا اعتماد اور بیگانہ رویے کے پیچھے ایک نرم اور دوستانہ رویہ پوشیدہ ہے جس کی مجھے کھوج رہنے لگی تھی۔

اور پھر میں اس دن کو کیسے بھول سکتا ہوں جب تمہاری ظاہری خوبصورتی سے میری آنکھیں چوندھ گئیں تھیں ماہ روش نے تمہیں بلیک ساڑھی پہنا کر تیار کیا تھا ساڑھی سے ملبوس دلکش سراپے میں میری نظریں پہلی بار الجھیں تھیں تمہارے گھنے ریشمی سیاہ بال تمہاری کمر پر لہراتے ہوئے میرا اٹھ کر ان کی خوشبو سونگھنے کو دل چاہا تھا اس روز مجھے پہلی بار تمہاری چال کی لڑکھڑاہٹ نظر نہ آئی تھی اسی روز ضویا کی نیت ہم دونوں پر قدرت نے آشکار کر دی تھی اور مجھے مکمل طور پر ایک سطحی حسن سے آزاد کرا دیا تھا میں مجھے اس نے بے وقوف بنایا تھا اور میرے پر کسی اور کو ترجیح دی تھی بعد میں جب ہوچا تو ضمیر نے آئینہ دکھایا کہ میں نے تمہارے ساتھ بھی تو یہی کچھ کیا ہے اسی وحشت میں نجانے کیسے میں نے تمہارے ساتھ زبردستی کا بندھن باندھنا چاہا جیسے میں اپنی مرضی سے باندھنا چاہتا تھا مجھ پر ایک جنون سا طاری تھا لیکن تم نے اس سچویشن کو نرمی کے ساتھ ہینڈل کیا اگر تم مجھے کچھ جتاتی یا آگے سے غصہ دکھاتی تو شاید میری وحشت وجنون کا سیلاب ہم دونوں کی ہستیوں کو تہہ و بالا کر ڈالتا میں بھی بعد میں تم سے نظریں نہ ملا پاتا اس روز میں مکمل طور پر تمہارے آگے ہار گیا تھا بس صحیح طرح سے ادراک نہیں کر پا رہا تھا تمہارا اپنی دادو کی موت پر صدمے سے نڈھال ہونا روتے ہوئے اپنے دکھ بیان کرنا میری جی چاہ رہا تھا تمہیں چھپا کہ کہیں لے جاؤں لیکن انا نے زبان گوئی پر چپ کے قفل ڈال دیئے کاش میں نے تب ہی تم سے اعتراف محبت کر لیا ہوتا تو جدائی ہمارا مقدر نہ ٹھہرتی۔

"عوزہ..... عوزہ میں ہار گیا میں تمہارے آگے ہار گیا میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا اتنے دنوں سے تمہارے اس چھوٹے سے کمرے میں اس بہتر پر رائیں بسر کر رہا ہوں خود بیڈ پر مزے سے سوتا رہا اور تم بنا جرم کے اس کمرے میں تنہائی کی سزا کاٹتی رہی ہر روز روتا ہوں کوستا ہوں عوزہ میں بہت برا ہوں بے حد برا۔" آخر میں حمید کا جیسے خود پر اختیار نہ رہا تھا۔

"ک..... کیا کر رہے ہیں حمید پلیز ایسا مت کریں..... پلیز خاموش ہو جائیے۔" عوزہ نے جلدی سے حمید کے ہاتھ تھام لیے اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ حمید کو کس طرح سے چپ کرائے۔

"اچھا پلیز میری بات سنیے اپنے دل کا سب حال کہہ ڈالا میرے دل کی بات نہیں سنے گے میرے دل پر بھی بہت بوجھ ہے اسے نہیں ہٹانے گے؟" عوزہ نے ملتجانہ انداز میں حمید سے کہا۔

حمید اپنے چہرے سے آنسو صاف کیے کچھ پل خاموش رہا اور پھر ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

"بولو! جو بھی سزا دو گی مجھے منظور ہے بس تم سے التجا ہے عوزہ مجھے معاف مت کرنا میں اس قابل نہیں ہوں۔ اوکے آپ پلیز پہلے ادھر صوفے پر آ کر بیٹھیے۔" عوزہ نے حمید کو پاس رکھے دوسرے صوفے پر بیٹھنے کا اشارا کیا اور حمید دھیرے سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور عوزہ کی جانب سوالیہ اور منتظر نگاہوں سے دیکھا۔

"پہلے روز آپ کی باتیں سن کر میں اندر سے ٹوٹ گئی تھی ایک بار پھر مجھے اس جرم کی سزا سنائی گئی تھی جو میں نے کیا ہی نہیں تھا کیا صرف ظاہری خوبصورتی ہی سب کچھ ہے آپ کے اندر کی خوبصورتی دیکھنے والی کیوں آنکھ نہیں ان سوالوں نے میرے بچپن کے ساتھ بڑھنا شروع کیا تھا لیکن میری دادو کی تربیت اور میری اپنی شخصیت نے یہ گوارا نہ کیا تھا کہ میں آپ کے آگے روؤں گڑگڑاؤں چلا چلا کہوں کہ ان سب باتوں میں میرا کیا قصور میں نے من گھڑت بات بنالی مجھے نہیں معلوم کب میرے دل میں آپ کی محبت نے جنم لیا اور کب یہ تناور درخت بن گئی پہلے روز سے ہی مجھے آپ کی اس خوبی کا ہا خولی اندازہ ہو گیا کہ آپ عورتوں کو کمزور اور کھلونا سمجھ کر کھیلنے والوں میں سے نہیں ورنہ دنیا ایسے مردوں سے بھری پڑی ہے جو اپنی بیویوں کو پسند نہیں کرتے، محبت نہیں رکھتے لیکن اپنا شرعی حق وصول کرنا فرض سمجھتے ہیں بہت کمزور نفس کے حامی ہوتے ہیں ایسے مرد لیکن مجھے لگا کہ میں آپ کی تیز رفتار زندگی میں آپ کے لیے رکاوٹ ہوں محبت تو میں کرتی ہوں آپ سے لیکن اسے آپ سے تاوان کے طور پر کیوں لوں اسی لیے میں نے یہاں آنے کا فیصلہ کر لیا میرے لیے زندگی میں اتنا ہی کافی تھا کہ آپ کی یادوں کے سہارے باقی کی زندگی گزار دوں لیکن میری وجہ سے آپ مجبور زندگی گزارے یہ میری محبت کو گوارا نہ تھا ویسے بھی میری کمی....."

"اوں ہوں خود کو کچھ مت کہنا میرے اقرار کے بعد تمہیں اپنی کمی کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کمی تو میری بینائی میں بھی ہے جو اصل خوبصورتی دیکھ نہیں پائی۔" حمید نے سرشار لہجے میں عوزہ کو ٹوکا۔

"جھوٹ! اگر ایسا ہے تو مجھے یہاں آنے کیوں دیا روکا کیوں نہیں؟ اتنے عرصے سے کوئی رابطہ رکھا کیا بابا روز مجھے فون کرتے ہیں اور آپ کے حوالے سے کتنے جھوٹ بولتی ہوں اندازہ ہے اس کا آپ کو؟" عوزہ نے روٹھے انداز میں کہا۔

"ہوں تو اب میں جناب جی کی عدالت میں ہوں۔ جان من روکا اس لیے نہیں کہ میں تمہارے بغیر جی کر دیکھنا چاہتا تھا خود کو اچھی طرح سے جانچنا چاہتا تھا کہ کہیں جذبات میں آ کر تو میں فیصلہ نہیں کر پا رہا ابھی جسے محبت سمجھ رہا ہوں آگے جا کر کسی لمحے پچھتاؤں گا تو نہیں لیکن یہ میرا جذباتی فیصلہ نہ تھا یہ تو دل کا فیصلہ ہے اور تم سے رابطہ کیوں نہ کیا اس کی بھی یہی وجہ تھی تم جدا ہو کر تنہا اپنا محاسبہ کرنا چاہتا تھا۔

"خود کو سزا دی میں نے تڑپایا ہے دن رات تمہاری یاد میں کراہتا رہا ہوں روتا رہا ہوں تمہاری ڈائری کو سینے سے لگا کر۔"

"ڈائری کونسی ڈائری؟" عوزہ نے

www.pkdigest.com

چونکتے ہوئے پوچھا۔

"میری پیاری سی بھولی سی بیوی دن رات مجھے یاد کرتی ہو اور ڈائری جیسی اہم دوست کو میرے پاس ہی چھوڑ آئی شاید قدرت نے ایسا کیا کیونکہ تمہاری اس خاموش چاہت نے تمہاری ہر سوچ میرے تک پہنچادی اور میں اتنا بدنصیب اور کم عقل نہیں کہ ایک لڑکی جو مجھے اتنی شدت سے چاہتی ہوں میں اس کی محبت کو نہ اپناؤں میں تو خود اس کی محبت میں پورا پور ڈوبا ہوا ہوں۔" حمید نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"عوزہ! کیا تمہیں ایسا شخص قبول ہے جس کے اندر اصل خوبصورتی کو دیکھنے کی کمی ہے بولوناں۔" حمید نے صوفے پر آگے جھکتے ہوئے بے چینی سے سوال کیا۔

"قبول ہے۔" عوزہ نے شرم سے دھیرے سے سر ہلاتے ہوئے دھیرے سے لب ہلائے۔

"اوہ تھنک یو جان من آئی رئیلی لو یو۔" حمید نے ایک دم خوش ہوئے ہوئے کہا اور عوزہ کا سر شرم سے مزید جھک گیا پہلی بار اس کے ہونٹ ایک مکمل خوشی سے مسکرائے تھے۔ تمہیں معلوم ہے آج کیا تاریخ ہے 13 فروری اتنے عرصے سے اس تاریخ کا بے چینی سے انتظار تھا آج ہماری شادی کی پہلی سالگرہ ہے اور میں آج کے دن ہی پھر سے نئی اور خوشی سے بھرپور زندگی کا آغاز تمہارے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ سب کو منع کر رکھا تھا کہ آج تمہیں کوئی وش نہ کرے اب جبکہ تمہارا یہ کورس مکمل نہیں ہوتا میں تمہارا پاس رہوں گا کل سے ہم لوگ اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو رہے ہیں۔" حمید نے عوزہ کو آگاہ کیا۔

"کیا؟ ابھی تو تقریباً ایک ماہ پڑا ہے بابا گھر اکیلے کیسے رہے گے۔" عوزہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"بابا کی بڑی فکر ہے بے چارے شوہر کا بھی خیال کرو بیوی جو ایک سال سے تنہا زندگی گزا رہا ہے۔"

"میں نے بے چارے شوہر کو ایسی زندگی گزارنے کو نہیں کہا تھا۔" عوزہ نے فٹ جواب دیا۔

"اس لیے تو میں بابا کو اپنے ہنی مون کا کہہ کر آیا ہوں ویسے بھی ہم لوگوں جب ہنی مون پر آتے تو بابا نے اکیلے ہی رہنا تھا اب یہ وقت آپ کا صرف پڑھائی کا نہیں بلکہ ہنی مون پڑھ بھی ہے عوزہ میں تمہیں اتنی محبت دوں اتنی دوں گا کہ تم پچھلی ہر زیادتی بھول جاؤ گی۔"

"لیکن حمید وہ میری پڑھائی....."

عوزہ حمید کی باتوں کا مطلب جان کر ایک دم بلش ہوگئی اور پڑھائی کا بہانہ بنانے لگی۔

"جناب پڑھائی میں ہم آپ کی مدد کریں گے آپ بس تنہائی کو دور کرنے میں ہماری مدد کردیجیے گا۔" حمید نے عوزہ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔

"حمید پلیز....." عوزہ کا دل پکار گی تیزی سے دھڑکنے لگا شرم کے احساس سے وہ سرخ پڑ گئی اور حمید کی بوجھل آواز سے گھبرا اٹھی۔

"او کے بابا جسٹ ریلیکس اچھی چائے پلاؤ یہ باتیں تو ہم اپنے اپارٹمنٹ میں جا کر کرے گا جسے مجھے اپنی دلہن کے شایان شان سجانا ہے"

"عوزہ! آئی لو یو۔" حمید نے اٹھ کر کچن میں جاتی ہوئی عوزہ کو روک کر کہا اور عوزہ جلدی سے کچن کی جانب بڑھ گئی حمید کے ہونٹوں پر پڑی دلا آویزہ اور جاندار مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"آئی لو یو ٹو حمید۔" عوزہ کے لبوں نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی اور تمام ماحول جیسے مسکرا اٹھا بڑا کٹھن سفر کر کے دونوں ملن کی منزل پر پہنچے تھے ہمیشہ ساتھ رہنے کے لیے۔

☆.....☆.....☆

کبھی یاد آؤ تو اس طرح

روحیلہ ریحان

www.pkdigest.com

اس نے جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹیں ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ اور اسے چھ بجے سے پہلے پہلے گھر پہنچنا تھا' اس کی نگاہوں کے سامنے اماں کا غصیلا چہرا ابھرا تو اس کے ہاتھ اور بھی تیزی سے چلنے لگے۔

"نجانے دن بھر میں اتنا کباڑ کیسے پھیل جاتا ہے۔" وہ چڑ رہی تھی اپنے آپ سے۔

"رحمان! میرا کمرہ لاک کر دینا۔"

کھٹ کھٹ کھٹ کاریڈور عبور کرتے ہوئے اس نے رحمان کو آواز دی۔

وہ تو خدا نے اس کی جلد ہی سن لی کہ آفس سے باہر نکلتے ہی رکشہ مل گیا۔ رکشے سے اترتے ہی اس نے تقریباً" دوڑتے ہوئے گیٹ کا رخ کیا۔ لیکن اندر داخل ہوتے ہی اسے عظمیٰ کی دہشت زدہ صورت نظر آئی۔

"آپی مروا دو گی۔ قسم سے وہ لوگ تقریباً" پندرہ منٹ سے آئے بیٹھے ہیں اور اماں بار بار پہلو بدل رہی ہیں۔ فٹافٹ جاؤ اور انسان بن کر آؤ ورنہ تمہارے ساتھ میری بھی کھنچائی ہوگی۔"

سنی نے ان لوگوں کو صلواتیں سناتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب دوڑ لگا دی' جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا اور ایک نظر آئینے پر ڈالی۔ دن بھر کی اٹھک بیٹھک نے کپڑوں پر بے شمار شکنیں ڈال دی تھیں لہٰذا مجبوراً" الماری سے نیا جوڑا نکالا اور برش سے اپنے بال نوچتے ہوئے انہیں کچھ سنوارنے کی کوشش کی۔

"آپی! چائے تیار ہے۔"

عظمیٰ نے بندروں کی طرح دروازے کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بس تیار ہوں۔" اس نے کہا

ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے اچھی بچیوں کی طرح چائے کی ٹرالی کا چارج عظمیٰ سے لیا اور سر جھکائے ٹرالی دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"آؤ بیٹا آؤ۔"

اماں کا دل اندر سے تو یقیناً" کباب ہو رہا ہوگا' لیکن مہمانوں کے سامنے انہوں نے محبت کے موتی بکھیرتے ہوئے کہا۔ اس نے ڈر کے مارے نگاہ اٹھا کر بھی ان کی جانب نہیں دیکھا' اور ٹرالی لے کر بیچ میں بت کی طرح کھڑی ہو گئی۔

"ارے یہاں آؤ بیٹا! میرے پاس۔"

ادھیڑ عمر کی خاصی بنی ٹھنی خاتون شاید وہ لڑکے کی ماں تھیں' منی جھٹ ان کے برابر صوفے پر جا کر ٹک گئی اور قالین تکنے لگی۔ وہ خاتون تو شاید یہ ہی سمجھ رہی ہوں گی کہ بڑی سعادت مند بچی ہے جو یوں نگاہیں جھکائے بیٹھی ہے۔ اب ان بے چاری کو کیا معلوم کہ دراصل وہ اماں کی غصیلی نگاہوں سے بچنے کے لیے ایسا کر رہی ہے۔

"منی بیٹا! کون سے اخبار میں کام کرتی ہو؟"

ان خاتون نے اس کے چہرے کا جغرافیہ کھوجتے ہوئے پوچھا۔

"جی گائیڈ۔" اس نے مختصراً" بتایا۔

"اچھا اچھا' وہ تو بڑا مشہور اخبار ہے' ہمارے گھر بھی وہ ہی آتا ہے۔" وہ خاتون اس سے خاصی متاثر نظر آ رہی تھیں۔

"چائے بناؤ منی!۔"

اماں کو تو شروع سے ہی اس کی اخبار کی نوکری سے چڑ تھی شاید اس لیے انہیں اس کا ذکر بھی ناگوار گزر رہا تھا۔ اس نے فوراً" اماں کے حکم کی تعمیل کی اور چائے بنانی شروع کر دی۔

منی جیسی بولڈ جرنلسٹ جو بڑے بڑے لوگوں سے کھٹا کھٹ سوالات کر کے انہیں کنفیوز کر دیتی تھی اس مرحلے پر آ کر خود اتنا کنفیوز ہو جاتی تھی کہ اسے اپنے آپ پر رونا آتا تھا۔

"کم بخت یہ نہیں کہ کوئی پسند کر لے تاکہ اس پریڈ سے تو نجات مل سکے' لیکن اوپر والے نے یہ بوتھی ہی ایسی نہیں بنائی کہ کوئی اس پر عاشق ہی ہو جائے۔" اس نے ٹاپس اتارتے ہوئے جل کر دل میں سوچا۔

"آپی! کوئی بات بنتی نظر آئی۔"

عظمیٰ نے اپنے مخصوص انداز میں دروازے میں سے جھانکتے ہوئے اس کے زخموں پر نمک چھڑکا۔

"چھوٹی! اپنی قسمت میں ہی نہیں لکھا دلہن بننا۔"

غصے میں وہ اکثر اسے چھوٹی ہی کہا کرتی تھی۔

"ہائے ہے آپی! توبہ کرو۔ کیسی باتیں کرتی

ہو۔ دیکھ لینا ایسا اے ون دولہا ہوگا تمہارا کہ بس سب دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔" "مجھے بھی یہی لگ رہا ہے کہ سب دیکھتے ہی رہ جائیں گے' اسی لیے وہ خلائی دولہا آسمان سے ٹپک نہیں رہا' ایمان سے چڑھو منی ہے اس شادی کی کیٹ واک سے۔"

غصے سے اس کی آواز خاصی بلند ہو چکی تھی۔

"ہش۔۔۔"

عظمیٰ نے جھٹ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے آہستہ بولنے کا اشارہ کیا تو اسے فوراً" بریک لگ گیا۔

"اماں کا خیال ہے کہ تمہاری اس نوکری کی وجہ سے لوگ بھاگتے ہیں۔"

عظمیٰ نے پیار سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا اور آئینے میں اس کی نگاہوں میں جھانکنے لگی۔ منی نے مسکرا کر اس کے گورے ہاتھوں پر اپنے سانولے ہاتھ رکھے۔ عظمیٰ اس سے صرف تین سال ہی تو چھوٹی تھی لیکن رنگ و روپ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ منی سانولی سلونی دبلی پتلی لیکن اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے بلا کی ذہانت ٹپکتی تھی۔ بقول عظمیٰ کے۔

"آپی یوں لگتا ہے کہ ساری دنیا تمہاری آنکھوں میں جیسے سمٹ آئی ہو۔"

جبکہ عظمیٰ گوری چٹی اور بھرے بھرے جسم کی مالک تھی بلکہ بہت سے لوگ تو اسے منی کی بڑی بہن سمجھتے تھے۔

جب وہ چھوٹی سی تھی تو ابا کا انتقال ہو گیا تھا۔ تب سے بڑے بھیا نے ابا کی جگہ سنبھال لی تھی حالانکہ اس وقت وہ خود پڑھ رہے تھے۔ لیکن حالات نے انہیں وقت سے پہلے سنجیدہ بنا دیا تھا۔ ابا کی بے وقت موت سے اور حالات کی وجہ سے اماں کی طبیعت میں چڑچڑا پن آ گیا تھا۔ ننھیال کی طرف سے کچھ سہارا بھی ملا جبکہ ددھیال والوں نے تو اپنی آنکھیں ان کی جانب سے بالکل بند کر لی تھیں۔ گریجویشن کرتے ہی بڑے بھیا کو دبئی جانے کا چانس مل گیا تو انہوں نے اسے اپنی خوشی قسمتی جانا اور یوں وہ روپیہ کمانے کی مشین بن گئے۔ انہیں تو پیسہ کمانے کی دھن ایسی سوار تھی کہ اپنی شادی کی جانب کبھی توجہ ہی نہیں دی وہ تو اماں بہنوں نے ہی سر پر سوار ہو کر ان کو شادی کے بندھن میں باندھا۔ خوش قسمتی سے یا شاید زندگی کے تلخ تجربوں کے صلے میں خدا نے انہیں نہایت اچھی بیوی سے نوازا۔ لیکن نوکری نے پھر انہیں دبئی جانے پر مجبور کر دیا۔

یوں بڑے بھیا اور بھابھی پردیس کے ہو رہے۔ لیکن ہر ماہ باقاعدگی سے پیسے بھجوانا وہ کبھی نہ بھولتے تھے بلکہ وقفے وقفے سے فون کر کے ان سب کی خیریت بھی دریافت کرتے رہتے تھے۔ لیکن ماں تو ماں ہی ہوتی ہے انہیں تو کاغذ کے پرزوں سے زیادہ اپنے بیٹے کے میلے کپڑوں کی خوشبو سے عشق تھا۔ لیکن بیچ میں ظالم پیٹ جو آ گیا تھا۔ شاید بڑے بھیا کی دوری نے بھی اماں کے چڑچڑے پن کو مزید بڑھا دیا تھا۔ اوپر سے جب سے اس نے اخبار کی نوکری کی تھی۔ تب سے ہی ان کے سر پر اس کو بیاہ دینے کا بوجھ کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ تقریباً" دو سال سے یہ ہی چکر چل رہا تھا کہ لڑکے والے آتے اور اسے دیکھ کر چلے جاتے تھے۔ اب اگر اس کی قسمت میں شادی دیر سے ہونا لکھی تھی تو اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ لیکن اماں کو تو سارا قصور بس اس کی اخبار کی نوکری کا ہی نظر آتا تھا حالانکہ کتنی مشکل سے اتنی اچھی نوکری ملی تھی۔ لیکن اماں کو نوکری سے زیادہ اس کی شادی کی فکر تھی خود وہ اتنی عاجز آ گئی تھی کہ بس نہیں چلتا کہ کسی لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر خود اماں کے سامنے کر دیتی کہ۔

"یہ لیں باندھ کر رکھیں آپ کا ہونے والا داماد' دیکھیے کہیں دوڑ نہ لگا دے۔" لیکن اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ ایسا کر بھی تو نہیں سکتی تھی اچھی خاصی شریف بلی جو تھی۔

شوبز کو کور کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ آرٹسٹوں کے نخرے کہ ابھی سو رہے ہیں' ابھی شوٹنگ پر جا رہے ہیں یا تھوڑی دیر بعد فون کیجیے گا۔ کبھی کبھی تو اس کا دماغ بھنا جاتا تھا۔ شوبز اس کی فیلڈ نہیں تھا اسے تو کرائمز کور کرنے کا شوق تھا۔ لیکن ایڈیٹر صاحب نے شاید اس کی کمزور صحت دیکھ کر اپنی دانست میں۔۔۔ اس پر رحم فرمایا تھا۔ ویسے اس کا بھی

www.paksociety.com

کچھ پتہ نہیں تھا کبھی ملک کے اقتصادی و معاشی مسائل پر قلم اٹھاتی۔ کبھی سیاست دانوں پر برہم ہوتی' تو کبھی بیورو کریسی کے خلاف جہاد کی ختم کے بارے میں سوچتی' بیک وقت وہ اپنی ذات میں ایک مکمل اخبار تھی۔

"منی' وہ تم نے سمیع کا انٹرویو کر لیا۔" وہ ٹی وی کی نئی پالیسی کے بارے میں بڑی توجہ سے آرٹیکل لکھ رہی تھی کہ منور نے آکر ایک اور چٹکلہ چھوڑا وہ بھنا کر اسے دیکھنے لگی۔

"تو کیا تمہیں سمیع سے شرم آتی ہے۔" اس نے الٹا سوال ٹھونک دیا۔

"بھئی یہ تمہارا کام ہے۔"

"لیکن پیکیز! مجھے قلم کا کچھ کام ہے۔"

"وہ اچھا ریشم کراچی آئی ہوئی ہے شوٹنگ کے لیے۔" اس نے منور پر طنز کیا اس کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"جی ہاں۔ اور ساتھ میں لیلیٰ بھی ہے تمہیں کوئی اعتراض۔" وہ خاصا تپ رہا تھا۔

"کس پر ریشم پر یا لیلیٰ پر۔" اس نے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے پھر میں ایڈیٹر صاحب سے کہہ دیتا ہوں کہ میں ایسے اخبار میں کام نہیں کر سکتا جہاں صحافیانہ ذمہ داری کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔"

منور کو بھی بات بات پر اخبار چھوڑنے کی دھمکی دینے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ صرف اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے اور بات کو سنگین کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کرتا ہے ورنہ ایڈیٹر کے سامنے کبھی جھوٹے منہ بھی اخبار چھوڑنے کی بھاپ نہیں نکالتا ہے۔

"اچھا اچھا جاؤ بھئی کر لوں گی اس کا انٹرویو۔ سنو ویسے کسی دن تم اپنی بات پر اڑ ہی جاؤ۔" اب اس کے لیے ہنسی روکنا ناممکن تھا' وہ منہ بناتا ہوا چلا گیا۔

"احمق کہیں کا۔" اس نے اسے خوبصورت سے لقب سے نوازا۔

سمیع ٹی وی کا ایک باصلاحیت نوجوان فنکار تھا۔ اور حیرت انگیز طور پر اسے کبھی کسی لڑکی کے ساتھ گھومتے پھرتے ریستورانوں یا ہوٹلوں پر نہیں دیکھا گیا تھا۔ اور پھر جب سے پرائیویٹ پروڈکشنز کا آغاز ہوا تھا۔ اس کی مانگ میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ منی نے اس کے بارے میں سنا تو بہت کچھ تھا۔ لیکن کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا' اور ویسے بھی اسے آرٹسٹوں کے پیچھے دوڑنا' ان سے دوستیاں رکھنا کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔

اس کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اسے سخت چڑ محسوس ہو رہی تھی۔ ویسے بھی صبح کے گیارہ بجے موصوف یا تو سو رہے ہوں گے یا نکل چکے ہوں گے کسی شوٹنگ کے لیے۔

"ہیلو۔" دوسری جانب سے ایک زنانہ آواز ابھری۔

"دیکھیے جی میں اخبار گائیڈ سے بات کر رہی ہوں' منی' مجھے سمیع خان سے بات کرنی ہے۔"

"بیٹا وہ اس وقت واش روم میں ہیں۔ آپ تھوڑی دیر بعد رنگ کر لیجیے گا۔ بلکہ ایسا کریں آپ مجھے اپنا نمبر لکھوا دیں' وہ خود آپ کو رنگ بیک کر لے گا۔" خاتون نے اسے ٹہلانے کی کوشش کی' وہ سمجھ تو گئی تھی لیکن اخلاقاً "اسے اپنا نمبر دینا ہی پڑا۔

"ہونہہ نخرے۔"

اس نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ اتوار کی چھٹی کی وجہ سے ابھی کافی کام ایڈوانس میں کرنا باقی تھا۔ ابھی اسے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ٹیلی فون کی بیل چیخی۔

"ہیلو!"

"دیکھیے۔ مجھے منی اقبال سے بات کرنی ہے۔" دوسری جانب سے بڑی گمبھیر سی مردانہ آواز ابھری۔

"جی بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ تو آپ منی ہیں۔ سمیع خان عرض کر رہا تھا۔" اسے اپنی سماعت پر شک سا گزرا۔

"آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میری امی سے شاید آپ کی ہی بات ہوئی تھی۔"

"جی جی آپ سمیع ہیں۔ میں پہچان گئی۔ دراصل آپ آرٹسٹ ذرا کم ہی ایسے تکلفات کرتے ہیں اس لیے کچھ۔ خیر چھوڑیے دراصل مجھے آپ کا ایک انٹرویو کرنا ہے آپ مجھے بتا دیجیے۔ کس وقت حاضر ہو جاؤں۔" وہ اس کے اخلاق سے کافی متاثر ہو چکی تھی۔

"نہیں جی آپ خاتون ہیں۔ میں آپ کو تکلیف کیوں دوں اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے آفس آجاتا ہوں ورنہ آج تو نہیں لیکن کل شام چھ بجے کے بعد سے میں فارغ ہوں۔"

"آپ تکلیف کیوں کرتے ہیں۔ کل میں سوا چھ بجے اپنے فوٹو گرافر کے ساتھ حاضر ہو جاؤں گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ اوکے منی صاحبہ پھر کل آپ سے تفصیل سے بات چیت ہو گی۔"

"اوکے سمیع صاحب بائے۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور اس کے متعلق سوچنے لگی ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس معیار کا آرٹسٹ اور اتنی انکساری دکھائے۔ لیکن کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ یہ دنیا اسٹیج کی مانند ہے اور شاید کچھ لوگ اداکاری میں حقیقت کا رنگ بھر دیتے ہیں اور کچھ حقیقت میں اداکاری کا۔

ٹھیک سوا چھ بجے وہ فوٹو گرافر انور کے ساتھ اس کے گھر پر موجود تھی۔

"ارے! آپ لوگ تو وقت کے بڑے پابند نکلے۔" انہیں دیکھ کر وہ خوشدلی سے مسکرایا۔ سفید رنگ کے کاٹن کے کلف لگے کرتا شلوار میں وہ بڑا باوقار لگ رہا تھا۔ لمبا چوڑا' کھلتی ہوئی رنگت دیکھ کر وہ کچھ کنفیوز ہو گئی۔ ٹی وی پر تو ایسا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ واقعی ایک مکمل وجیہہ انسان تھا۔

"آپ لوگ پلیز بیٹھیے۔" وہ خود اس کے سامنے صوفے میں دھنس گیا۔ منی نے اپنا ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔

انٹرویو میں اتنا وقت گزر گیا۔ اس کا احساس اسے سمیع کے گھر سے نکل کر ہوا۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشاجی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

www.pkdigest.com

"ارے دو زندہ بھی۔ ورنہ اماں تو میرا قیمہ ہی کر دیں گی۔"

انور نے اس کا جملہ سن کر منہ بنایا۔ اس لیے کہ وہ اس کے اس قسم کے جملوں کا عادی تھا۔ پورے اخبار میں اس نے بھی تو اپنی اماں کا ہوا اٹھایا ہوا تھا لیکن اس بار واقعی خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اماں کا پارہ واقعی بہت ہائی تھا۔

"یہ لڑکیوں کے آنے کا وقت ہے؟ گھڑی دیکھی ہے تم نے۔" گھر میں گھستے ہی اس کے سر پر بم پڑا۔

"جی وہ اماں بس۔"

وہ منمنائی حالانکہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی کیسے پٹر پٹر سمیع سے سوال جواب کر رہی تھی۔ لیکن اماں کا وجود ایسا تھا کہ ان کے سامنے تو بڑے بڑوں کا پتا پانی ہو جاتا تھا ویسے یہ اس کا اپنا ذاتی خیال تھا۔

"خبردار جو کل سے تم نے اس اخبار کا رخ کیا۔ غضب خدا کا بھائی پردیس میں بیٹھا ہے، یہاں میں بڑھیا دو جوان لڑکیوں کو اکیلی لے کر بیٹھی ہوں۔ ارے کوئی ہاں کہہ دے تو میرا درد سر کم ہو۔ بی بی ہم نہیں برداشت کر سکتے تمہارے یہ چونچلے۔"

اماں غصے میں بڑبڑائے جا رہی تھیں اور وہ سر جھکائے سنے جا رہی تھی۔ ان کا غصہ کچھ کم ہوا تو اس کی جان چھوٹی اور اپنے کمرے میں آکر اشکوں کی برسات شروع کر دی۔

"آپی! تمہیں تو معلوم ہی ہے اماں کا۔ اور پھر ٹھیک ہی تو ڈانٹ رہی تھیں۔ آج کل کے حالات بھی تو ایسے ہیں۔ بالکل پتا نہیں چلتا کہ کب کیا ہو جائے۔"

"اچھا اب چھوڑو بھی۔ ویسے اتنی دیر بھی تو تمہیں کبھی نہیں ہوئی تھی۔" عظمیٰ بھی پیار پیار میں اسے تاڑ رہی تھی اس لیے کہ اماں کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی ہولے جا رہا تھا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔ وہ سمیع کا بچہ اپنے سارے اگلے پچھلے قصے لے بیٹھا۔"

"لیکن کم از کم فون تو کر دیا کرو۔ اماں کو ہول اٹھ رہے تھے دو مرتبہ باتھ روم جا چکی ہیں۔" اس نے اپنے اندر کا حال اس سے چھپاتے ہوئے اسے نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"سوری عظمیٰ! لیکن اماں نے سختی سے منع کر دیا ہے آفس جانے سے۔" اس کے منہ پر بارہ بج رہے تھے۔

"ارے میری جان! فکر کیوں کرتی ہو۔ بڑے بھیا کا کل فون آجائے گا تو پھر خود بخود جھکنے لگیں گی لیکن مائی ڈیئر سسٹر! کل تو تمہیں چھٹی تو کرنا ہی پڑے گی۔"

عظمیٰ کا خیال کافی حد تک درست تھا۔ بڑے بھیا کا فون اماں کے لیے خوش اخلاقی کے تعویذ کی مانند تھا۔ اسے بھی کچھ حد تک سکون آچکا تھا۔

"اچھا اب تم آرام کرو۔ میں چلتی ہوں اماں نے چائے کا کہا تھا۔"

♥ ♥ ♥ ♥

کام میں جتے رہنے کی کچھ ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ ایک دن بھی گھر میں گزارنا اور وہ بھی بغیر کسی وجہ کے نہایت بور لگ رہا تھا۔ لیکن اماں کا حکم کیسے ٹال سکتی تھی۔ عظمیٰ تو بڑے آرام سے آفس کو چلی گئی تھی لیکن اسے گھر میں دیکھ کر اماں کا خون سیروں بڑھ گیا تھا۔ اس نے بھی پورے گھر کی صفائی کر ڈالی گھر گندا ہی کب تھا جسے وہ صاف کرتی لیکن پھر بھی اپنے تئیں بہت کچھ کر ڈالا، پیتل کے گلدان پر وہ بڑی جان لگا کر پالش کر رہی تھی کہ فون کی بیل بجی۔

"ہیلو۔" اس کا سانس پھول رہا تھا۔

"ہیلو منی! میں سمیع بات کر رہا ہوں۔" اس نے اسے ڈائریکٹ مخاطب کر کے اسے حیران کر دیا۔

"ارے آپ... کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔ آپ کے آفس فون کیا تھا لیکن معلوم ہوا کہ آج آپ نہیں آئی ہیں، اس لیے وہاں سے آپ کے گھر کا نمبر لیا اور آپ کو رنگ کیا۔ خیریت طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟"

"ہاں بس ایسے ہی۔ کچھ تھکن سی ہو گئی تھی۔" جلدی میں اسے یہ ہی جھوٹ سوجھا۔

"واقعی کل بہت دیر ہو گئی تھی اور آپ تو ویسے ہی دھان پان سی ہیں۔" شاید یہ ان کی حس مزاح کا کمال تھا لیکن اس کا منہ بن گیا۔

"شاید آپ کو برا لگا۔" اس کے خاموش رہنے کا اس نے یہ ہی مطلب لیا جو سو فیصد درست تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"شکریہ۔ اچھا انشاء اللہ پھر بات ہو گی خدا حافظ۔"

اس نے فون رکھ دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ ریسیور کو تکتی رہی پھر اس نے بھی ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"عجیب شخص ہے۔" اس نے حسب عادت ریمارکس پاس کیے۔

صبح بڑے بھیا کا فون آیا اور شام تک وہ بالکل نارمل ہو چکی تھیں۔

اس کو آفس جانے کی اجازت کیا ملی گویا اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی، بڑی میچنگ سے کپڑے نکالے جیسے پہلی بار جا رہی ہو۔

"اف تو گویا آپ آ ہی گئیں۔" منور نے اسے سر سے لے کر پیر تک معنی خیز انداز سے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا آپ نے میرے نہ آنے کی منت مان رکھی تھی؟"

اسے اس کے اس قدر چبھتے جواب آنے کی ہرگز امید نہ تھی للذا فوراً ہی جھینپ گیا اور سر جھکا کر چلا گیا۔ زیر لب وہ بھی مسکرا دی اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر خوشی کا عجب سا احساس ہوا۔ اس نے یونہی فون اٹھایا اور نمبر ملایا۔ پھر اس کی انگلیاں خود بخود رک گئیں۔

"یہ میں کس کا نمبر ملا رہی ہوں؟ سمیع کا۔ لیکن کیوں؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"بری بات۔ کیا سمجھے گا وہ۔ ایسے ہی فری ہو رہی ہوں۔"

"تو کیا ہوا، آخر اتنا بڑا معرکہ سر کر کے آئی ہوں۔ اماں کو منانا کون سا آسان ہے۔ اب منور کو تو یہ خبر سنا کر خوش نہیں ہو سکتی میں۔ تو پھر کیا اسے بتا کر میں خوش ہوں گی؟" وہ اپنے آپ سے ہی سوال جواب کر رہی تھی۔

ٹرن ٹرن۔

وہ خیالوں میں ہی اپنے آپ سے لڑ رہی تھی کہ فون کی بیل نے اسے گڑبڑا دیا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو۔ سمیع عرض کر رہا ہوں۔" منی کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آگیا ہو۔

"آ۔ آپ۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔" بے اختیار اس کے منہ سے پھسل گیا۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آرہا۔" اس کی آواز میں ہنسی کا امتزاج بھی شامل تھا۔

"اچھا۔" وہ بچوں کی طرح سوال پہ سوال کر رہی تھی۔

"اس لیے کہ میں نے فون کیا تھا آپ کے ایڈیٹر صاحب کو اور مل گئیں آپ۔" منی کا دل یہ سن کر بیٹھ سا گیا۔

"وہ شعر آپ نے سنا ہے نا۔ آپ کو شعر و شاعری سے لگاؤ ہے؟" وہ شعر سناتے سناتے رک گیا۔

"جی۔" اس نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ایک نادیدہ تعلق میں بندھے ہیں دونوں
باوجود اس کے کہ تجھ سے کوئی ناتا تو نہیں

"بالکل ایسا ہی شاید ہم دونوں کے ساتھ ہے کہ شاید آپ بھی کسی اور کا نمبر ملانا چاہ رہی ہوں گی اور اچانک میرا فون آگیا۔ اور اس طرح آپ ڈسٹرب ہو گئیں۔" اس کے شعر میں کئی معنی چھپے ہوئے تھے۔ لیکن اس کی گفتگو سارے مضمون کی نفی کر رہی تھی۔

"اچھا ادبی ذوق ہے آپ کا۔"

"شکریہ۔ ویسے میں قسمت کا اچھا ہوں۔ بچپن سے ہی ابا کی وجہ سے ادبی نشستوں میں بیٹھنے کا موقع ملا پھر اچھے پروڈیوسرز ملے اور اچھے ساتھی آرٹسٹ بھی۔ بڑی ہیروئنوں کے ساتھ کام کیا، لیکن یہاں مات کھا گیا۔ آپ دیکھیے میرے تقریباً ہر ڈرامے میں یا تو میں مر جاتا ہوں یا ہیروئن۔"

"واقعی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ابھی حال میں ہی اس کی دو سیریلز میں یہ ہی ہوا تھا اسے اچھی طرح یاد تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ شاید لڑکی میری قسمت میں ہے ہی نہیں۔" اس کے اس طرح شکوہ کرنے پر منی کو

بے ساختہ ہنسی آگئی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ارے آپ ہنس رہی ہیں۔ یقین کریں میری تو کوئی لڑکی فرینڈ بھی نہیں ہے کہ جس سے میں اپنے دل کا حال کہہ سکوں۔" اب وہ مذاق پر اتر آیا تھا منی ہنسے جا رہی تھی۔

"اور جو آپ کی چھ درجن فرینڈز ہیں وہ۔"

"ارے بھئی فرینڈز تو فرینڈز ہوتی ہیں۔ اور گرل فرینڈ ہوتی ہے۔"

وہ اسے استادوں کی طرح سمجھا رہا تھا۔

"ویسے یہ آپ نے خوب کہی کہ لڑکی آپ کی قسمت میں نہیں جناب! آپ جو اکثر ڈراموں میں مر جاتے ہیں تو یہ بھی ایک کریڈٹ ہے اچھے آرٹسٹ، جو بھرپور تاثر دے سکتے ہیں ان کو ہی مارا جاتا ہے۔"

"بس حقیقت میں ایسا نہ ہو۔" شاید وہ کچھ رنجیدہ ہو چلا تھا۔

"توبہ کریں سمیع۔" اس نے اپنائیت سے اسے ڈانٹا۔

"چائے پیو گی۔"

"کیا مجھ سے کہہ رہے ہیں۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی حیرت چھپا نہ سکی اور اچھل سی پڑی۔

"نہ۔۔۔ نہیں۔"

اس کے انداز پر وہ بھی کچھ گڑبڑا سا گیا، شاید وہ مخاطب تو اس سے ہی تھا۔

"کوئی آیا ہے کیا؟"

اسے اپنے اوپر شک سا گزرا لیکن پھر بھی اس نے اپنا کان ذرا کھینچ کر اپنی سماعت کو چیک کیا۔

"ہاں۔۔۔ وہ امی کے پاس مہمان آئے ہیں۔"

"تو اچھا وہ سرو ہو رہے ہیں سمیع۔"

"نہیں، امی کے پاس چلے گئے مہمان۔" وہ خجل سا بولا۔

"اچھا۔"

منی نے منہ بنایا اور گہرا سانس لیا پھر وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس دن آفس میں وہ سارا دن سوچتی ہی رہی کہ سمیع واقعی اسے چائے کی آفر دے رہا تھا یا اپنے مہمانوں سے مخاطب تھا۔

"لیکن بات تو وہ مجھ سے کر رہا تھا۔"

دل نے ہزار بار گواہی دی کہ وہ اس سے ہی مخاطب تھا اور پھر اس میں کون سی کوئی بڑی بات تھی۔

"ٹھیک ٹھاک قسم کی لڑکی ہوں، ہاں نہیں تو۔"

کئی بار اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر اس نے شیشے کی دیوار میں اپنا عکس دیکھنے کی کوشش کی لیکن ساتویں مرتبہ برابر والے کمرے میں بیٹھے ہوئے منور نے اسے گھور کر دیکھا جو شیشے کی دیوار کے اس پار سے اس کے بدلتے تیور دیکھ کر کچھ پریشان سا ہو رہا تھا اسے اپنی جانب گھورتا دیکھ کر وہ بھی کچھ کنفیوز سی ہو گئی۔

"اف مجھے کیا ہو گیا ہے میں صبح آئینے میں دیکھ کر آئی تھی ویسی ہی تو ہوں گی، واہ منی صاحبہ ایک اسٹار نے ذرا سی لفٹ کیا کروا دی خوش فہمی کا شکار ہو گئیں آپ۔"

اس نے خود اپنے آپ پر لعن طعن کی اور پھر سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

خواب تو تھری کی مچھلی کی مانند ہوتے ہیں جب دل چاہا اگا لیے کسی کو بتائے بنا سب کچھ آنکھ بند کر کے دیکھتے ہی چلے جاؤ اپنی مرضی سے جس کسی کا چاہا بت اٹھا کر توڑ دیا یا جوڑ دیا۔ زندگی میں پہلی بار اس کا بھی دل چاہا کہ وہ کسی کے لیے خواب بنے، اس نے کئی خواب بن ڈالے لیکن اسے خبر بھی نہ ہوئی شاید وہ احساس کمتری ہی تھا جو اسے اس سب کچھ کرنے سے گریز کرا رہا تھا، اسے خوف تھا کہ اس کا مذاق نہ بنے کوئی فسانہ نہ گھڑ لے، خود صحافی ہو کر بھی وہ کہانیاں کے بننے سے ہراساں رہتی تھی تب ہی تو اس کی اپنی زندگی کی کہانی ابھی تک بالکل سپاٹ تھی۔

اس کے بعد سمیع کا کئی بار فون آیا لیکن اس نے مصروفیت کا بہانہ کر دیا، اس لیے کہ وہ ایک میں اچھ لڑکی تو نہیں تھی جو خوابوں پر زندگی کا محل بنا لیتی ہے اسے حقیقت کی دنیا میں رہ کر حالات کا مقابلہ کرنا تھا اور وہ اپنی زندگی میں کسی ایسے مقام کو جنم دینا نہیں چاہتی تھی جسے یاد کر کے مستقبل میں اس کی آنکھیں بھیگ جائیں یا دل میں کسک سی رہے۔

♥ ♥ ♥ ♥

[illegible] خدا نے اماں کی سن لی اور اس کے [illegible] جانے کا وقت بھی آ ہی گیا، جمال کویت [illegible] کمپنی میں ملازم تھا شکل و صورت کا تو [illegible] سا تھا اور پھر ہماری سوسائٹی میں لڑکوں کی شکل و صورت سے زیادہ ان کی کمائی دیکھی جاتی ہے۔ اور [illegible] جمال میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اماں تو کھل اٹھیں لیکن عظمیٰ جمال کی تصویر دیکھ کر بپھر گئی۔

"اماں اس کے تو سر پر بال بھی نہیں ہیں۔"

"ارے تو ہمیں کون سا شیمپو کے اشتہار میں کام کروانا ہے اس سے۔"

اماں نے سوٹ کیس سے اس کے جہیز کا سارا سامان نکال کر بیڈ پر بکھیر رکھا تھا۔

"لیکن اماں دیکھنے میں بھی آپ سے خاصا بڑا دکھائی دیتا ہے۔"

"اچھا اب زیادہ نہ بڑبڑ کر، ارے بڑا شریف بچہ ہے۔ تمہارے بھیا کے دوست کا بھائی ہے۔"

وہ بڑی محبت سے ایک ایک کپڑا چیک کر رہی تھیں۔

"مجھے یہ بچہ دکھائی دے رہا ہے؟" وہ چیخ اٹھی۔

"دیکھو بی بی! خدا خدا کر کے یہ رشتہ طے ہوا ہے، اب کل کل نہ کرو۔ منی کے فرض سے فارغ ہو کر تمہارے لیے بھی بر ڈھونڈنا ہے۔"

خلاف توقع وہ خاصی نرمی سے عظمیٰ کے اس ترش انداز کو برداشت کر رہی تھیں۔

"اگر ایسا ہی بغیر بالوں والا بر ڈھونڈنا ہے تو پلیز آپ کم از کم میرے لیے یہ تکلیف نہ کیجیے گا۔"

وہ جل اٹھی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی، لیکن اماں بڑے خوش گوار موڈ میں اپنے کام میں لگی رہیں۔

عظمیٰ گھنٹہ بھر تک اس سے اپنا سر کھپاتی رہی، لیکن وہ سر جھکائے اپنے ناخن کریدتی رہی وہ خود بھی تو یہی چاہتی تھی کہ اسے لڑکے والوں کے سامنے کیٹ واک کرنے سے نجات ملے تو پھر اب گلہ کس سے کرتی چاہے وہ جمال ہو یا کوئی اور۔۔۔ کسی نہ کسی کے پلو سے تو بندھنا ہی تھا۔ لیکن اسے اپنی جاب چھوڑنے کا دکھ ضرور تھا اس لیے کہ شادی کے بعد اسے کویت ہی میں تو رہنا تھا۔ بڑے بھیا اور جمال کو دسمبر میں چھٹیاں ملی تھیں لہٰذا اس وقت تک کے لیے شادی ملتوی کر دی گئی۔

♥ ♥ ♥ ♥

جب سے پی ٹی وی ورلڈ کا چینل شروع ہوا تھا شوبز کی گہما گہمی میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا، نئے نئے ڈائریکٹرز اپنا زور دکھانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے ہر ایک کو پیسہ کمانے کی دھن سوار تھی۔ آرٹسٹوں کی تو پہلے ہی پرائیویٹ پروڈکشنز کی وجہ سے چاندی تھی لیکن اس نئے چینل کے اجرا نے ان کی مانگ اور بھی بڑھا دی تھی۔ پرانے آرٹسٹ اسپانسر شپ کے پردے میں چھپ کر اپنے دام بڑھا رہے تھے اور مجبوراً پروڈیوسرز ان کی بات ماننے پر راضی تھے۔ بے چارے نئے آرٹسٹ سفارشوں کے چکر میں ادھر ادھر ڈانواں ڈول رہے تھے۔

منی کا اس مہینے کا موضوع بھی پی ٹی وی ورلڈ یعنی نیا چینل ہی تھا اور اس کے لیے اس نے خاصی محنت کی تھی اور اب تو اس کے پاس چند مہینے ہی تھے کام کرنے کے لیے۔

"ہیلو۔"

کاغذ پر اس کا قلم بڑی تیزی سے پھسل رہا تھا کہ کسی نے اسے قلم روکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا بلیو جینز اور گہرے کلر کی ٹی شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح بڑا کھلا کھلا دکھائی دے رہا تھا۔

"او ہو آپ آئیے۔"

اس نے زبردستی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیری۔

"شکریہ۔"

سمیع اس کے سامنے ہی کرسی پر ٹک گیا۔ آج وہ بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا، یا شاید اس کا وہم تھا اس لیے کہ مہینوں بعد اس نے اس کی شکل دیکھی تھی۔

"کیا لیں گے چائے یا ٹھنڈا؟"

اس نے بڑے رواجی انداز میں پوچھا۔

"چائے بھی اور ٹھنڈا بھی لیکن یہاں نہیں۔"

www.pkdigest.com

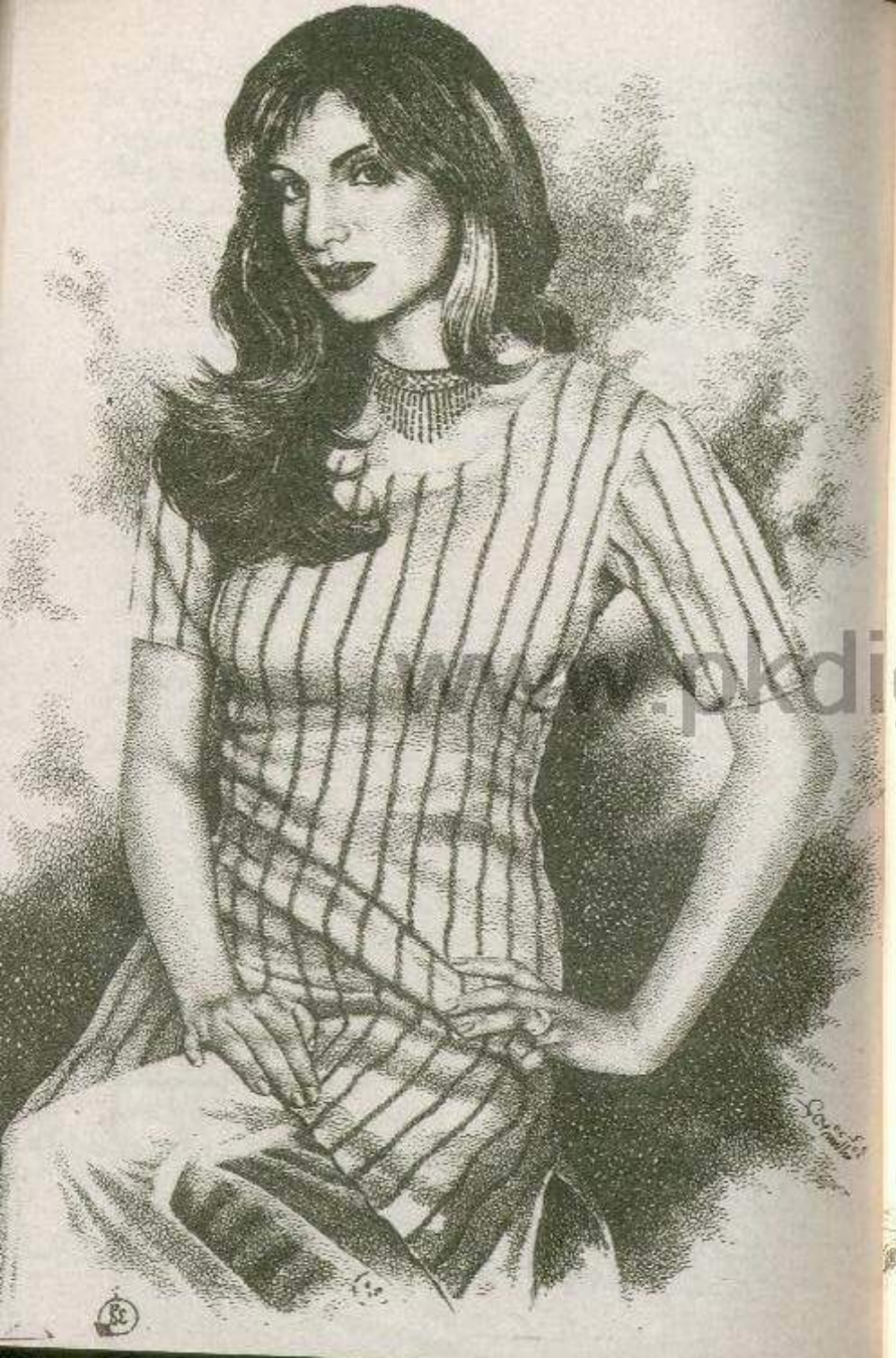

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

سولہویں قسط کا خلاصہ

نگین داؤد حسن خاں کے دھوپ چھاؤں جیسے مزاج کی وجہ سے قدم قدم پہ ہرٹ ہوئے ہے۔ داؤد حسن خاں خون کے رشتوں کی محبت کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو کر واپس گاؤں جانے پر آمادہ ہوتے ہیں مگر نگین سے اسی سرد رویے کے ساتھ بات کرتے ہیں جس سے طیش میں آ کر نگین گاؤں جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ شہریار رابیل کی ضدی اور زور آور محبت کے سامنے پوری طرح ہار تسلیم کرنے کے بعد رابیل کی گمشدگی سے پریشان ہے اور اسے دن رات ڈھونڈتا ہے۔

پریشے درانی کا بار بار سامنا طارق شیرازی سے ہوتا ہے مگر اسے ہر بار طارق سے مل کر ایک نارسائی کا احساس ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے گریزاں ہے۔ طارق شیرازی ماہ نور کو اپنے ساتھ اسلام آباد لے جانے کے لیے ایک دن کی چھٹی پر گھر آتا ہے تو گھر والوں کا ماہ نور سے رویہ دیکھ کر بہت دل برداشتہ ہوتا ہے۔

www.pkdigest.com

اب آپ آگے پڑھیے

سترہویں قسط

اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ ہم دونوں باہر چل کر کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ کریں گے۔ اس لیے کہ یہ لنچ کا ٹائم ہے اور پھر جناب ہم چائے بھی پئیں گے اور ٹھنڈا بھی۔" وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھا لیکن اس سے پہلے وہ اس سے کبھی اتنا بے تکلف بھی نہیں ہوا تھا۔
"اچھا وہ کس خوشی میں؟"
"خوشی یہ ہے جناب کہ ہم نے فلم سائن کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تمہیں تو پتا ہے کہ میں فلموں کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ فلم ذرا مختلف ہے۔ انٹرنیشنل لیول کی ہے اور دوسری بات یہ جناب کہ ہمارا ڈرامہ "آوارہ" جو لندن کے ٹی پر چلا تھا وہ بھی بہت کامیاب رہا ہے۔
اس کے علاوہ ایوارڈ کے لیے بھی مابدولت کا نام نامزد ہوا ہے۔"
وہ خوشی سے بولے چلے جارہا تھا۔
"واقعی یہ تو خوشی کی بات ہے۔ ایوارڈ کے بارے میں تو مجھے علم تھا لیکن یہ فلم کے متعلق خبر نہ تھی۔"
"تو پھر کیسی صحافی ہو تُم تم۔" وہ شرارتی انداز میں اس کی جانب جھکا۔
"جناب خبر ملنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔"
اس کا موڈ کچھ بگڑ سا گیا اور ویسے بھی وہ اب کچھ بدمزاج سی ہوگئی تھی۔
"ارے محترمہ ناراض کیوں ہوتی ہیں، خبر تمہیں کیسے ملتی ظلم تو میں نے کل ہی سائن کی ہے۔"
اس نے فوراً صورت حال واضح کی تو حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔
"اتنی تازہ خبر۔"
"جی جناب! میں نے سوچا کہ سب سے پہلے میں تمہیں یہ خبر سناؤں بس میرا دل چاہ رہا تھا۔"
اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، لیکن منی کا دل بجھ سا گیا۔
"کیوں، کیوں دل چاہ رہا تھا؟" اس کے اس سوال پر اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہوگئی۔

"منی! انسان کے دل پر کسی کا اختیار تو نہیں ہوتا۔ خود اس کا بھی نہیں جس کے جسم میں وہ دھڑکتا ہے۔"
"لیکن ان باتوں کا کیا فائدہ ہے؟"
"کیا سب کچھ انسان فائدے یا نقصان کے لیے کرتا ہے۔" اس نے الٹا سوال کیا تو وہ جھینپ سی گئی۔
"میرا مطلب ہے کہ دل کی باتیں انسان کو اس سے ہی کرنی چاہئیں جسے وہ پسند کرتا ہو، اس کے دل میں کوئی مقام ہو اس کے لیے۔"
"ہاں تو ہے ناں مقام میرے دل میں تمہارے لیے۔ میں تم کو۔"
"میری منگنی ہوگئی ہے سمیع۔" اس سے پہلے کہ وہ اس کے احساس کمتری کی حدود پار کرتا ہوا اس تک پہنچتا اس نے اسے وہیں روک دیا۔
"کیا؟" اس کے کھلے چہرے پر ایک اداس سایہ لہرایا۔
"ہاں دسمبر میں میری شادی ہے۔ میں کویت شفٹ ہو جاؤں گی۔" لمحہ بھر کے لیے منی کا دل چاہا کہ کاش اس کی زندگی کی فلم کو کوئی ریورس کردے لیکن ایسا ہونا ناممکن تھا، اور پھر ان دونوں سے کھانا نہ کھایا گیا۔ سمیع نے بڑی خاموشی سے اسے اس کے آفس ڈراپ کیا۔
اس کا دل بھی تو ڈراپ ہو چکا تھا۔ اسی لیے گھر آکر وہ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اس کے اپنے احساس کمتری نے اس کا دل خون کردیا تھا اور اسی خوش فہمی کے احساس کو نفی کرنے کی کوششوں میں اس نے اپنے ساتھ اسے بھی آزردہ کردیا تھا۔ بہت شوق سے ڈراما دیکھنے والی کے ساتھ خود ایک ڈراما ہو گیا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس ڈرامے کی ہیروئن بن چکی تھی اور وہ تو ہیرو تھا ہی، لیکن شاید اس نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس کے ہر ڈرامے میں ہیروئن مرجاتی ہے یا ہیرو لیکن ایسا ہمیشہ کیوں ہوتا ہے۔ اسے اپنے سے زیادہ اس پر ترس آرہا تھا۔ اس نے لاکھ چھپانا چاہا لیکن عظمیٰ کے پے در پے سوالات نے اسے اگلنے پر مجبور کر دیا۔
"آپی! ابھی وقت گزرا نہیں ہے۔ تم اماں سے کہہ

وہ کہ تم جمال سے شادی نہیں کر سکتیں۔"

"نہیں عظمٰی اب یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔" اور اس کی آنکھیں سوچ گئی تھیں۔

"کیوں نہیں ہو سکتا اگر سمیع تمہیں پسند کرتا ہے اور تم اس کو تو پھر بیچ میں یہ جمال صاحب کہاں سے ٹپک پڑے۔"

وہ تو پہلے ہی جمال کی جانب سے بھری بیٹھی تھی۔

"دیکھو، بڑے بھیا کی عزت کا سوال ہے اور پھر اماں کو بھی یہ بات پسند نہ آئے شاید۔" اس کا دل تو ہمیشہ سے ہی وسوسوں کا شکار رہا تھا۔

"لیکن آپی۔" عظمٰی نے احتجاج کرنا چاہا اس نے جھٹ اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"پلیز عظمٰی میری طرح تم بھی اس بات کو بھلانے کی کوشش کرو تمہیں میری قسم۔"

اپنی قسم دے کر اس نے عظمٰی کو خاموش کر دیا۔

زندگی اس طرح دھوکا دے گی اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ تو ہمیشہ اپنے آپ کو ایک معمولی سی لڑکی ہی سمجھتی رہی جب وہ چھوٹی سی تھی تو سوچا کرتی تھی کہ کیا محبت کرنے والے فلموں میں دکھائے جانے والے خوب صورت ہیرو اور ہیروئن کی طرح ہی ہوتے ہوں گے یہ خیال کچھ اس طرح سے اس کے ذہن سے چپکا کہ جس نے اسے زندگی کے تکلیف دہ موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

"کاش کہ میں اس کی باتوں کے مفہوم کو سمجھ جاتی۔ میں کیوں اسے محض اپنی خوش فہمی سمجھتی رہی۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے وہ دل پر کب کسی کا اختیار ہوتا ہے۔"

وہ بیڈ پر اوندھی لیٹی تکیے میں منہ دیے سوچوں میں غلطاں تھی کہ فون کی بیل نے اسے چونکا دیا۔ اس نے کسلمندی سے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔"

"منی کیسی ہو؟" سمیع کی آواز سن کر اس کا دل چیخ چیخ کر رونے کو چاہا۔

"اچھی ہوں۔" اس نے اپنی اندرونی کیفیت چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"میں نے تمہیں اس لیے فون کیا تھا کہ میں کل دبئی جا رہا ہوں شوٹنگ کے لیے۔ تمہیں کچھ منگوانا ہے کیا؟" شاید یہ اس سے بات کرنے کا محض بہانہ ہی تراشا تھا اس نے۔

"نہیں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"تم خوش ہو ناں؟"

"ہوں۔"

"میں نے اس سیریل میں اپنا رول چھوڑ کر دوسرا رول لیا ہے ڈائریکٹر خاصا بگڑ رہا تھا۔"

"کیوں ایسا کیوں کیا تم نے؟"

"اس لیے کہ اس میں بھی ویسا ہی منحوس رول تھا۔ ہیرو اپنی محبوبہ کو قتل کر کے دبئی بھاگ جاتا ہے اور ایک دولت مند لڑکی کے چکر میں پڑ جاتا ہے میں تھک چکا ہوں ایک جیسے رولز کر کر کے اس قسم کے کرداروں نے اب حقیقی زندگی میں بھی میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا ہے۔"

وہ بہت ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ اس کی شکست کو عیاں کر رہا تھا۔ منی اپنے اشکوں پر مزید بند نہ باندھ سکی۔

"تم رو رہی ہو؟" شاید اسے محسوس ہو گیا تھا۔ خود بھی تو بے حد افسردہ ہو گیا تھا۔

"ہاں تم نے بہت دیر کر دی سمیع۔" وہ بلک اٹھی۔

"ہاں واقعی میں نے بہت دیر کر دی، مجھے خود بہت دیر سے پتہ چلا کہ میں تم میں انوالو ہوں لیکن میں ڈرتا تھا کہ کہیں تم مائنڈ نہ کرو مجھے عام دل پھینک لڑکا نہ سمجھو۔ منی تم دوسروں سے بہت مختلف ہو، بہت اچھی ہو تم۔"

وہ بھی تو یہ ہی سمجھتی رہی کہ کہیں وہ اسے ایک اسٹار ہونے کی حیثیت سے محض نام پر مرنے والی لڑکی نہ سمجھے، وہ دونوں ایک ہی جیسی غلط فہمی کا شکار رہے تھے۔ اس سے ریسیور تھامنا اب مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور تکیے میں منہ دے کر اپنی بلند چیخوں کو دبانے کی کوشش کرنے لگی۔

سمیع کے اس انکشاف نے اس کے دل میں پھر سے طوفان برپا کر دیا تھا۔ وہ اندرونی انتشار کا شکار اس

حد تک ہو چکی تھی کہ آخر کار اس نے اخبار کی جاب چھوڑنے کا فیصلہ کر ہی لیا' اب وہ کوئی ذمہ داری اٹھانے کی متحمل نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے اس فیصلے سے اماں بہت خوش تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید شادی کی وجہ سے وہ ایسا کر رہی ہے۔

بڑے بھیا بھابھی اور شازمہ کی آمد نے گھر میں ہر جانب رونق بکھیر دی تھی۔ اماں بہت چہک رہی تھیں۔ ہر وقت ان کے لب مسکراتے نظر آ رہے تھے۔ شازمہ کی توتلی باتیں فضا میں مٹھاس پیدا کر رہی تھیں۔ لیکن بڑے بھیا اور بھابھی، منی کے زرد چہرے کو دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ لیکن اماں کا خیال تھا کہ شادی کے بعد بابل کا آنگن چھوڑ کر ایک اجنبی جگہ بسنے کا خوف ہے جو کہ عام طور پر لڑکیوں کو شادی سے پہلے ہو ہی جایا کرتا ہے' جمال کی فقط ایک ہی بہن تھیں قریب کے رشتہ داروں میں وہ بھی سکھر میں رہتی تھیں [illegible] بھی کرنے کراچی آئی تھیں۔ گو کہ شادی میں صرف ایک ہفتہ ہی رہ گیا تھا لیکن ابھی تک وہ دلہن کے گھر نہیں آئی تھیں۔ اماں کو تو بڑی فکر تھی۔ منی کے جوتوں کے ناپ لینے کے لیے انہوں نے صرف فون کروا دیا تھا لیکن دن پر دن گزرے جا رہے تھے ان کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔

"جمال تو چودہ تاریخ کو آ جائے گا ناں بیٹا؟"

"ہاں اماں آپ فکر نہ کریں۔ پاکستان آنے سے پہلے میری اس سے بات ہوئی تھی بلکہ میں نے تو خود اسے شاپنگ کروائی تھی۔"

بڑے بھیا نے انہیں دلاسا دیا۔ حالانکہ وہ خود سراسیمگی کی کیفیت میں تھے ان کے پاکستان آنے کے بعد ایک بار بھی تو اس کا فون نہیں آیا تھا۔ حالانکہ وہ خود دو بار کویت اسے فون کر چکے تھے' سوچ سوچ کر ان کا دماغ شل ہو چکا تھا۔

اسی دن شام کو جمال پاکستان آ گیا اسے دیکھ کر اماں بڑے بھیا اور بھابھی کے چہرے کھل گئے' سارے وسوسے' گلے شکوے رفع ہو گئے۔ بڑے بھیا کارڈ چھپوانے دوڑے اور اماں اور بھابھی تیاریوں میں جوش و خروش سے جت گئیں۔ دو دن کراچی میں رہنے کے بعد جمال سکھر چلا گیا تاکہ مقررہ تاریخ پر بارات بہن کے گھر سے ہی لے کر کراچی آئے۔

گھر میں ڈھولک رکھ دی گئی تھی اور روز دھوم دھڑکا ہو جایا کرتا تھا۔ اماں تو ہفتہ بھر پہلے ہی اسے مایوں بٹھانا چاہ رہی تھیں' لیکن بھابھی نے اصرار کر کے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔

آج شام میلاد کے بعد اسے مایوں بٹھانے کی رسم تھی وہ کمرے میں منہ لپیٹے پڑی تھی۔ عظمٰی سب کچھ بھول بھال کر اپنی شوخیوں میں گم ہو چکی تھی۔ شازمہ نے ضد کی تھی کہ وہ گوٹے والا دوپٹہ پہنے گی۔ مجبوراً عظمٰی کو گوٹا اور سوئی دھاگہ سنبھالنا ہی پڑا۔ حالانکہ وہ اس قسم کے کاموں سے دور بھاگتی تھی۔ بھابھی اماں کے ساتھ پکوانوں کے چکر میں الجھی ہوئی تھیں۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ فون کی بیل نہ جانے کتنی دیر سے چیخے جا رہی تھی بڑے بھیا نے فون اٹھایا۔

"ہیلو۔"

بڑے بھیا نے بلند آواز میں کہا۔ لیکن دوسری جانب سے نہ جانے کیا کہا گیا جسے سن کر بھیا زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔

بھابھی ان کی جانب لپکیں ان کی حالت دیکھ کر تو ان کے اپنے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ لیکن جو ہونا تھا' وہ ہو چکا تھا۔ جمال نے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے انکار نے ہنستے مسکراتے گھر میں صف ماتم بچھا دی تھی۔ بڑے بھیا کے کندھے جھک گئے تھے۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اماں کا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا تھا۔ اماں شادی کے انکار کا غم سہتیں یا جوان بیٹے کو سنبھالتیں' [illegible] سب کچھ سہنا تھا۔

ہسپتال کے خاموش و سنسان کوریڈور میں بھی بیٹھی وہ سر جھکائے اپنی تنہائی سے گفتگو کر رہی تھی۔ رات بڑے بھیا کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب ہو گئی تھی ان کا بلڈ پریشر کافی بڑھ گیا تھا۔ لہٰذا بھاگم دوڑ میں انہیں ہسپتال لایا گیا تھا۔ اب ان کی طبیعت بہتر تھی۔ وہ بے چارے مارے ندامت کے کسی سے آنکھ بھی نہیں ملا

www.pkdigest.com

رہے تھے جیسے سارا قصور ان کا ہی ہو۔ اسے ان کی بے بسی دیکھ کر اپنے وجود سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

"منی صاحبہ، تیمور صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

ایک اجنبی مردانہ آواز نے اسے سر اٹھا کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"آپ"

اسے جمال کو پہچاننے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔ اسے دیکھ کر غصے سے اس کی کنپٹیاں جلنے لگیں۔ اس کے جسم میں ایک الاؤ تو پہلے ہی دہک رہا تھا۔ اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ کچھ اور بھی روشن اور تیز ہو گیا تھا۔

"اب کیوں آئے ہیں یہاں؟"

اس نے نہایت ضبط سے کام لیا لیکن شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ سب میری وجہ سے ہی ہوا ہے۔ آپ کا غصہ بجا ہے لیکن میں مجبور تھا۔"

اس کی گہری آنکھیں اس کے اندر کے سچ کو عیاں کر رہی تھیں لیکن منی تو اس کی صورت بھی دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور اس کی جانب پشت کر کے کھڑی ہو گئی۔

"مجبور تو ہم تھے جمال صاحب! اس لیے کہ ہمارے معاشرے میں سب سے بڑی مجبوری عورت ہے اور اس مجبوری سے سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔" اس کی زبان بے لگام ہونا چاہ رہی تھی۔

"آپ نے بالکل صحیح کہا منی صاحبہ! عورت ہی تو سب سے بڑی مجبوری ہے۔ میری بھی ایک ایسی ہی مجبوری ہے اور وہ ہیں میری آپا، میری ایک ہی بہن ہے۔"

"تو پھر اب کیا ڈرامہ کرنے آئے ہیں آپ؟" وہ زہرخند لہجے میں بولی۔

"آپا کی نند کو پچھلے مہینے طلاق ہو گئی، میرا بہنوئی اور اس کی ماں میری شادی اس سے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ دو بچوں کی ماں ہے۔ مجھے بچوں پر ہرگز اعتراض نہ ہوتا اور نہ ہی میری آپا کو، اگر وہ اور میں یہ نہ جانتے کہ رضیہ بات نہیں کر رہی بلکہ انگارے پھینکتی ہے۔ شادی سے پہلے اس نے میری آپا کی زندگی تلخ کر رکھی تھی اور شادی کے بعد اپنے خاوند کی۔ بالآخر اس سے بھی چھٹکارا حاصل کر کے پھر میکے کی دہلیز پر آن بیٹھی۔ منی صاحبہ! کون بہن نہیں چاہتی کہ وہ چاند سی بھابھی لے کر آئے۔ میری آپا نے بھی یہ خواب دیکھا تھا لیکن سارے خواب سچ تو نہیں ہوتے ناں۔"

جمال کا لہجہ گلوگیر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس کی جانب پلٹی۔ اس نے حیرت سے اس لمبے چوڑے مرد کو دیکھا، جو ایک عورت کو بچانے کی خاطر دوسری عورت کو برباد کر رہا تھا۔ لیکن وہ خود کتنا ناتواں تھا اپنے لمبے چوڑے وجود کے ساتھ۔

"اس لیے آپ نے شادی سے انکار کر دیا تھا؟"

"جی، میرا بہنوئی یہی چاہتا ہے۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے رضیہ سے شادی نہیں کی تو وہ آپا کو طلاق دے دے گا۔ حالانکہ میرا بھانجا فورتھ ایئر میں پڑھتا ہے، جوان ہے لیکن۔"

"تو یہ بات تھی۔"

"لیکن جب مجھے تیمور صاحب کی بیماری کا علم ہوا تو مجھے اپنا چہرہ مسخ دکھائی دیا۔ میں کسی کو اتنا بڑا دکھ نہیں دے سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ہی آپ کے خاندان کے واحد کفیل ہیں۔ آپا اور بچے بھی میرے ساتھ ہیں۔ اگر بھائی جان نے کوئی انتہائی قدم اٹھایا بھی تو میں جو ہوں۔ میں کسی کے ساتھ زیادتی ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

یک لخت منی کو وہ ناتواں انسان مرد آہن سا لگا، جس نے اس کی سوچوں کا رخ مخالف سمت موڑ دیا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ ان سے دامن بچا کر اپنے خاندان کو سپورٹ کرتا لیکن اس نے مقابلہ کرنے کی ٹھانی اور دیوار بن کر ڈٹ گیا۔ ایک غیر شخص کی خاطر منی کو وہ گنجا سا جمال بہت ہینڈسم دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے اندر کے خوبصورت اور نرم انسان نے اسے متاثر کر دیا تھا۔ اس کے ماتھے کی شکنیں غائب ہو چکی تھیں۔

سمیع نے مسکراتے ہوئے بڑے بھیا سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے ڈرامے تو دبئی میں بہت مقبول ہیں' آپ سے کون واقف نہیں ہے۔" بڑے بھیا اس سے خاصے متاثر نظر آرہے تھے۔

"جی بلکہ میں تو آپ کی فین ہوں۔" بھابھی بھی جھٹ بولیں۔

"کرم نوازی ہے آپ لوگوں کی۔ میرا خیال ہے کہ آپ لوگ گھر جارہے تھے شاید۔" اس نے ان لوگوں کی تیزی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں انہیں چھٹی مل گئی ہے۔ خدا کا کرم ہے۔" بڑی بھابھی اپنے مجازی خدا کی جانب محبت آمیز نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"تو چلیے میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اس نے "فوراً" پیشکش کی جسے بڑے بھیا نے "فوراً" قبول کرلی۔

گھر میں سب ان کی آمد کے منتظر تھے۔ بڑے بھیا کو مسکراتا دیکھ کر فرط مسرت سے اماں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"بڑے بھیا میں چلتا ہوں پھر ملاقات ہوگی۔"

"ہرگز نہیں۔ اب تو آپ چائے پی کر بلکہ کھانا کھا کر جائیں گے۔ بلکہ چھوہارے بھی کھلائیں گے۔" عظمیٰ کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔

"کیسی الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہو۔" اماں نے اسے ٹوکا۔

"سمیع آپ مائنڈ نہ کیجیے گا۔ میری یہ نند ذرا شرارتی ہے ایسے ہی بولتی رہتی ہے۔" بھابھی بھی شرمندگی محسوس کررہی تھیں۔

"لیکن کچھ اتنا غلط بھی تو نہیں بولتیں۔"

سمیع نے فق ہوتی ہوئی منی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب آپ کا؟"

بڑے بھیا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"مطلب یہ کہ مجھے شاید خود اس طرح کہنا نہیں چاہیے لیکن آپ لوگ پھر کوئی ایسا فیصلہ نہ کردیں

جس سے مجھے پچھتاوا ہو' میں منی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس بار وہ کسی ڈرامے کے ڈائیلاگ نہیں بلکہ حقیقی زندگی میں اپنا کردار ادا کررہا تھا۔ منی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے اس کے کھلے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہ اپنے کہے ہوئے لفظوں کا امین دکھائی دے رہا تھا۔

بڑے بھیا تعجب سے اسے تک رہے تھے وہ بہت کچھ سمجھ چکے تھے۔ انہوں نے ایک نظر منی پر ڈالی جو سر جھکائے دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی۔

"اگر ایسا ہے تو تم لوگوں نے پہلے اس بات کو کیوں چھپایا ہے؟"

"بڑے بھیا! آپ کی شکایت بجا ہے لیکن ہم کتنے بھی ماڈرن کتنے بھی بولڈ کیوں نہ ہو جائیں مشرقیت کے لبادے سے اپنے وجود کو جدا نہیں کرسکتے اور یہ ہی ہماری مجبوری تھی۔"

اس نے ایک نظر منی پر ڈالی اور بڑے بھیا کے کندھے پر ملائمت سے اپنا ہاتھ رکھا۔

"سمیع! تم اپنے والدین کو لے آؤ۔ منی کی شادی کی تاریخ پہلے سے طے شدہ ہے اگر تم چاہو تو اس میں ردوبدل ہو سکتا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"نہیں بڑے بھیا! تاریخ وہ ہی رہے گی بس دولہا بدل گیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آہا یعنی اب تو چھوہارے کھانے کو ملے ہی ملے۔"

عظمیٰ خوشی سے اچھل پڑی' سمیع نے مسکرا کر بڑے بھیا کی اوٹ میں کھڑی منی کی جانب دیکھا جو بھیگی آنکھوں سے اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی لیکن اس کے آنسو مسکرا رہے تھے۔

☆......☆......☆

"میں آپ کے فیصلے کی قدر کرتی ہوں لیکن میں خود غرض نہیں ہوں جمال صاحب! جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ میں آپ کو آپ کے فیصلے سے آزاد کرتی ہوں۔ بڑے بھیا نے مجھے باپ بن کر پالا ہے' میں سمجھ سکتی ہوں ایک بھائی کی محبت کو۔"

"جی تو کیا آپ۔؟"

وہ سہم کر خود اس نازک سی لڑکی کو گھورنے لگا جو اپنی زندگی کا فیصلہ بڑے اعتماد سے خود کررہی تھی۔

"ہاں جمال صاحب! میں آپ کے آنسوؤں سے اپنی زندگی میں مسکراہٹیں نہیں بکھیرنا چاہتی اور آپ جیسے انسان کو میری وجہ سے کوئی دکھ پہنچے' میں یہ ہرگز برداشت نہیں کروں گی' مجھے اب آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ آیئے بڑے بھیا اندر ہیں۔"

وہ اسے لے کر بڑے بھیا کے پاس پہنچی تو اسے دیکھ کر انہوں نے بھی منہ پھیر لیا' لیکن منی نے ساری صورت حال بیان کردی اور انہیں اپنے فیصلے سے بھی آگاہ کردیا۔ وہ بیچارے اس نئی صورت حال سے پریشان بھی تھے اور حیران بھی لیکن اب وہ بہت مضبوط ہو چکی تھی۔ اگر جمال بے چارا تو خود دوراہے پر کھڑا تھا۔ ایک طرف بہن کے سہاگ کی ضمانت اسے حاصل ہوگئی تھی تو دوسری جانب رضیہ جیسی اکھڑ اور بدتمیز عورت سے زندگی بھر کا ساتھ بھی نبھانا تھا لیکن شاید لوگ بھی راہوں پر چلتے ہوئے کو ہی زندگی کہتے ہیں۔

جمال کو گئے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی۔ وہ بھابھی کے ساتھ سامان پیک کررہی تھی۔ ڈاکٹر نے بڑے بھیا کو گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس ایک ہی دن میں بڑے بھیا نے چھوٹی موٹی چیزوں کا انبار اکٹھا کروالیا تھا۔

"بھابھی! میں ذرا یہ گلاس برابر والے روم میں دے کر آتی ہوں۔" وہ گلاس لے کر کمرے سے باہر نکلی تو اپنے سامنے سمیع کو دیکھ کر بھونچکا رہ گئی۔

"سمیع؟"

"ہاں تم نے تو اتنا غیر سمجھ رکھا تھا مجھے کہ اطلاع دینا بھی مناسب نہ سمجھا۔" وہ بڑا خوبصورت مسکراتا ہوا گلدستہ ہاتھوں میں تھامے کھڑا تھا۔

دل کی بند شریانیں کھولنے کا نسخہ

دل کی بند شریانیں کھولنے کا ایک نسخہ درج ذیل ہے۔

1.... لیموں کا رس ایک پیالی۔
2.... ادرک کا رس ایک پیالی۔
3.... لہسن کا رس ایک پیالی۔
4.... سرکہ سیب ایک پیالی۔

ان چار پیالی رسوں کو ملا کر دھیمی آنچ پر نصف گھنٹہ آگ دیں۔ جب ایک پیالی کم ہو کر تین رہ جائیں تو آگ سے محلول کو اتار کر ٹھنڈا ہونے پر تین پیالی شہد ملائیں۔ سب کو خوب مکس کر کے بوتل میں محفوظ کرلیں۔ یومیہ نہار منہ تین چمچ کھانے والے اس محلول کو لیں۔ انشاءاللہ دل کی بند شریانیں کھل جائیں گی۔

(ماہنامہ ... لاہور)

بشکریہ: حافظ حسین' ... لاہور

"لیکن تم اچانک؟"

"جی اچانک' وہ تو عظمیٰ نے مجھے فون کردیا ورنہ آپ کا کیا ہے آپ ٹھہریں بڑی جرنلسٹ۔ ہم جیسے چھوٹے آرٹسٹوں کو کہاں لفٹ کراتی ہیں لیکن کیا میں کھڑے کھڑے ساری روئیداد سن لوں گی یا تیمور بھائی سے ملنے بھی دو گی۔"

"اوہ سوری۔"

وہ تو اتنی حواس باختہ ہورہی تھی کہ سارے ادب آداب بالائے طاق رکھ کر بھول گئی تھی' لیکن وہ اس کی اس حالت سے خاصا محظوظ ہورہا تھا۔

"بڑے بھیا! یہ سمیع ہیں۔ ٹی وی کے بہت بڑے آرٹسٹ۔"

اس کا انداز خاصا کمرشلی تھا۔ سمیع نے اسے گھورا۔

"بڑا نہیں چھوٹا سا آرٹسٹ ہوں' لیکن اس وقت میں صرف سمیع ایک عام انسان کی حیثیت سے آپ سے ملنے آیا ہوں۔"

پیاسا دشت

فرحت شوکت

ساتویں قسط کا خلاصہ

حافظ رائد حسن اپنی ذات کے متعلق ادیبہ کے گہرے مشاہدے اور تجزیے پر حیران رہ جاتا ہے۔ وہ فائل میں ٹاپ کر لیتا ہے جس کے بعد وہ بابا جان سے جاب کرنے کی اجازت مانگتا ہے لیکن وہ سختی سے منع کر دیتے ہیں۔ بالآخر وہ بابا جان کے ساتھ ان کا مدرسہ مستقل طور پر جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ ہاسپٹل کھینچ کرنے کے باعث تنزیلہ آپی کی طبیعت کافی حد تک بحال ہو جاتی ہے مگر تاحال ڈاکٹرز خاص پر امید نہیں ہوتے۔

ماما ادیبہ سے کسی رشتے کے متعلق بات کرتی ہیں جس کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر پریشان ہو جاتی ہے۔ وہ روشین کو ماما کے ارادے سے آگاہ کرنے کے لیے اسے فون کرتی ہے مگر روشین فون ریسیو نہیں کرتی پھر کچھ سوچ کر وہ پاپا کے ساتھ بڑی ماما کی طرف چلی جاتی ہے جہاں بڑی ماما اس سے نہایت محبت سے ملتی ہیں وہ بڑی ماما اور نازیہ کا ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ رویہ دیکھ کر اپنے اندر کسی کمی کو شدت سے محسوس کرتی ہے۔

سمیر انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں گھر میں داخل ہوتا ہے جبکہ پاپا شدید غم و غصے کی کیفیت میں اس کے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔ سمیر پر قتل کا الزام ہے یہ سن کر ادیبہ اور ماما سکتے کی کیفیت میں گھر جاتی ہیں۔ ماما عادتاً اس مصیبت کا ذمہ دار بڑی ماما کو ٹھہراتی ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

آٹھویں قسط

www.pkdigest.com

گزشتہ کئی دنوں سے تنزیلہ آپی کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی جس کے باعث وہ دن میں کئی بار ان سے ملنے ہاسپٹل آنے لگا تھا۔ ڈاکٹرز آپی کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے لیکن اسے ایک یقین سا تھا کہ آپی جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گی مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ آپی کو دیکھ کر اسے اپنے یقین میں ارتعاش سا پیدا ہونے لگتا اور وہ ہر غلط خیال کو دل سے نکال کر بہتر کی امید کرنے لگتا۔

"رائد میں مزید کتنے دن زندہ رہوں گی؟"

وہ ابھی کچھ دیر پہلے ان ملنے آیا تھا اور انہیں کھانا کھلا کر ان کے لیے جوس گلاس میں انڈیل رہا تھا جب اسے آپی کی گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی جسے وہ بمشکل سن پایا تھا۔

وہ لمحے بھر کو چونکا پھر ان کی بات یکسر نظر انداز کر کے ان کی جانب گلاس بڑھا دیا جس کو انہوں نے ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے بغور اس کی جانب دیکھ کر استفساریہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے؟ لہٰذا خاموش ہی رہا۔

"بتاؤ ناں رائد میں کتنے دن اور جیوں گی؟" انہوں نے دوبارہ وہی سوال کیا۔

"پلیز آپی آپ کچھ بھی غلط مت سوچیں آپ جلد ہی گھر....."

"کب تک دلاسے دو گے مجھے میں سب کچھ جان چکی ہوں میں اتنے دنوں سے یہاں کیوں ہوں میرا علاج کیا جا رہا ہے کونسی بیماری کا اور اب..... اب کبھی گھر واپس نہیں جاؤں گی مجھے معلوم ہو چکا ہے اتنے مہینوں سے تم مجھے تسلی دیتے رہے تھے ناں۔" ان کے لہجے میں چھلکتی محبت اور شکایت کو وہ باآسانی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ محض سر جھکا کر رہ گیا۔

"شاید یہی وجہ ہے کہ بابا جان مجھ سے ایک بار بھی ملنے نہیں آئے مجھے دیکھنے نہیں آئے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولیں۔

ان کے چہرے سے چھلکتے دکھ کو دیکھ کر وہ اندر ہی اندر بے چین ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ انہیں سمجھانا چاہتا تھا تسلی دینا چاہتا تھا لیکن کچھ بھی کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"نہ فرقان مجھ سے ملنے آئے اور نہ بابا جان۔ آخر میں نے ایسی کیا غلطی کی ہے رائد۔" انہوں نے یاسیت بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا میں بالکل پاک ہوں میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میرا دامن بالکل صاف ہے۔" وہ آبدیدہ ہو رہی تھیں۔ ان کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

"آپی پلیز حوصلہ کیجیے میں جانتا ہوں سب کچھ جانتا ہوں مجھے یقین دلانے کی کوشش میں ہلکان مت ہوں۔" اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"تم بابا جان سے کہوں وہ صرف ایک بار مجھ سے ملنے آ جائیں میں ان کو دیکھے بغیر مرنا نہیں چاہتی۔" وہ اب بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں۔ ان کی یہ حالت اس سے مزید برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا وہ کمرے سے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف بڑھا کر اسے دروازے میں کھڑا دیکھ کر ایک لمحے کے لیے رکا پھر تیزی دروازہ عبور کر گیا۔

وہ یقیناً سب کچھ سن چکی تھی۔ اس نے ایک نظر آپی پر ڈالی جو اب تک گھٹنوں میں سر دیے بری طرح رونے میں مصروف تھیں۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی ان کے پاس جا بیٹھی۔

"اسلام علیکم آپی۔" اس نے دھیرے سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

انہوں نے فوراً سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا پھر بے ساختہ اس کے گلے لگ کر دل کھول کر رو پڑیں۔

انہیں یوں روتا دیکھ کر خود پر ضبط رکھنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔ اس نے دھیرے سے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا پھر دونوں ہاتھوں سے ان کے آنسو صاف کرنے لگی۔

"رو لیں آپی جی بھر کر رو لیں لیکن اس کے بعد جتنی زندگی آپ کے پاس ہے اسے آنسوؤں کی نذر مت کیجیے گا۔"

"کیسے ادیہ؟ میں جانتی ہوں میرے پاس وقت بہت کم ہے اور اس سے زیادہ بدنصیبی میرے لیے کیا ہو سکتی ہے کہ جو زندگی میرے وجود میں سانس لے رہی ہے وہ میرے ساتھ ہی ختم ہو جائیگی۔" وہ ایک بار پھر زور زور سے رونے لگیں۔ اس نے آگے بڑھ کر انہیں اپنے گلے لگا لیا۔

اس کے پاس تو انہیں تسلی دینے کے لیے الفاظ بھی نہیں تھے۔ وہ خاموش آنسوؤں کے ساتھ روتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کا دل بہت بوجھل بوجھل سا ہو گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے چاروں طرف صرف پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں۔ کوئی بھی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں غم نہ ہوں پائی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم ہاسپٹل کے لان میں چلی آئی اور گہرے گہرے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ایکسکیوزمی۔"

وہ پارکنگ کی طرف بڑھ رہی تھی جب اس نے اپنے پیچھے اس کی آواز سنی وہ فوراً پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ گھر جا رہی ہیں؟" اس نے استفساریہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جی ہاں۔"

"آئیے میں آپ کو گیٹ تک چھوڑ دیتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے آگے کی جانب قدم بڑھا دیے تو وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک بات پوچھوں؟" اس نے قدرے جھجکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا کر پوچھا۔

"جی پوچھیے۔" اس نے کہا۔

"آپ کے والد صاحب تنزیلہ آپی سے ابھی تک ملنے کیوں نہیں آئے؟" اس کی بات سن کر وہ کئی لمحوں تک غائب دماغی سے اسے تکتا رہا پھر سنبھل کر بولا۔

"کیونکہ وہ آپی کو قصوروار سمجھتے ہیں۔" اس کے جواب پر وہ حیران حیران سی اسے دیکھنے لگی۔

"آپ نے ان کو بتایا نہیں کہ فرقان بھائی....."

"بتایا ہے لیکن انہیں کسی طور یقین نہیں آ رہا۔" وہ اس کی پوری بات سنے بغیر تیزی سے بولا۔

"یہ کیسے ممکن ہے۔ انہیں اپنی بیٹی پر اعتماد ہونا چاہیے اور اس وقت جبکہ وہ موت کے دہانے پر کھڑی ہیں ایک باپ ہونے کی حیثیت سے ان کا دل اتنا سخت کیسے ہو سکتا ہے۔ آئی کانٹ بلیو اٹ۔" وہ ایک لمحہ کو رکی پھر دوبارہ گویا ہوئی۔

"میں نہیں جانتی کہ کوئی باپ اس قدر پتھر دل ہو سکتا ہے۔ ضرور ان کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے دنیا میں موجود تلخ حقیقتیں بدل نہیں سکتیں۔" "اگر آپ کہیں تو میں ان سے بات کر کے دیکھوں شاید وہ میری بات مان جاؤں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا پھر اس کے چہرے

www.pkdigest.com

کے تاثرات دیکھنے لگی۔ جو یکدم بدل چکے تھے۔

"کیا مطلب ہے آپکا۔" وہ انتہائی سنجیدہ انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ سمجھتی ہیں میں نے انہیں قائل کرنے کی کوشش نہیں کی ہوگی یا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ آپ ان سے زیادہ بہتر انداز میں بات کر سکیں گی۔ تو ایسا ہرگز نہیں ہے مس ادیبہ رضا۔ وہ کسی کی بات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں مناسب لگتا ہے۔ اس لیے ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

اس کی بات سن کر وہ خاموش ہوگئی پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"لیکن آپی..... وہ کتنا تڑپ رہی ہیں ان کے لیے اور ان کی یہ تڑپ ان کی تکلیف کو مزید بڑھا رہی ہے۔ آپ ان سے ایک بار پھر بات کریں ہوسکتا ہے وہ مان جائیں۔" اس نے کہا۔

"میں جانتا ہوں وہ اب کبھی نہیں مانیں گے اور نہ آپی سے ملنے آئیں گے۔ لیکن میں ان سے بات ضرور کروں گا کیونکہ آپی ان سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہو رہی ہیں۔" اس کے کہنے پر وہ خاموش ہوگئی۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں تو آپ میں آپ کو ڈراپ کر دوں گی۔" قدرے توقف کے بعد وہ پارکنگ کی طرف بڑھ رہی تھی جب اس نے اس آفر کی۔

"جی نہیں بہت شکریہ میں ابھی آپی کے پاس ہی ہوں۔ ذرا دیر سے گھر جاؤں گا۔ مجھے ڈاکٹرز سے ان کی رپورٹس لینی ہیں۔" اس نے سہولت سے انکار کر دیا۔

"اور کے میں میں چلتی ہوں۔" اس نے اجازت طلب نظروں سے دیکھا پھر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی گاڑی کے جیسے ہی گیٹ کراس کیا وہ ہاسپٹل کے اندر چلا آیا۔

☆.....☆.....☆

وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوئی ماما اضطراری حالت میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صوفے پر جا بیٹھی۔ جبکہ وہ اسے نظر انداز کر کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پریشانی کے عالم میں چٹخائے جا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر پھیلے تفکرات کو دیکھ کر وہ جو بات کرنے آئی تھی نہ کر سکی اور خاموش بیٹھی رہی۔

سمیر گذشتہ کئی ماہ سے پولیس سٹڈی میں تھا۔ پاپا اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے لیکن عدالت کی طرف سے ملنے والی تاریخیں دنوں کے بجائے مہینوں پر محیط ہوتیں جس کے باعث کیس طویل ہوتا جا رہا تھا۔ شاید وہی وجہ تھی کہ اب ماما از حد پریشان دکھائی دینے لگی تھیں۔

وہ قیاس آرائی کرنے لگی۔

"کیا ہوا ماما خیریت تو ہے ناں؟" کافی دیر ماما کو بدستور ایک ہی پوزیشن میں ٹہلتے دیکھ کر اس سے مزید رہا نہ گیا اور سوال کر ڈالا۔

ماما تو جیسے ہی منتظر ہی تھیں اس کے پوچھتے ہی پھٹ پڑیں۔

"خیریت ہوتی تو اس حالت میں نظر آتی میں۔ سمیر نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اس کی وجہ سے میری کس قدر بے عزتی ہو رہی ہے یہ صرف میں جانتی ہوں۔" اب کی بار ماما کا لہجہ دھیما مگر انتہائی پریشان کن تھا۔ وہ یک ٹک ان کے چہرے پر نظریں جمائے انہیں دیکھتی رہی۔

"فرحانہ تمہارے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لانے والی تھیں انہیں سمیر کے متعلق سب پتہ چل گیا جس کی وجہ سے انہوں نے رشتہ طے کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف مجھے کالج سے مستعفی ہو جانے لیٹر

موصول ہوا ہے۔ میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ماما حقیقتاً بہت متفکر دکھائے دے رہی تھیں۔ پے در پے آنیوالی پریشانیوں نے انہیں ذہنی طور پر ڈسٹرب کر کے رکھ دیا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں وہ برسوں کی بیمار دکھائی دینے لگی تھیں۔

"نجانے لوگ میرے بارے میں کیا کیا سوچ رہے ہوں گے۔ اسے بھی میرے ہی کالج کی لڑکی ملی تھی عشق کرنے کے لیے۔" ماما کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی۔ وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھیں پیشانی پر موجود سلوان کے اندرونی خلفشار کو ظاہر کر رہی تھیں۔

"ماما پلیز آپ ٹینشن مت میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیسے ٹینشن نہ لوں۔" ماما چیخ ہی پڑیں۔

"برسوں سے اس کالج کو چلا رہی تھی میں سینکڑوں لوگ میری عزت کرتے تھے آگے پیچھے پھرتے تھے میرے لیکن اب کیا ہے میرے پاس سوائے بدنامی کے۔ کیا نہیں کیا میں نے سمیر کے لیے۔ تمہارے پاپا سے مخالفت لے کر اسے ہاسٹل شفٹ کیا تاکہ وہ صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دے سکے مہنگی سے مہنگی ٹیوشن رکھ کر دی لیکن اس کا رزلٹ ہمیشہ میری توقع کے خلاف آتا۔ تمہارے پاپا اس سے ذرا سی سختی سے پیش آتے تو میں ان کے سامنے آ کھڑی ہوتی تاکہ....."

"یہی تمہاری سب سے بڑی غلطی تھی نائمہ بیگم۔" پاپا کس وقت وہاں آئے پتہ ہی نہیں چلا۔ وہ تیز نظروں سے ماما کو گھور رہے تھے۔

"ہاں تم تو میری غلطی ہی نکالو گے اس سارے معاملے میں۔ میں ہی قصوروار ہوں تمہاری نظر میں۔" ماما کا لہجہ آبدیدہ ہو رہا تھا۔ وہ ایک نظر ان پر ڈال کر رہ گئی۔

"بالکل یہ سارا کیا دھرا تمہارے ہی بیٹے کا ہے۔" پاپا خشمگیں نظروں سے ماما کو دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوئے۔ "تم اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ کس قسم کی حرکتوں میں ملوث ہو رہا ہے کہاں آتا جاتا ہے تمہیں سب پتہ تھا لیکن تم نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ حتیٰ کہ مجھے بھی اس کے کارناموں کے بارے میں لاعلم رکھا تاکہ میں اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کر سکوں اور مجھے نے خبر رکھنے کی ایک بڑی وجہ تمہارے اندر کمتری کا وہ احساس تھا۔ جس کے باعث تم اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو چھپانے کی کوشش کرتی تھیں۔ تمہیں اس بات کا خوف ستائے جاتا تھا کہ کہیں کوئی شخص تمہارا موازنہ ملیحہ سے نہ کر دے۔ اس نے جس بہترین انداز میں اپنے بچوں کی تربیت کی ہے تم اس طرح تو نہ کر سکیں لیکن خود کو بہت بہتر ثابت کرنے کے لیے سمیر کی غلطیوں پر پردہ ڈالتی رہیں تاکہ میں اور میرے خاندان کا کوئی فرد تمہیں کسی قسم کا طعنہ نہ دے سکے۔ تمہیں تمہاری ان کوتاہیوں اور ہٹ دھرمیوں کا احساس نہ دلا سکے جس کی وجہ سے تمہیں پہلے شوہر سے طلاق ہوئی تھی۔"

پاپا کی آخری بات سن کر جہاں ماما کی چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا وہیں وہ بھی بے یقینی سے پاپا کے چہرے پر نظریں جمائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے پاپا کے منہ سے ماما کے لیے اتنے سخت الفاظ سنے تھے۔ وگرنہ پاپا جتنے بھی غصے میں ہوتے ماما کے سامنے ان کے ماضی کی کسی بات کو دہرانا مناسب نہیں سمجھتے تھے لیکن آج.....

"تم مجھے طعنہ دے رہے ہو رضا؟" ماما کی آواز انتہائی پست تھی جبکہ چہرہ یکدم مرجھا سا گیا تھا۔

"ہاں اور یہ کام مجھے بہت پہلے کر دینا چاہئے تھا۔ تمہیں اس بات کا احساس مجھے بہت پہلے ہی دلا دینا چاہئے تھا کہ اگر تم اس گھر میں میری بیوی کی حیثیت سے آئی ہو تو وہ ملیحہ ہی تھی جس نے تمہارے دکھ کو تمہاری تنہا زندگی کو دیکھ کر مجھے تم سے شادی کرنے پر مجبور کیا تھا اور میں نے دل سے تمہیں اور روشین کو قبول کر لیا تھا لیکن تم

www.pkdigest.com

اس قدر شکی اور محرومیوں کا شکار تھیں کہ مجھے بھی کبھی نہ سمجھ سکیں۔ تم ہمیشہ محدود سوچ کی مالک رہی ہو۔ تم نے کبھی اپنا دل اور سوچ کو وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ عام عورتوں کی طرح خاندان میں سمیر کی ایجوکیشن اور رزلٹ کے بارے میں جھوٹ بول کر نجانے کس مقابلے کی دوڑ میں شامل ہونا چاہتی تھیں تم ناعمہ بیگم اور نہ جبکہ کسی کو کوئی غرض نہیں تھی کہ سمیر کیا پڑھ رہا ہے کتنا کامیاب ہو رہا ہے اور کتنا ناکام؟ سب اپنی دنیاؤں میں مگن ہیں کسی کو اتنی ضرورت ہی کہاں؟ لیکن تم...... تم اگر اس کا کردار بہتر بنانے کی کوشش کرتیں تو شاید آج کسی کو سمیر کی طرف سے اتنے برے دن دیکھنے نہ پڑتے۔ تم نے اس کی غلطیوں کو چھپا کر، اس کی ناکامیوں کو کامیابیوں میں ڈھال کر دوسروں کے سامنے اس کی کوتاہیوں پر پردے ڈالے تمہاری جیسی عورتیں ہوتی ہیں جو اپنی غلطیوں اور محرومیوں کو چھپانے کی خاطر اپنی اولاد کو خسارے میں ڈالتیں ہیں۔" پاپا بولتے ڈھال سے ہو گئے تھے۔ وہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے مزید گویا ہوئے۔

"تم نے ٹھیک نہیں کیا ناعمہ بیگم تم نے کچھ بھی ٹھیک نہیں کیا۔ یہاں تک کہ تم نے اپنی ضد اور انا کی خاطر زوہیب جیسے بہترین انسان کو ٹھکرا دیا۔ تمہیں انسانوں کی پہچان ہی نہیں ہے۔" ان کے لہجے میں سے چھلکتا دکھ بہت واضح تھا۔

وہ مزید وہاں نہیں بیٹھ سکی اور نہایت خاموشی سے باہر نکل آئی اور لان کی سڑھیوں پر آبیٹھی۔ چند لمحوں بعد پاپا بھی گاڑی لیکر گیٹ کراس کر گئے وہ انہیں جاتا دیکھتی رہی پچھلے کچھ دنوں سے روشین اسے بری طرح یاد آ رہی تھی لیکن فون پر اس سے زیادہ بات ہی نہیں ہو پائی تھی۔ ماما نے روشین کی پریشانی کے خیال سے اسے سمیر کے متعلق کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا اب کوئی بھی تو نہیں تھا جس سے وہ اپنی ساری باتیں کہہ کر دل ہلکا کر لیتی۔ یونیورسٹی کے ختم ہوتے ہی وہ بہت محدود سی ہو گئی تھی۔ اس کی کچھ فرینڈز کی شادی ہو گئی تھی اور کچھ جاب کی وجہ سے اس قدر بزی ہو گئی تھیں کہ ہفتوں بعد بھی ملاقات ہونا ناممکن ہی ہوتا تھا۔ گھر میں پھیلی اداسی اور افسردگی کے باعث وہ اندر ہی اندر ہلکان ہو رہی تھی۔ ماما سارا دن اپنے کمرے میں مقید رہتیں جبکہ پاپا سمیر کے سلسلے میں پہلے سے زیادہ مصروف ہو چکے تھے۔ وہ ہونٹوں پر قفل لگائے گھر میں ادھر سے ادھر چکراتی رہتی۔ وہ پاپا سے جاب کرنے کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھی لیکن ان کی پریشانی کے خیال سے چپ ہو رہتی۔

اچانک اس کا دل ہر شئے سے گھبرا سا گیا تھا۔ وہ سلیپر اتار کر لان میں موجود ٹھنڈی گھاس پر ادھر سے ادھر چلنے لگی۔ وہ خود کو ہر ممکن پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اس کا الجھا الجھا سا ذہن کسی طور سلجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ یہاں سے کہیں جانا چاہتی تھی مگر کہاں؟

کتنی ہی دیر تک یوں چلنے کے بعد بھی وہ خود کو پرسکون نہ کر سکی۔ بالآخر وہ دوبارہ سڑھیوں پر آبیٹھی۔ وہ ٹانگوں کے گرد دونوں بازو پھیلائے، گھٹنوں پر چہرہ رکھے ایک ہی نقطے پر نظریں مرکوز کیے خالی ذہنی کے ساتھ بیٹھی تھی کہ اچانک اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے ایک نظر موبائل اسکرین پر ڈالی پھر فون کانوں سے لگا لیا۔

"اسلام علیکم۔"

اتنے ہفتوں بعد کسی شناسا کی آواز نے اس کے تنے اعصاب کو یکدم ڈھیلا کر دیا تھا۔

"وعلیکم اسلام کیسے ہیں آپ؟" مسکراہٹ خود بخود اس کے ہونٹوں پر آ رکی تھی۔

"بالکل ٹھیک...... آپ کیسی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔" اس نے قصداً جواب دیا۔

دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی اور اسے یہ خاموشی بھی بھلی لگ رہی تھی۔

"میں ایک ضروری فون کرنے پی۔سی۔ او پر آیا تھا تو سوچا آپ کی بھی خیریت معلوم کر لوں۔" اس کی بات سن کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"بہت شکریہ۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی جبکہ دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

"میں نے آپ ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" چند لمحوں بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"نہیں بالکل نہیں میں اس وقت فارغ ہی ہوتی ہوں۔" اس نے جلدی سے جواب دیا۔ اپنی اس عجلت کی وجہ وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی۔

"آپ کچھ خاموش ہیں خیریت؟" اس کے سوال پر وہ فوراً کچھ نہ بول سکی پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"نہیں کسی تو کوئی بات نہیں ہے بلکہ مجھے فیل ہو رہا تھا کہ آپ بہت کم بول رہے ہیں۔" وہ اس کی جانب سے مستقل خاموشی کو محسوس کر کے بولی۔

"میرا خیال ہے میں ہمیشہ کم ہی بولتا ہوں۔" اس نے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہا۔

"اور میرا خیال ہے آپ کم نہیں بلکہ ضرورتاً بولتے ہیں۔" اس کا لہجہ انتہائی خوشگوار تھا۔ پہلے کی نسبت وہ اب خود کو کافی بہتر محسوس کر رہی تھی تھوڑی دیر پہلے طبیعت پر چھائی گھبراہٹ بالکل ختم ہو چکی تھی۔ ہر چیز ٹھہری ٹھہری سی دکھائی دے رہی تھی۔

جس وقت اس کا فون بند ہوا وہ ذہنی طور پر کافی حد تک ریلکس ہو چکی تھی پتہ نہیں کیوں اس کا اس طرح اچانک فون کرنا اسے بے حد اچھا لگا تھا۔ وہ اگلے کئی گھنٹوں تک اس کی کال کے بارے میں سوچتی رہی جس کی وجہ سے اب خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ پچھلے کئی دنوں سے بابا جان کا اپنے ساتھ رویہ بدلا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ جس کی وجہ اسے یہی نظر آتی تھی کہ وہ مدرسے کے آدھے سے زیادہ انتظامات مکمل طور پر سنبھال چکا تھا۔ بابا جان اب اس سے مدرسے کے ہر معاملے پر کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن اسے مدرسے کے بہت سے امور پر بابا جان سے اختلاف تھا مگر وہ بابا جان کو قائل نہیں کر سکتا تھا سو بحث کرنے سے گریز ہی کرتا۔

"بابا جان آپ ایک بار تنزیلہ آپی سے مل لیں۔"

باتوں کے دوران اس نے بابا جان کا موڈ دیکھ کر بات شروع کی۔ مگر خلاف توقع ان کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل چکے تھے۔ انہوں نے ایک تیز نظر اس کے چہرے پر ڈالی پھر سخت لہجے میں گویا ہوئے۔

"میں پہلے بھی کئی بار تمہیں منع کر چکا ہوں اس کا نام میرے سامنے مت لیا کرو۔ اس کی وجہ سے جو ذلت میں نے اٹھائی ہے اسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ جانتے ہو کتنے دنوں تک میں اخبارات میں چھپنے والی فضول خبروں کی زد میں رہا ہوں ایسی اولاد سے لاتعلقی ہی بہتر ہے اور میرے اس اقدام کو میرے حلقے میں بہت سراہا جا رہا ہے تاکہ ہر لڑکی اور لڑکے کو نصیحت مل سکے۔" بابا جان نے انتہائی تفاخر سے کہا۔ وہ محض انہیں تاسف سے دیکھتا رہ گیا۔

"بلکہ مجھے تو تمہارا بھی اس سے ملنا پسند نہیں ہے لیکن تم میری بات مانتے ہی کب ہو؟" بابا جان نے افسردگی سے کہا۔

"وہ میری بہن ہے بابا جان۔" اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"وہ میری بھی بیٹی ہے لیکن اسے اس کے کیے کی سزا دینے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔" بابا جان نے انتہائی سفاکی سے کہا۔

"آپ اپنا دل سخت بنا سکتے ہیں لیکن میں نہیں۔ آپ انہیں کیا سزا دیں گے بابا جان۔ انہیں تو قدرت نے ہی بغیر خطا کے سزاوار بنا ڈالا۔" اس کی آواز میں واضح لرزش تھی۔ وہ مزید کچھ نہ بول سکا۔

"خیر چھوڑو اس بات کو میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اگلے ماہ افضل خان اپنے بیٹے کے رشتے کے سلسلے میں ہمارے گھر آ رہے ہیں۔ وہ شادی جلد سے جلد کرنا چاہتے ہیں۔ میری طرف سے سارے انتظامات مکمل ہیں بس ان کے آنے کی دیر ہے۔" بابا جان کی بات سن کر وہ سکتے میں آ گیا تھا۔ نجانے کتنی ہی دیر تک وہ بے یقینی سے انہیں تکتا رہا پھر قدرے توقف کے بعد سنبھل کر بولا۔

"بابا جان آپ یہ سب کیسے کر سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں افضل خان کا بیٹا عمر میں آئمہ سے دوگنا بڑا ہے اور اس کے علاوہ وہ پہلے ہی شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے۔"

"ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟" بابا جان نے عام سے انداز میں بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے لیے برائی نہیں نہیں ہے بابا جان وہ اپنی جگہ درست ہے لیکن آپ کی کیا مجبوری ہے جو آپ اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ لیا پیاہنا چاہتے ہیں۔ آئمہ محض سولہ سال کی ہے۔ اس کی عمر نہیں نکل رہی جس کی وجہ سے آپ کو اس رشتے میں کوئی خوبی ہی نظر نہیں آ رہی۔" وہ مضبوطی سے اپنی بات پر قائم تھا۔

"بہر حال کچھ بھی ہے میں اس رشتے کو ہر حال میں طے کرنا چاہتا ہوں۔ اس رشتے کے طے ہو جانے پر جو فائدہ ہمیں حاصل ہوگا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ افضل خان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں وہ آئمہ کو تو کیا ہم سب کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھے گا۔" یہ بات کہتے ہوئے بابا جان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک در آئی تھی اور وہ اس چمک کو بخوبی سمجھتا تھا۔

"آپ کچھ بھی کر لیجئے گا بابا جان لیکن میں آئمہ کا رشتہ افضل خان کے ہاں ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔" اس نے بابا جان کی طرف دیکھ کر مستحکم لہجے میں کہا۔

"تم میرے خلاف چلو گے، میری نافرمانی کرو گے۔" بابا جان نے غرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"نہ تمہیں دین کا پتہ ہے نہ دنیا کا تم مجھے بتاؤ گے کہ میں کیا کروں اور کیا نہیں۔"

"مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں دین کو اور دنیا کو بابا جان لیکن یہ تو طے ہے کہ آئمہ کا رشتہ افضل خان کے بیٹے سے نہیں ہوگا۔ تنزیلہ آپی کے لیے فرقان بھائی کا انتخاب آپ نے محض اپنے فائدے کے لیے کیا تھا اور انجام سامنے ہے اب ایک بار پھر آپ صرف اپنے فائدے کے لیے آئمہ کی قربانی دینا چاہتے ہیں۔ تو معاف کیجئے گا اسے آپ میری مخالفت سمجھیں یا نافرمانی۔ میں ایک بھائی ہونے کی حیثیت سے اپنی بہن کو کسی تباہی کے سپرد نہیں کر سکتا۔ افضل خان کے بیٹے کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ وہ کئی بار اسمگلنگ کیس میں جیل جا چکا ہے۔ میں سب کچھ جانتے ہوئے آئمہ کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔ اتنا حوصلہ آپ ہی رکھ سکتے ہیں میں نہیں۔"

"تم میری بات کیوں نہیں سمجھتے آخر۔ میں صرف اپنا فائدہ نہیں دیکھ رہا اور ویسے بھی جاوید پر لگے تمام الزامات بے بنیاد اور من گھڑت تھے۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ افضل خان ایسا شخص ہے؟" اب کی بار بابا جان کا لہجہ قدرے دھیما تھا۔

"میں نے افضل خان کے بارے میں کوئی بات نہیں کی، ان کے بیٹے کے متعلق بات کی ہے۔ میں

جانتا ہوں افضل خان بہت بہت اچھے انسان ہیں لیکن ان کا بیٹا..... میں اس سے مطمئن نہیں ہوں بابا جان....." اس نے آدام سے بات ختم کی۔

بابا جان ایک لمحہ کو خاموش ہو گئے پھر قطعی انداز میں گویا ہوئے۔

"میں نے افضل خان کو زبان دے دی ہے اور میں اپنی زبان سے پھرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

اس نے تاسف بھری نظروں سے بابا جان کو دیکھا جن کے نزدیک اپنی اولاد سے زیادہ اپنی زبان کی اہمیت تھی۔

وہ تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا اور آپی سے ملنے ہاسپٹل کی طرف چل پڑا۔

"سنیے۔" وہ ہاسپٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا جب اس نے اپنے بائیں طرف کسی کی آواز سنی۔ اس نے آواز کی سمت میں دیکھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

اس کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں وہ لمحہ بھر کو چونکا۔

"میں..... میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی لیکن آپ آئے ہی نہیں۔" اس کا حلق خشک پڑ رہا تھا۔ عجیب سے اندیشوں نے اس کے حواس مختل کر ڈالے تھے۔ وہ بالکل گنگ بنا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"آپی کی طبیعت بہت خراب ہے ڈاکٹرز انہیں ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں۔ وہ آپ کو کافی دیر سے پکار رہی ہیں۔ آپ ان سے جلدی مل لیں۔" وہ کاریڈور کی طرف بھاگا اور چند لمحوں میں آپی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

شاید اسے دیکھنے کے لیے ہی اب تک آپی کی آنکھوں میں دم تھا۔ اسے سامنے پاتے ہی انہوں نے انتہائی اطمینان سے آنکھیں موند لیں۔

وہ بے حس و حرکت یک ٹک ان کے بے جان جسم کو تکتا رہا حتیٰ کہ اس کی آنکھوں پر چھائی دھند نے ان کے وجود کو بھی دھندلا دیا تھا۔ وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوئی وہ دیوار کے سہارے ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں سے دیوار کو تھامے آپی کو دھندلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلا کرب اس کے اندر کی اذیت کو عیاں کر رہا تھا۔ شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

چند لمحوں بعد اس نے آپی کے بے جان جسم کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ ہر اٹھتا قدم من من بھر کا لگ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا یہ سب ہونا ہے لیکن اس کے باوجود وہ امید رکھے ہوئے تھا کہ آپی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی مگر۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ اس کا پورا جسم دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔ کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا آپی جاگتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی ہوتیں اور وہ مسکرا کر ان کی طرف بڑھتا۔ جیسے وہ ہمیشہ کرتا تھا۔

امی کو اس نے ہمیشہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا پایا تھا جس کے باعث گھر کی زیادہ تر ذمہ داریاں آپی کے کندھوں پر آن پڑی تھیں۔ ان ذمہ داریوں میں سے ایک اس کی دیکھ بھال کرنا بھی شامل تھی۔ وہ اس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر ناز اٹھانے کو ہمہ وقت تیار رہتیں۔ وہ جوں جوں بڑا ہوتا جا رہا تھا آپی سے مزید قریب ہوتا جا رہا تھا۔ وہ کم گو تھا لیکن آپی سے گھنٹوں باتیں کرتا اور وہ اس کی ہر بات انتہائی غور سے سنتیں۔ وہ اس کی ذرا ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو اٹھتیں اور اب..... اب کون اس کی تکلیف کو محسوس کرے گا؟ کون اس کی باتوں کو غور سے سنے گا۔

وہ ان کے بیڈ پر شکستہ انداز میں بیٹھ گیا اور ان کے بے جان ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں

www.pkdigest.com

سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ نجانے کتنی ہی دیر تک وہ ایک ہی پوزیشن میں سر جھکائے با آواز بلند روتا رہا۔

اس نے پہلی بار اتنے مضبوط اعصاب کے مالک اس شخص کو روتے دیکھا تھا جس کا ضبط اس کی روشن آنکھوں سے اکثر عیاں ہو جاتا تھا۔ آج وہ تمام برداشت اور سارے ضبط کھو چکا تھا۔ وہ بچوں کی مانند بلک بلک کر رو رہا تھا۔ قیمتی شے کے کھو جانے پر آنسو بہا رہا تھا۔

وہ مزید اس کی یہ حالت نہ دیکھ سکی اور آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کرتی اس کی جانب بڑھ گئی۔

"رائد پلیز حوصلہ کیجیے۔" وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی اور پھر خود بھی بے ساختہ ہاتھوں میں چہرہ دیئے رو پڑی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سے الفاظ کہے جس سے اسے تھوڑی سی اطمینان ہو جائے۔ یہ زخم تو ایسا تھا جو وقت کے ساتھ ہی بھرتا ہے۔

"رائد پلیز آپ صبر کیجیے شاید اسی میں اللہ کی کوئی بہتری تھی۔" ایک بار پھر اس نے اسے تسلی دینا چاہی۔ جس پر اس نے سر اٹھا کر ایک نظر آپی کو دیکھا پھر دوسری نظر اس پر ڈال اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ یہاں رکیے میں ڈاکٹرز سے مل کر آتا ہوں۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بات مکمل کر کے باہر نکل گیا۔

ابھی اس کے کچھ ضروری پیپرز سائن کرنے تھے پھر بہت سے انتظامات مکمل کرنے تھے۔ اس سارے کاموں کے لیے اسے صبر جیسی مضبوط چیز کا سہارا درکار تھا۔ جو بہت اہم تھا۔

☆.....☆.....☆

"ادیبہ تم آج بھی وہاں نہیں گئیں؟" پاپا ابھی ابھی کورٹ سے آئے تھے جب اسے لان میں بیٹھے دیکھ کر انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں پاپا۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"لیکن کیوں؟ تمہیں آج تو وہاں ہر صورت جانا چاہئے تھا افسوس کے لیے۔" پاپا نے کہا۔

"پاپا میرا حوصلہ نہیں ہو رہا۔ میری آنکھوں کے سامنے تنزیلہ آپی کی صورت ہی نہیں ہٹ پا رہی۔" اس کا لہجہ نم ہو گیا تھا۔

"جس کو تم اتنا پسند کرتی تھیں اسی کی آخری رسومات میں شریک نہیں ہوئیں دس از ناٹ فیئر بیٹا۔" پاپا نے محبت سے ڈپٹا۔

"پاپا آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔" وہ مانگنے والے انداز میں بولی۔

"تم اپنی ماما کو ساتھ لے جاؤ وہ....."

"نہیں پاپا وہ نہیں جائیں گی آپ کو معلوم ہے ناں جب سے سمیر کا مسئلہ ہوا ہے ماما گھر کی ہو کہ رہ گئی ہیں۔ ویسے بھی وہ اس وقت سو رہی ہیں۔ پلیز آپ چلیں ناں پاپا۔ آپ رائد سے اور اس کے والد سے افسوس کر لیجیے گا۔" اس کی بات پاپا بہت کم ہی ٹال پاتے تھے لہٰذا اب بھی انکار نہ کر سکے۔

"او کے بیٹا۔" ان کے کہنے پر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ پاپا کے ساتھ رائد کے بتائے ہوئے ایڈریس پر جا پہنچے تھے۔ دروازہ رائد نے کھولا تھا۔ اسے اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر وہ اسے جگہ دینے کے لیے سائیڈ پر ہو گیا۔

"اسلام علیکم۔" اس نے پاپا سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ لیکن پاپا نے آگے بڑھ کر اسے گلے

لگا لیا۔

پچھلے تین دنوں سے وہ بالکل اسی طرح بابا جان کے گلے لگنا چاہتا تھا لیکن۔

"صبر کرو بیٹا اللہ کے کاموں میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔" انہوں نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

وہ محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"پلیز اندر آیئے انکل۔" وہ انہیں لے کر بیٹھک کی طرف بڑھ گیا۔ پھر آئمہ کو آواز دے کر باہر بلانے لگا۔

"جی بھائی۔" پندرہ سولہ سال کی لڑکی نے نہایت مؤدب انداز میں اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"یہ ادیبہ ہیں آپی کی بہت خاص مہمان ہیں یہ تم انہیں امی کے پاس لے جاؤ میں انکل کے پاس بیٹھا ہوں۔" اس کے کہنے پر وہ جی اچھا کہہ کر اسے اپنے ساتھ اندر لے گئی۔

رائد کی امی اور آئمہ سے مل کر اسے اچھا لگا تھا۔ وہ بہت ملنسار اور بہت محبت کرنے والی تھیں آنٹی کا دھیمے لہجے میں بات کرنا اسے بھلا لگا تھا۔ وہ آدھا گھنٹہ ان کے پاس بیٹھی رہی اور اس پورے وقت میں آنٹی اور آئمہ کی آنکھیں مسلسل اشکبار تھیں۔ اس کا دل عجیب سی کیفیت میں گھر گیا۔

جس وقت وہ پاپا کے ساتھ گھر پہنچی شام کے سات بجے تھے۔

"رائد بہت سلجھا ہوا لڑکا ہے مجھے بہت پسند آئی اس کی شخصیت۔" وہاں سے آنے کے بعد پاپا لاؤنج میں بیٹھے تھے جب انہوں نے بات شروع کی۔ وہ بغور انہیں دیکھنے لگی۔ پاپا بہت کم کسی سے متاثر ہوتے تھے۔

"اس کے والد سے تو ملاقات نہیں ہو سکی لیکن اس سے مل کر معلوم ہو گیا ہے کہ والد صاحب بھی بھلے انسان ہی ہوں گے۔" پاپا تجزیہ کرنے والے انداز میں بولے۔ وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"کیا؟"

وہ ابھی ابھی لاؤنج سے گزر کر اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ جب ماما کو فون پر بات کرتے دیکھ کر ٹھٹھک کر وہیں رک گئی۔ ماما کے چہرے کے تاثرات انتہائی پریشان کن تھے۔ وہ ان کے قریب چلی آئی۔ چند لمحوں بعد ماما نے بے جان ہاتھوں سے فون بند کیا پھر گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا ماما خیریت تو ہے ناں؟" وہ ان کا پاس بیٹھتے ہوئے قدرے متفکرانہ انداز میں بولی۔

"یا اللہ کیا کروں میں کہاں جاؤں؟" ماما اب اونچی آواز میں رو رہی تھیں۔ ان کو یوں روتا کر اس کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔

"ماما کچھ تو بتائیں کیا ہوا ہے؟" اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔

"روشین کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو گئی ہے۔" ماما سینہ کوبی کرتے ہوئے مزید گویا ہوئیں۔ "مصیبتوں پر مصیبتیں ٹوٹ رہی ہیں اس گھر پر یا اللہ ایسی کونسی خطا ہو گئی ہے۔" ماما کی بات سن کر وہ شاک میں آ گئی تھی۔ شاید اسی وجہ سے وہ میرا فون ریسیو نہیں کر رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہ سب؟" اس نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے سوچا پھر مردہ قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی ابھی تو سمیر کا کیس بھی ختم نہیں ہوا تھا کہ اب دوسری بری خبر نے اسے اندر سے ہلا دیا تھا۔ وہ روشین سے ملنے اور اسے دیکھنے کو بے چین ہو گئی تھی۔ روشین کی تکلیف اور معذوری

www.pkdigest.com

کا خیال آتے ہی وہ بے اختیار گھٹنوں میں سر دیئے زاروقطار رونے لگی۔

شاید ابھی امتحان اور باقی تھا جبھی اگلے ہی ہفتے روشین پاکستان آ پہنچی۔ وہ نہایت کمزور اور مرجھا سی گئی تھی۔ وہ بس خالی خالی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ ایک مستقل خاموشی تھی جو ہر لمحہ اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیے ہوتی تھی۔ اس نے کئی بار اس کا دل بہلانے کئی خاطر اس سے باتیں کرنا چاہا مگر وہ محض ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کو مسکرا کے دیکھتی پھر خلا خلا کو گھورنے لگ جاتی۔

"پلیز روشین مجھے بتاؤ کیا بات ہے، تم اس قدر خاموش کیوں ہو باتیں کرو ناں میرے ساتھ۔" اس نے محبت سے التجائیہ انداز میں اس کے چہرے کو چھو کر کہا مگر وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"میرے پاس کوئی بات نہیں ہے۔" اس کی آواز انتہائی پست تھی۔

"جھوٹ بولتی ہو تم میں اچھی طرح جانتی ہوں تم نے اپنے اوپر خول چڑھایا ہوا ہے۔ پلیز روشین میری طرف دیکھو کیا تم مجھ سے اب محبت نہیں کرتیں؟" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے جھلملانے لگی تھیں۔ روشین بے قرار سی ہو گئی۔

"جس سے محبت کی جاتی ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتی ادیبہ؟" اس کا لہجہ بڑی طرح بکھرا ہوا تھا وہ بغور اس کا چہرہ تکنے لگی جہاں پہلے جیسی کوئی رونق اور شادابی نہیں رہی تھی۔ شاید محبت یونہی ختم کر دیتی ہے انسان کو۔

"اشعر بھائی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔" کچھ دیر توقف کے بعد اس نے کہا۔

"انہوں نے ٹھیک کیا ہے ادیبہ میں اب ان کے کسی کام کی نہیں رہی تھی۔ اسی لیے تو اپنی زندگی اور اپنے گھر سے نکال پھینکا انہوں نے۔" روشین کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتر آئی تھی جسے وہ ہر گز نظر انداز نہ کر سکی۔

"تمہارا علاج ہو سکتا ہے روشین ٹانگ میں فریکچر ہے خدانخواستہ کوئی بڑا مسئلہ تو نہیں ہے۔" اس نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔

اس کی بات پر روشین مزید کچھ نہ بولی اور چپ ہو گئی۔

"مجھے نیند آ رہی ہے ادیبہ میں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔" وہ کمرے کی لائٹ آف کر کے کمرے سے باہر نکل آئی اور روشین کی بے بسی پر دل کھول رو دی پڑی۔

"کچھ بھی تھا کم از کم اشعر کو جذبات میں آ کر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔" ڈرائنگ روم سے آتی پاپا کی آواز پر وہ وہیں رک گئی۔

ماما چپ چاپ آنسو دوپٹے کے پلو میں جذب کر رہی تھیں۔ جب سے روشین آئی تھی ماما خاموش ہو گئی تھیں۔

"میں مسز صہیب سے بات کروں گی۔ انہوں نے اچھا نہیں کیا روشین کے ساتھ۔" کچھ دیر بعد ماما نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اب کیا فائدہ ہے بات کرنے کا۔ زندگی تو برباد کر دی ناں انہوں نے روشین کی۔ ایک قیامت کم ٹوٹی تھی اس پر طلاق دے کر رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اشعر نے۔" پاپا کا غم و غصے سے برا حال تھا۔

"جو ہونا تھا ہو چکا تم روشین کو سنبھالنے کی کوشش کرو وہ اس وقت خود کو بہت اکیلا سمجھ رہی ہے۔" پاپا نے آرام سے مشورہ دیا۔ ماما نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

دوست وی سے چلتی ہوئی لاؤنج میں آ کھڑی ہوئی۔

زندگی بڑی عجیب سی لگنے لگی تھی نہ کسی خوشی کا احساس تھا اور نہ اپنے زندہ ہونے کا گمان وہ جو رنگ پھول بارش اور بادل کی دیوانی تھی۔ اب تو گویا کسی بھی شے میں کشش ہی نہیں رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گلاس ونڈو کے قریب آ کھڑی ہوئی اور تیز ہوا کے باعث ادھر سے ادھر جھومتے درختوں کی ٹہنیوں کو تکنے لگی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا بس اندر پلنے والی خوشیاں کہیں کھو گئی تھیں۔ اس نے ایک گہرا سانس اپنے اندر اتارا اور سونے کی غرض سے کمرے میں چلی آئی۔ جہاں اس کا فون مسلسل بج رہا تھا اس نے فوراً فون کانوں سے لگا لیا۔

"اسلام علیکم۔"

دوسری طرف وہی تھا جس کا خیال وہ اپنے ذہن سے ہرگز محو نہیں کر پاتی تھی۔

"وعلیکم اسلام آج آپ نے اتنے دنوں بعد فون کیا۔ خیریت تو تھی ناں؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے ہلکا سا شکوہ کر گئی۔

"جی ہاں اللہ کا شکر ہے خیریت ہی ہے۔ ایکچوئلی میں نے آپ کو آپ کی رقم واپس لوٹانا تھی۔"

اس کی بات سن کر وہ اگلے کئی لمحوں تک کچھ نہ بول سکی۔ پھر بالکل اچانک فون آف کر کے زور سے بیڈ پر اچھال دیا اور خود بیڈ کے کنارے پر جا بیٹھی۔ فون دوبارہ بج اٹھا تھا۔ اس نے تیز نظروں سے فون کو گھورا پھر سوئچ آف کر کے بیڈ پر دراز ہو گئی۔

اس نے ایسا کیوں کیا تھا وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی۔

شاید اسے غصہ آ رہا تھا۔

لیکن کیوں؟

وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔ اس نے سائیڈ لیمپ آف کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

وہ پچھلے ایک گھنٹہ سے اس کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن وہ ابھی نہیں آئی تھی۔

وہ کئی دنوں سے مسلسل اسے فون کر رہا تھا اور وہ اس کی پوری بات سنے بغیر فون آف کر دیتی مگر کل رات اس نے نہ صرف اس کی بات سن لی تھی بلکہ جس جگہ اس نے پیسے لے کر آنا تھا یہ بھی اسی نے تجویز کیا تھا۔

اس نے گلاس ونڈو سے باہر جھانکا۔ وہ گاڑی پارک کمرے ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے دروازے پر نظریں جما دیں۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ کڑے تیوروں کے ساتھ انتہائی خاموشی سے اس کے سامنے رکھی چیئر پر آ بیٹھی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" اسے محسوس ہوا وہ نہ چاہتے ہوئے اتنا بول گئی ہے۔

اسے جواب دیکر اس نے باہر کی جانب توجہ مبذول کر لی۔ وہ اسے مکمل نظر انداز کر رہی تھی۔

ایک لمحے کے لیے تو اس محسوس ہوا جیسے وہ اکیلی بیٹھی ہے۔

وہ ایسا کیوں کر رہی تھی وہ بالکل سمجھ نہیں پایا۔

اس کے رویے کے باعث وہ مزید اس سے کوئی بات نہ کر سکا اور خاموش رہنے پر اکتفا کر لیا۔

وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے گلاس ونڈو پر سے نظر ہٹا کر اس کی جانب دیکھا جو شاید اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

www.pkdigest.com

اس نے دیکھنے پر اس نے نظریں جھکالیں اور ٹیبل پر رکھے پانی کے گلاس کو منہ سے لگالیا۔

"اتنی دیر ہوگئی ہے مجھے یہاں آئے اور آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ آپ نے مجھے یہاں کس سلسلے میں بلایا تھا۔" بالآخر وہ بول ہی پڑی تھی۔

اس کی بات سن کر اس نے فوراً گلاس ٹیبل پر رکھ دیا اور شرٹ کی جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔

"کیا ہے یہ؟" اس نے ایک نظر اس کاغذ پر اور دوسری نظر اس کے چہرے پر ڈال کر بغور اسے دیکھا۔

"میں نے آپ سے تنزیلہ آپی کے علاج کے سلسلے میں جو رقم ادھار لی تھی اس کا چیک ہے۔ بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے مجھ پر بھروسہ کرکے اتنی بڑی رقم مجھے دی۔ میں آپ کا یہ احسان....."

"اٹس اوکے اور کچھ کہنا ہے آپ کو؟" اس نے اس کا بڑھایا ہوا چیک تھام کر قدرے روکھے سے لہجے میں پوچھا۔ پھر چیک پرس میں رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ بیٹھیے پلیز میں نے کافی آرڈر کی ہے۔" اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا پھر کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

اس کے اس طرح چلے جانے پر اسے اپنا آپ بہت خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس کا رویہ اس قدر اجنبی سا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پایا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ خود بھی اٹھ کھڑا ہوا اور ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا۔

"رائنہ بات سنو بیٹا۔" وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا جب امی کی آواز پر وہ فوراً ان کے کمرے میں چلا آیا اور ان کے قریب جا بیٹھا۔

"جی امی۔" اس نے پوچھا۔

"نوید کے گھر والے آج پھر آئے تھے آئمہ کے سلسلے میں مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا میں کیا کروں؟" امی بہت متفکر دکھائی دے رہی تھیں۔

"میں نے آپ کو کہا تھا امی نوید ہر لحاظ سے بہت اچھا لڑکا ہے۔ آپ انہیں ہاں کردیجیے گا باقی میں خود دیکھ لوں گا۔" اس نے کہا۔

"لیکن بیٹا تمہارے بابا....."

"آپ ان کی فکر مت کریں۔" وہ ان کی بات پوری سنے بغیر بولا۔

"میں سنبھال لوں گا۔ بابا جان کو۔ آپ بس یہ شہ طے کردیں۔" اس کی بات سن کر امی خاموش ہوگئیں۔

☆.....☆.....☆

سمیر کے گھر آتے ہی گھر میں موجود اداسی اور پریشانی کا عنصر کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔ تمام گواہوں اور ثبوت کی بناء پر سمیر پر کوئی فرد جرم عائد نہ ہوسکا تھا جس کے باعث عدالت نے سمیر کو باعزت بری کردیا تھا۔ وہ جس لڑکوں کی کمپنی میں تھا وہ لڑکیوں سے فائدہ اٹھاتے ہی ان کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے تاکہ کوئی ان کے خلاف نہ بول سکے۔ مگر ثانیہ قتل کیس کے باعث بالآخر وہ چاروں لڑکے قانون کی گرفت میں آچکے تھے۔ سمیر بلاشبہ ثانیہ کو پسند کرنے لگا تھا لیکن وہ اپنے دوستوں کے خطرناک ارادوں سے ہرگز واقف نہیں تھا اگر معلوم ہوتا تو شاید وہ ان کو ثانیہ کے بارے کچھ نہ بتاتا۔ چاروں لڑکوں نے سمیر کو لاعلم رکھ کر ثانیہ کو اسی جگہ بلایا تھا جہاں سمیر اور ثانیہ ملا کرتے تھے۔ ان

لڑکوں نے موقع ملتے ہی ثانیہ سے فائدہ اٹھایا اور پھر اس کی سانس ختم کرڈالیں۔ شدید ڈر اور خوف کے باعث وہ فوراً وہاں سے فرار ہوگئے۔ شومئی قسمت کہ اسی وقت سمیر بھی وہاں آپہنچا اور ثانیہ کو مردہ حالت میں پاکر اس کے حواس ہی گم ہوگئے۔ وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ سب اس کے دوستوں نے کیا ہے۔ کیونکہ ان چاروں کے ارادوں سے وہ کچھ دن پہلے آگاہ ہوچکا تھا لیکن اسے کیا کرنا چاہئے تھا وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ کسی سے بھی نظر نہیں ملا رہا تھا اور پاپا کا سامنا کرنے کی تو اس میں بالکل سکت نہیں رہی تھی۔ ہی ماما کی تو گویا جان میں جان آگئی تھی۔ وہ شاور لیکر سیدھا پاپا کے کمرے میں چلا آیا۔ جہاں پاپا ایزی چیئر کی بیک پر سر ڈالے پرسکون انداز میں ہم دراز تھے۔

وہ کافی دیر تک پاپا کو دیکھتا رہا پھر یکدم گھٹنوں کے بل پاپا کے پاؤں کے قریب بیٹھ گیا۔

ہلکی سی آہٹ پر پاپا نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"مجھے معاف کردیں پاپا پلیز۔" وہ اب باقاعدہ رو رہا تھا۔

"اٹھو بیٹا یہاں میرے پاس آکر بیٹھو۔" پاپا نے نرمی سے اس کا بازو تھام کر اپنے قریب رکھی چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"پاپا میں بہت شرمندہ ہوں میں نے آپ کی باتوں کو آپ کی نصیحتوں کو کبھی سنجیدہ نہیں لیا تھا۔ میں نے جتنے بھی غلط کام کئے۔ وہ سب میں نے چھپ کرکے تاکہ آپ کو پتہ نہ چل سکے۔ لیکن میں غلطی پر تھا۔ آپ تو میرے سب سے بڑے رہنما تھے خیر خواہ تھے۔ میں نہیں سمجھ سکا پاپا میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا لیکن اب..... اب جان گیا ہوں خود کو۔ آپ صرف ایک بار مجھے معاف کردیں پاپا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ آپ کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔" وہ مسلسل ہاتھ جوڑے معافی مانگ رہا تھا۔

پاپا نے خاموشی سے آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا تو وہ مزید رو پڑا۔ وہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھامے آگے بڑھی پھر مسکرا کر سمیر کو دیکھنے لگی جو پہلے سے بہت کمزور ہوگیا تھا۔ جواباً سمیر بھی مسکرادیا۔

"پاپا چائے۔" اس نے ٹرے پاپا کی طرف بڑھاتے ہوئے مخاطب کیا۔ انہوں نے کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا۔

"آج سب کچھ کتنا اچھا لگ رہا تھا مگر روشین....." پاپا اور سمیر کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ ابھی ٹھیک طرح سے مطمئن بھی نہیں ہو پائی تھی کہ روشین کا خیال آتے ہی اس کا دل اداس ہوگیا۔

وہ خاموشی سے باہر نکل آئی اسی لمحے اس کی نظر وہیل چیئر پر بیٹھی روشین پر پڑی جو غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

وہ اس کے لیے چائے کا مگ لے کر اس پاس جا بیٹھی۔

روشین نے خاموشی سے مگ تھام لیا۔

"ادیبہ تم نے ایک بار بھی سمیر کے متعلق نہیں بتایا تھا کیوں؟" روشین نے شکایتی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"دراصل ماما نے مجھے منع کیا تھا کہ کہیں تم پریشان نہ ہوجاؤ اور ٹھیک ہی تھا ورنہ تم تو خود اتنی پریشان تھیں کہ مزید بے حال ہوجاتیں۔" اس نے ہلکے پھلکے سے انداز میں وجہ بتائی جسے سن کر وہ چپ ہوگئی۔

باقی اگلے ماہ

www.pkdigest.com

"مرجاؤ اللہ کرے تم سب۔" اس کی برداشت کی انتہا بالآخر ختم ہو ہی گئی وہ تن فن کرتی باہر نکلی اور ان کے سروں پر پہنچ کے غرائی۔

"اگر ہم سب مر گئے تو تم بھلا کیا کرو گی؟" رافع جھٹ سے بولا۔

"چین کی بانسری بجاؤں گی۔" وہ بھی تو گئی۔

لیکن Basic point یہ ہے ڈیئر میرب! کہ تمہیں تو سادہ بانسری نہیں بجانی آتی تو چین کی بانسری کیسے بجاؤ گی؟ عذیر نے جیسے اہم نکتہ اٹھایا تھا۔ وہ سب کھی کھی کرنے لگے۔

"تمہیں اس فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں تم سے Training لینے بہرحال نہیں آؤں گی۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"تم نہ ہی آنا تو بہتر ہے کیونکہ میں ایرے غیرے کو لفٹ نہیں کرواتا۔" جواباً اس نے بھی رکھائی کے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔

"تم......" میرب نے غصے سے دانت کچکچاتے پھر دائیں بائیں دیکھا۔ بائیں طرف رکھے میز پر پلیٹ میں مونگ پھلی کے چھلکے پڑے تھے غالباً ابھی ابھی وہ سب یہی کھا رہے تھے۔ میرب نے برق رفتاری سے پلیٹ اٹھائی اور آناً فاناً عذیر کے سر پر الٹ دی۔

"میرب کی بچی!" وہ اس جوابی حملے کے لیے تیار نہیں تھا چلا اٹھا۔

"چلانا بند کرو ڈیئر عذیر! ورنہ آس پڑوس کے لوگ اکٹھے ہو کر آ جائیں گے۔" اب چڑانے کی باری میرب کی تھی۔ اسی لیے پچکار کے بولی۔

"بھوت دیکھنے کے لیے۔" رباحہ نے ٹکڑا لگایا۔ تو ان سب کے قہقہے چھت پھاڑنے لگے۔

"ایسا کرتے ہیں عذیر بھائی کو یہیں لاک کر کے باہر ٹکٹ رکھ دیتے ہیں اور جلی حروف میں "بھوت بنگلہ" لکھ دیتے ہیں خوب کمائی ہو گی۔" حزنہ نے بھی کارِ خیر میں حصہ لیا۔

www.pkdigest.com

مکمل ناول

سبھی چاہتیں میرے نام کر

مریم تبسم

"اور تمہارے منہ پر بھی چیری بلوسم مل کے ایک طرف کارنر میں بٹھادیں گے تاکہ لوگ لگے ہاتھوں "بھوتنی" کا بھی درشن کرلیں۔" رافع نے اس کی سانولی رنگت پر چوٹ کی جسے ہر معاملے میں گھسیٹنا وہ اپنا فرض عین سمجھتا تھا۔

"تمہارے ہی اگلے میں بھی رسی میں سیٹی ڈال کے لٹکادیں گے اور ہاتھ میں ڈگڈگی تھمادیں گے تاکہ لوگ بندر کے تماشے سے بھی محروم نہ رہیں فیضیاب ہوکر ہی نکلیں۔" وہ کون سا پیچھے رہنے والی تھی۔

"کیابات ہے کیوں پاگلوں کی طرح بنے جارہے ہو۔" ندرت اندرداخل ہوئیں تو وہ سب ہی فرمانبرداری کا بلند و بانگ مظاہرہ کرتے فوراً سے پیشتر خاموش ہوگئے۔

"ایں...... ارے عذیر! یہ تمہیں کیا ہوا ہے۔" اس کے بالوں میں کالر پر دامن میں اور اردگرد جابجا مونگ پھلی کے چھلکے پڑے تھے وہ حیرت سے دریافت کرنے لگیں۔

"وہ...... ممانی جان! میں یہ چھلکوں کی پلیٹ ڈسٹ بن میں پھینکنے جارہی تھی کہ پاؤں مڑگیا اور پلیٹ عذیر کے سر پر الٹ گئی۔" میرب نے لہجے میں حد درجہ معصومیت اور لاچاری سمو کر کہا۔ اس کے سفید جھوٹ پر عذیر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"چلو کچھ نہیں ہوتا۔ تمہارے پاؤں میں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔" وہ اب عذیر کو چھوڑ اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ فکرمندی سے پاؤں کی جانب دیکھنے لگیں۔

عذیر تلملا کے اٹھا اور تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ میرب نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو کنٹرول کیا۔

"نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔"

"اور تمہارا پیپر ٹھیک ہوگیا تھا۔" وہ یاد آنے پر پوچھنے لگیں۔

"جی بالکل اے ون......!"

اور یہیں سے تو لڑائی شروع ہوئی تھی۔

اس کے بی کام تھرڈ ایئر کے ایگزامز ہورہے تھے۔ آج آخری پیپر تھا۔ سو تھکاوٹ سے بھی برا حال تھا۔ ارادہ بھی تھا کہ گھر جاتے ہی لمبی تان کے سوجائے گی۔ وہ سونے کے ارادے سے ہی اپنے کمرے میں آئی ہی کہ ان چاروں نے دھاوا بول دیا۔ میرب نے جیسے تیسے کرکے نکالا نہیں کمرے سے تو انہوں نے باہر بیٹھ کر یں وہ ہڑبونگ مچائی کہ اپنے کانوں پہ تکیہ رکھنے کے باوجود اس کے کانوں کے پردے پھٹنے کے قریب ہوگئے۔ جب اس کی برداشت جواب دے گئی۔ تو وہ بھی مقابلے کے میدان میں اتر گئی۔

اور ابھی تو وہ سب چاہ رہے تھے کہ اتنے دن کمرے میں بند رہ کے اس نے جو پڑھ پڑھ کے اپنا ستیاناس کرلیا ہے اب ہنس بول کے خود کو فریش کرلے۔ پھر میرب کے بغیر ان کی محفل بھی تو بے رنگ اور بے رونق ہوتی تھی۔

☆......☆......☆

منیب الحسن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ سب سے بڑے بیٹے فاروق پھر نعیم اور پھر حسنہ تھیں۔ حسنہ سب سے چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی تھیں۔ فاروق کی ہم سفر عائشہ تھیں۔ ان کے چار بچے عالیہ، عنبر، نبیل اور رافع تھے۔ عالیہ اور عنبر شادی شدہ تھیں۔ نعیم اور ندرت کے تین بچے عذیر، رباحہ، اور حمزہ تھے۔ حسنہ ان سب کی لاڈلی پھپھو تھیں۔ لیکن قسمت نے ان کا کوئی لاڈ نہیں اٹھایا تھا۔ شادی کے فقط چار سال بعد ہی وہ بیوہ ہوگئیں تو اپنی اکلوتی لخت جگر میرب کو لے کر بھائیوں کے پاس آگئیں۔

حسنہ ابھی جوان تھیں۔ پڑھی لکھی اور خوبصورت تھیں۔ کئی گھرانے ابھی بھی ان کے امیدوار تھے بھائیوں نے بھی اصرار کیا کہ وہ دوسری شادی کرلیں لیکن ان کا دل تو اس طرح اجڑا

تھا کہ اب کسی اور کے لیے گنجائش ہی نہیں تھی۔

وقت آگے سے آگے سرکتا رہا۔ لیکن اب سب کی آپس میں محبت مثالی تھی۔ آج کے دور میں بھی وہ سب جوائنٹ فیملی سسٹم کا حصہ تھے۔ حالانکہ بچے بڑے ہوگئے تھے۔ پھر بھی ان سب کی محبت لازوال تھی۔ عالیہ آپی تو شادی کے بعد ٹورنٹو چلی گئی تھیں جبکہ عنبر آپی ٹیکسلا میں تھیں۔ عذیر اور رافع تو جی بھر کے ہڈحرام تھے جبکہ نبیل پھر بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھتا تھا۔ رباحہ اپنے ماں باپ کی لاکھ کوششوں کے باوجود MBBS نہیں کرپائی تھی اور حمزہ بی بی تو ویسے ہی پڑھائی کے نام پر ہی بدکتی تھی۔ رباحہ تو پھر بھی مارے باندھے M.sc تک پہنچ ہی گئی تھی۔ جبکہ حمزہ سے تو لاسٹ تھرڈ ایئر سے سمپل B.A ہی کلیئر نہ ہو پایا تھا۔ البتہ میرب پڑھائی میں بہت تیز تھی۔ حال ہی میں B.BA کے ایگزامز دیے تھے۔

میرب اپنے ننھیال میں بہت خوش اور مطمئن تھی۔ اس کے دونوں ماموں اسے بے تحاشا پیار کرتے تھے۔ سب کزنز بھی بہن بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ باپ کی کمی اگرچہ اسے محسوس تو ہوتی تھی تاہم وہ اسے رب کی رضا جان کر خاموش تھی۔

☆......☆......☆

"واہ بھئی واہ! آج تو ناشتے پر میرب بیٹا بھی موجود ہے۔" فاروق اسے ناشتے کی ٹیبل پہ دیکھ کے خوشدلی سے بولے تھے۔

"جی بڑے ماموں! کل ہی امتحان ختم ہوئے ہیں۔" وہ بڑی سعادت سے سر جھکا کے بولی تھی۔

"پھر اے ون گریڈ کی امید رکھیں ہم......؟" چھوٹے ماموں نعیم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"انشاء اللہ!" وہ بڑے بھرپور انداز میں بولی

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	1[illegible]0/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشا جی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

"میرب! ڈھنگ سے ناشتہ کرو۔ اتنے دنوں بعد تو کوئی چیز تمہارے حلق سے نیچے اتر رہی ہے۔" اسے خالی چائے سے پیٹ بھرتا دیکھ حسنہ ٹوک کے بولیں۔

"پھپھو! ایسی پیار بھری سرزنش بھی ہمیں بھی کردیا کریں۔ صحت کے لیے بڑی مفید ہوتی ہے۔" رافع جو سدا کا پیٹو تھا۔ فوراً بول اٹھا۔

"پہلے اپنی صحت دیکھی ہے موٹے! پھٹنے کے قریب ہوگئے ہو۔" مزنہ بھی اسے چڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

میری صحت تمہاری عقل سے زیادہ موٹی نہیں ہے بلیک بیوٹی!" حسب معمول رافع اس کی سانولی رنگت پہ چوٹ کرنا نہیں بھولا تھا۔

"آرام سے ناشتہ کرو۔ کیا صبح ہی صبح شروع ہوگئے ہو۔" عائشہ بیگم نے گھور کر کہا اور ان کی گھوری میں مخفی پیغام "بڑوں کی موجودگی کا لحاظ کرو۔" ان سب نے بخوبی پڑھ لیا تھا۔

"کل عنبر کا فون آیا تھا۔ آپ کا پوچھ رہی تھی۔" اب وہ شوہر سے مخاطب ہوئیں۔

"کیسی ہے وہ؟ گھر میں تو سب خیر، خیریت ہے نا.....!" وہ پوری طرح متوجہ ہوئے۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔ میں نے پاکستان آنے کا کہا تو کہنے لگی۔ امی جان! بس آپ جلدی سے نبیل کی شادی کریں تو پھر میں آؤں گی۔" ان کی بات پہ سب ہی مسکراتے لب اور معنی خیز نگاہوں سے نبیل کو دیکھنے لگے۔

"میرے چہرے پہ کیا لگا ہے؟" سب کی نظروں کی تپش محسوس کر کے وہ بری جھنجھلا گیا۔

"زعفران" عذیر جھٹ سے بولا۔

"ایسا کرو اتار کر تم لگا لو۔" وہ تپ کے بولا۔

"کیوں میں کیوں لگاؤں؟" کوئی میری شادی کی بات ہو رہی ہے۔" دوسرا جملہ خاصے حسرت زدہ لہجے میں ادا کیا گیا تھا۔

"بھئی مجھے تو عنبر کی بات بہت پسند آئی ہے۔ واقعی اب کوئی شور ہنگامہ ہونا چاہیے۔ نبیل کی شادی والا آئیڈیا تو بہت ہی زبردست ہے یہ تو میرے ذہن میں آنا چاہیے تھا۔" نعیم خوشدلی سے قہقہہ لگا کے بولے جس میں ان سب کی بھی کھی کھی شامل تھی۔

"چھوٹے ماموں! سچ میں میرا بھی بہت دل چاہ رہا ہے کوئی فنکشن اٹینڈ کرنے کو۔" میرب نے بھی تائید کی۔ باقی سب ہی زور و شور سے سر ہلانے لگے۔

"لو بھئی جس کی شادی ہے وہ تو بڑے معروف انداز ناشتہ تناول فرما رہے ہیں۔" رافع نے نبیل کے سنجیدہ انداز پہ چوٹ کی۔

"میرا خیال ہے ذہن میں جتنی بھی لڑکیوں کی تصویریں ہیں۔ نبیل ان میں سے کسی ایک کو Select کرنے میں مصروف ہے۔" عذیر نے اپنا ہی قیاس لگایا۔

"بھائی اگر مشکل پیش آرہی ہے تو میں Help کروں؟" رافع نے نہایت انکساری سے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"خدا کے لیے میرے معصوم، بھولے بھائی! اس لڑکے کی نیت میں سے مجھے فتور کی Smell آرہی ہے۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کو اس نالائق کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔" عذیر نے فوراً اپنی چرب زبانی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"ویسے بائی دا وے یہ "فتور" کس خوشبو کا نام ہے؟" مزنہ نے نہایت دقیق نکتہ اٹھایا۔

"بلیک روز۔" رافع نے کھٹ سے جواب دیا۔

"بس کرو۔ تم سب تو مجھے میراثی لگتے ہو۔ ویلے نکموں کو بس زبان چلانی خوب آتی ہے۔" عائشہ بیگم نے لتاڑا تو وہ سب ہی ایسے فرمانبرداری سے ناشتہ کرنے لگے جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"دیکھا ان خبیثوں کی ایکٹنگ کو..... مہارت رکھتے ہیں ان کاموں میں۔"

مت پوچھ ان خرقہ پوشوں کی کبھی ارادت ہو تو دیکھ
خنجر لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

رباحہ نے نہایت عاجزانہ انداز میں شعر پڑھا۔

"کتنے گھٹنے لگائے تھے اس شعر کو رٹنے میں۔" سب سے پہلے عذیر کی زبان میں ہی کھجلی ہوئی تھی۔ اس بیچاری نے پہلی مرتبہ زبان کھولی تھی اور دھر لی گئی تھی۔

"اتنی ذہین تو ہے میری بیٹی تم تو ایسے ہی پیچھے پڑ جاتے ہو۔" بالآخر حسنہ نے اس کی خلاصی کروائی۔

اور یوں باتوں ہی باتوں میں نبیل کی شادی کی بات درمیان میں ہی کہیں رہ گئی جس پہ نبیل نے خدا کا شکر کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"تمہیں کیا ہوا ہے سن ساٹھ کی ہیروئن کی طرح بڑی اداس بیٹھی ہو۔" میرب کمرے میں داخل ہوئی تو رباحہ کاغذات کا پلندہ ارد گرد بکھرائے سخت پریشان نظر آرہی تھی۔

"کیا ہوا.....؟ کوئی ٹاپک مس ہوگیا ہے؟" اسے ہنوز اسی حالت میں دیکھ کر میرب نے دوبارہ سوال کیا۔

"کوئی ایک آدھ ٹاپک ہوتا تو پھر بھی خیر تھی مگر یہاں تو میرے بائیو کیمسٹری کے بہت سارے ٹاپک مس ہوگئے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ میں کور کرلوں گی کچھ اتنا مشکل نہیں ہے۔ مگر اتنا لمبا ہے یہ Chapter کہ میرے پلے خاک بھی نہیں پڑ رہا اوپر سے میرا خیال ہے کہ سر نعیم فاروقی نے اس دفعہ Presentation بھی میری رکھنی ہے۔ اتنے چالاک ہیں تاک میں رہتے ہیں۔ کون سا Student زیادہ کلاسز بنک کرتا ہے پھر اسی کی Presentation رکھ دیتے ہیں پکڑ کے۔" رباحہ نوٹس فائل میں رکھتے ہوئے جلے کٹے لہجے میں بولی۔

"ہر مشکل کا کوئی نہ کوئی حل تو ہوتا ہے ناں۔" میرب نوٹس ایک طرف ہٹا کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ہاں حل تو یہ ہے کہ میں رات رات بھر جاگوں اپنا خون دل دماغ سب کچھ جلاؤں تب کہیں جا کر یہ منحوس مارے نوٹس Prepase ہوں گے۔" وہ انتہائی جلے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"تو کوئی شارٹ کٹ اختیار کرو ناں مائی ڈیئر رباحہ!" میرب نے معنی خیزی سے کہا۔

"اب کیا Super man بن جاؤں۔" وہ جل ہی تو گئی۔

"Super man: جو نہیں تلاش کرو۔"

"کیا اول فول بک رہی ہو میرے پاس کیا جادو کی انگوٹھی ہے جسے رگڑوں گی تو جن حاضر ہو جائے گا جو سپر مین کو اس کے گھر سے پکڑ کے میرے سامنے لا کھڑا کرے گا۔" رباحہ تپ کے بولی۔

"صحیح کہتا تھا رافع اسکو کیمسٹری مت پڑھائیں یہ تو پہلے ہی نیم پاگل ہے بعد میں تو پوری پاگل ہو جائے گی۔" میرب تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولی تو رباحہ اسے گھور کے رہ گئی۔

"یوں گھور یاں مت ڈالو۔ میں تمہیں آسان سا حل بتاتی ہوں کیا تمہاری کلاس کوئی قابل ذہین اور پروفیسرز کا منظور نظر کوئی سوڈنٹ ہے۔" میرب اب لائن پہ آگئی۔

"ہاں ہے۔" وہ بڑے زور و شور سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"کون.....؟"

"تیمور خان"

"تو بس سمجھو کہ کام ہوگیا۔" میرب نے چٹکی بجائی۔

www.pkdigest.com

"وہ کیسے.....؟" رباحہ نے ہونقوں کی طرح اسے دیکھا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے اس کے سامنے جانا دو چار ادائیں، رکھانا پلکیں جھکا کے، دوپٹے کا بایاں پلو مڑوڑتے ہوئے شرما کے کہنا سینے! کیا آپ کے پاس سر فہیم فاروقی کے بائیو کیمسٹری کے لاسٹ فور، فائیو لیکچرز ہیں؟ بس پھر دیکھنا وہ بوتل کے جن کی طرح ایک ہفتے کے چھوڑ پورے سال کے لیکچرز لا کے تمہارے سامنے ڈھیر کر دے گا۔" میرب نہایت مزے لے لے کر بولی۔

"تم نے اسے دیکھا نہیں ہے ناں اسلیئے یہ ساری بکواس کر رہی ہو۔ کھڑوس ہے وہ پورا..... مجال ہے کسی لڑکی کو منہ لگا جائے پورے ڈپارٹمنٹ کی لڑکیوں نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی ہے پر وہ بھی بڑا کائیاں ہے پروں پہ پانی نہیں پڑنے دیتا۔" رباحہ نے منہ بسورتے ہوئے اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

"امید پر دنیا قائم ہے تم ٹرائی تو کر کے دیکھو۔" میرب اپنے موقف پہ ڈٹی رہی۔

"نہ بابا نہ..... مجھے اپنی بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"تو پھر ایسے کرنا کہ سر فہیم فاروقی سے ہی عزت افزائی کروالینا سب کے سامنے اور پھر یہ رونی صورت لے کر میرے سامنے مت آنا۔" وہ جل بھن کے تو ہی رہ گئی۔

"پلیز کوئی اور مشورہ نہیں ہے تمہارے پاس کوئی اچھا سا آسان سا حل بتا دو ناں۔" وہ پھر منت پر اتر آئی۔

"آسان سا حل یہ ہے کہ تم سر فہیم فاروقی کو ہی قابو کر لو۔" وہ بڑے ریلیکس انداز میں اس کے برابر لیٹتے ہوئے بولی تو رباحہ نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا۔

"وہ تایا جان ٹائپ پروفیسر تو آج تک اپنی بیوی کے قابو میں نہیں آئے تو میں کس کھیت کی مولی ہوں۔"

"تو آخری حل یہی ہے مائی سویٹ کہ دماغ لڑاؤ اور دن رات ایک کر کے محنت کرو۔ یہی شرفاء کا شیوہ ہے۔" کلس کر کہتے ہوئے وہ رخ موڑ کے لیٹ گئی جبکہ رباحہ نے اس کی پشت کو ایک عدد گھوری سے نواز سے کے بعد دوبارہ اپنے سامنے دھرے نوٹس کو بڑی بے بسی سے دیکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

"تم بھی کچھ پڑھ لو یا اس سال پھر پہلی لینے کا ارادہ ہے۔" مزنہ جو بڑے انہماک سے ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی جہاں رافع کی مداخلت پہ چونکی تھی وہیں اس کے ماتھے پہ بھی بل پڑ گئے تھے۔ لیکن اس کے منہ لگنے کی بجائے وہ دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جہاں ایک ماہر ہپناٹسٹ میک اپ کے جدید طریقوں سے دیورز کو آگاہ کر رہی تھی۔

"کیوں فضول میں اپنا ٹائم ضائع کر رہی ہو تم اگر اپنے منہ مبارک پہ وائٹ واش بھی کروالو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑنے والا کیونکہ ان تلوں میں تیل نہیں۔" پروگرام کی نوعیت سے آگاہ ہوتے ہی وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"ہاں..... تمہارے جو لال دھک رہے ہیں اور گلاب چمک رہے ہیں تو سنبھال کے رکھو۔" وہ جو منہ بولنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی اس کی بات سنتے ہی بھڑک اٹھی۔

"سنبھال کے ہی رکھے ہوئے ہیں کسی بلیک روز پہ ضائع تھوڑی کر رہا ہوں۔" وہ مسکراہٹ لبوں میں دبا کر اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کا جائزہ لینے لگا۔ حسب عادت اس کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

"تم میرے منہ نہ ہی لگا کرو تو بہتر ہے۔" وہ چینل چینج کرتے ہوئے تڑخ کے بولی۔

"تمہارے منہ لگ کے میں نے اپنا منہ خراب نہیں کرنا۔" وہ بھی ناک چڑھا کے بولا۔

"زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ایسے بھی پرنس چارلس نہیں ہو تم۔" وہ آنکھیں سکیڑ کے چبے ہوئے لہجے میں بولی تو رافع کا قہقہہ آزاد ہو گیا۔

"ایک دنیا دیوانی ہے اس چہرے کی۔" وہ کہاں باز آنے والا تھا۔

"ہونہہ۔" وہ نخوت سے ناک چڑھا کے دوبارہ ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پھر اس سے پہلے کہ ان کی لڑائی مزید طول پکڑتی میرب اندر داخل ہوئی۔

"تم یہاں بیٹھی ہوئی ہو ادھر بڑی ماں تمہیں ایک گھنٹے سے یاد فرما رہی ہیں اگر تمہیں یاد ہو تو انہوں نے تمہیں کھچڑی بنانے بھیجا تھا۔" میرب نے آتے ہی اسے یاد دہانی کروائی تو وہ ہڑبڑا کے اٹھ گئی۔

"اوہ..... مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔" ریموٹ وہیں پھینک کے وہ سرپٹ کچن کی طرف بھاگی تھی۔

"تم آج آفس نہیں گئے؟" سامنے صوفے پہ بیٹھے ہوئے وہ رافع سے مخاطب ہوئی۔

"نہیں آج ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں میرا انٹرویو تھا وہی دینے کر آ رہا ہوں۔" بڑے ریلیکس انداز میں ٹانگیں میز پہ پھیلاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"جاب کرنے کا ارادہ ہے؟ بڑے ماموں سے پوچھا تم نے؟" وہ اب چونک کر پوچھنے لگی۔

"ہاں ان کی اجازت کے بغیر تو ہم سانس بھی نہیں لے سکتے۔" ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اس نے مبالغہ آرائی کی حد ہی تو کر دی۔

"ارے..... نبیل بھائی! آپ کب آئے؟" نبیل کو سامنے بیٹھا دیکھ کر وہ خاصی حیران ہوئی تھی اسے واقعی خبر نہیں ہوئی وہ کب آیا۔

"اب تو چھبیس سال ہو گئے ہیں لڑکی!" جواب نبیل بھائی کے بجائے رافع نے دیا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نبیل بھائی.....؟" اسے پیشانی مسلتا دیکھ کے وہ تشویش زدہ لہجے میں دریافت کرنے لگی۔

"ہوں..... ہاں..... ایسا کرو ایک کپ چائے تو پلواؤ۔ میں ذرا فریش ہو لوں بہت تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو میرب بھی کچن میں چائے بنانے آ گئی۔

چائے لے کر جب وہ نبیل کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بیڈ بیٹھا بجانے کن سوچوں میں گم تھا۔

"یہ لیں چائے....." میرب نے کپ نبیل اس کے سامنے رکھا تو وہ ایک دم اپنی سوچوں کی یلغار سے باہر نکلا۔

"تھینکس آؤ بیٹھو۔" کپ تھامتے ہوئے اس نے کہا تو وہ سائیڈ پہ رکھی چیئر پہ بیٹھ گئی۔

اس کے چہرے پہ لگا ہیں جمائے نبیل کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ بات کا آغاز کیسے کرے۔

"کیا بات ہے نبیل بھائی! کوئی مسئلہ ہے کیا؟" اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو محسوس کرتے ہوئے میرب نے بڑی اپنائیت سے پوچھا تو وہ گہری سانس بھر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"B.BA کے بعد کیا ارادے ہیں تمہارے؟"

"M.BA کروں گی انشاء اللہ! پھر اپنے کیریئر کا آغاز کروں گی۔" وہ بڑے مزے سے بولی۔

"اور اگر M.B.A سے پہلے ہی تمہارا

www.pkdigest.com

"وہ کیسے......؟" رباحہ نے ہونقوں کی طرح اسے دیکھا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے اس کے سامنے جانا دو چار ادائیں، دکھانا پلکیں جھکا کے، دوپٹے کا بایاں پلو مروڑتے ہوئے شرما کے کہنا بیٹے! کیا آپ کے پاس سر نعیم فاروقی کے بائیو کیمسٹری کے لاسٹ فور، فائیو لیکچرز ہیں؟ بس پھر دیکھنا وہ بوتل کے جن کی طرح ایک ہفتے کے چھوڑ پورے سال کے لیکچرز لا کے تمہارے سامنے ڈھیر کر دے گا۔" میرب نہایت مزے لے لے کر بولی۔

"تم نے اسے دیکھا نہیں ہے ناں اسلیئے یہ ساری بکواس کر رہی ہو۔ کھڑوس ہے وہ پورا...... مجال ہے کسی لڑکی کو منہ لگا جائے پورے ڈیپارٹمنٹ کی لڑکیوں نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی ہے پر وہ بھی بڑا کائیاں ہے پروں پہ پانی نہیں پڑنے دیتا۔" رباحہ نے منہ بسورتے ہوئے اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

"امید پہ دنیا قائم ہے تم ٹرائی تو کر کے دیکھو۔" میرب اپنے موقف پہ ڈٹی رہی۔

"نہ بابانہ...... مجھے اپنی بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"تو پھر ایسے کرنا کہ سر نعیم فاروقی سے ہی عزت افزائی کروا لینا سب کے سامنے اور پھر یہ رونی صورت لے کر میرے سامنے مت آنا۔" وہ جل بھن کے تو ہی رہ گئی۔

"پلیز کوئی اور مشورہ نہیں ہے تمہارے پاس کوئی اچھا سا آسان ساحل بتا دو ناں۔" وہ پھر منت پر اتر آئی۔

"آسان ساحل یہ ہے کہ تم سر نعیم فاروقی کو ہی قابو کر لو۔" وہ بڑے ریلیکس انداز میں اس کے برابر لیٹتے ہوئے بولی تو رباحہ نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا۔

"وہ تایا جان ٹائپ پروفیسر تو آج تک اپنی بیوی کے قابو میں نہیں آئے تو میں کس کھیت کی مولی ہوں۔"

"تو آخری حل یہی ہے مائی سویٹ کہ دماغ لڑاؤ اور دن رات ایک کر کے محنت کرو۔ یہی شرفاء کا شیوہ ہے۔" کلس کر کہتے ہوئے وہ رخ موڑ کے لیٹ گئی جبکہ رباحہ نے اس کی پشت کو ایک عدد گھوری سے نوازنے کے بعد دوبارہ اپنے سامنے دھرے نوٹس کو بڑی بے بسی سے دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

"تم بھی کچھ پڑھ لو یا اس سال پھر سپلی لینے کا ارادہ ہے۔" مزنہ جو بڑے انہماک سے ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی جہاں رافع کی مداخلت پہ چونکی تھی وہیں اس کے ماتھے پہ بھی بل پڑ گئے تھے۔ لیکن اس کے منہ لگنے کی بجائے وہ دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جہاں ایک ماہر بیوٹیشن میک اپ کے جدید طریقوں سے ویورز کو آگاہ کر رہی تھی۔

"کیوں فضول میں اپنا ٹائم ضائع کر رہی ہو تم اگر اپنے منہ مبارک پہ وائٹ واش بھی کروا لو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑنے والا کیونکہ ان تلوں میں تیل نہیں۔" پروگرام کی نوعیت سے آگاہ ہوتے ہی وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"ہاں...... تمہارے جو لال دھک رہے ہیں اور گلاب چٹک رہے ہیں تو سنبھال کے رکھو۔" وہ جو نہ بولنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی اس کی بات سنتے ہی بھڑک اٹھی۔

"سنبھال کے ہی رکھے ہوئے ہیں کسی بلیک روز پہ ضائع تھوڑی کر رہا ہوں۔" وہ مسکراہٹ لبوں میں دبا کر اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کا جائزہ لینے لگا۔ حسب عادت اس کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

"تم میرے منہ نہ ہی لگا کرو تو بہتر ہے۔" وہ چیں چیخ کرتے ہوئے ترخ کے بولی۔

"تمہارے منہ لگ کے میں نے اپنا منہ خراب نہیں کرنا۔" وہ بھی ناک چڑھا کے بولا۔

"زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ایسے بھی پرنس چارلس نہیں ہو تم۔" وہ آنکھیں سکیڑ کے چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تو رافع کا قہقہہ آزاد ہو گیا۔

"ایک دنیا دیوانی ہے اس چہرے کی۔" وہ کہاں باز آنے والا تھا۔

"ہونہہ۔" وہ نخوت سے ناک چڑھا کے دوبارہ ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پھر اس سے پہلے کہ ان کی لڑائی مزید طول پکڑتی میرب اندر داخل ہوئی۔

"تم یہاں بیٹھی ہوئی ہو ادھر بڑی ماں تمہیں ایک گھنٹے سے یاد فرما رہی ہیں اگر تمہیں یاد ہو تو انہوں نے تمہیں کھچڑی بنانے بھیجا تھا۔" میرب نے آتے ہی اسے یاد دہانی کروائی تو وہ بڑبڑا کے اٹھ گئی۔

"اوہ...... مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔" ریموٹ وہیں پھینک کے وہ سرپٹ کچن کی طرف بھاگی تھی۔

"تم آج آفس نہیں گئے؟" سامنے صوفے پہ بیٹھے ہوئے وہ رافع سے مخاطب ہوئی۔

"نہیں آج ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں میرا انٹرویو تھا وہی دے کر آ رہا ہوں۔" بڑے ریلیکس انداز میں ٹانگیں میز پہ پھیلاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"جاب کرنے کا ارادہ ہے؟ بڑے ماموں سے پوچھا تم نے؟" وہ اب چونک کر پوچھنے لگی۔

"ہاں ان کی اجازت کے بغیر تو ہم سانس بھی نہیں لے سکتے۔" ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اس نے مبالغہ آرائی کی حد ہی تو کر دی۔

"ارے...... نبیل بھائی! آپ کب آئے؟" نبیل کو سامنے بیٹھا دیکھ کر وہ خاصی حیران ہوئی تھی اسے واقعی خبر نہیں ہوئی وہ کب آیا۔

"اب تو چھبیس سال ہو گئے ہیں لڑکی!" جواب نبیل بھائی کے بجائے رافع نے دیا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نبیل بھائی......؟" اسے پیشانی مسلتا دیکھ کے وہ تشویش زدہ لہجے میں دریافت کرنے لگی۔

"ہوں...... ہاں...... ایسا کرو ایک کپ چائے تو پلواؤ۔ میں ذرا فریش ہو لوں بہت تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو میرب بھی کچن میں چائے بنانے آ گئی۔

چائے لے کر جب وہ نبیل کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بیڈ پہ بیٹھا جانے کن سوچوں میں گم تھا۔

"یہ لیں چائے......" میرب نے کپ [illegible] اس کے سامنے رکھا تو وہ ایک دم اپنی سوچوں کی یلغار سے باہر نکلا۔

"تھینکس آؤ بیٹھو۔" کپ تھامتے ہوئے اس نے کہا تو وہ سائیڈ پہ رکھی چیئر پہ بیٹھ گئی۔

اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے نبیل کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ بات کا آغاز کیسے کرے۔

"کیا بات ہے نبیل بھائی! کوئی مسئلہ ہے کیا؟" اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو محسوس کرتے ہوئے میرب نے بڑی اپنائیت سے پوچھا تو وہ گہری سانس بھر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"B.BA کے بعد کیا ارادے ہیں تمہارے؟"

"M.BA کروں گی انشاء اللہ! پھر اپنے کیریئر کا آغاز کروں گی۔" وہ بڑے مزے سے بولی۔

"اور اگر M.B.A سے پہلے ہی تمہارا

www.pkdigest.com

Right man آگیا تو.....؟" نبیل نے بات ادھوری چھوڑ کے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

"میں نے کبھی اس پہ سوچا نہیں بھائی! ویسے میرا کیریئر میرے لیے سب سے اہم ہے۔" موضوع ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ فطری طور پر جھجک گئی۔ اس Topic پر اس کی نبیل بھائی سے کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی اسلیئے وہ اندر ہی اندر خاصی حیران ہو رہی تھی۔

"بات دراصل یہ ہے میرب!" اس نے رک کر ایک دفعہ پھر اسے دیکھا اور دوبارہ بات کا آغاز کیا۔ اس کے یوں تمہید باندھنے سے تھوڑا سا گھبرائی تھی۔

"تمہارے علم میں ہوگا کہ آج کل گھر میں میری شادی کی باتیں چل رہی ہیں۔ ہم سب بچپن سے ساتھ ہیں ایک دوسرے کی عادات سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ ہمارے بڑے بھی ہمیں جانتے ہیں اور عموتایوں ہوتا ہے کہ جب گھر میں سارے ہم عمر ہوں تو رشتے آپس میں ہی طے کر لیے جاتے ہیں اور اگر ذہنی آہنگی ہو تو یہ بات کوئی بری بھی نہیں۔ امی نے جب مجھ سے شادی کی بات کی تو تمہارا اور رباحہ دونوں کا نام میرے دکھا مگر میں نے گھر بھی تم دونوں کے بارے میں اس انداز میں نہیں سوچا، تم دونوں میری چھوٹی بہنیں ہو۔ امی کا یہ خیال ہے کہ کل کو حسنہ پھپھو یہ نہ کہیں کہ گھر میں رشتہ موجود ہوتے ہوئے ہم باہر دیکھتے پھرتے ہیں۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔ میرب کا سانس سینے میں اٹکا ہوا تھا۔

"لیکن حسنہ پھپھو اور تم بہت اچھی ہو رباحہ اور چچی جان بھی بہت اچھی ہیں وہ کبھی بھی دل میں کوئی کدورت نہیں رکھیں گی۔ میری ایک کلاس فیلو تھی ندا میرا اس سے کوئی لمبا چوڑا افیئر نہیں چلا ہاں اس کی سادگی اور خلوص مجھے بہت بھاتا تھا۔ ندا کی چار بہنیں ہیں اور بھائی نہیں ہے۔ وہ ایک متوسط سے بھی کم طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی لیے میری طرف بڑھتے ہوئے ہچکچاتی تھی اور کچھ میں بھی اچھی طرح انیبلش نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی آج کل جاب کر رہی ہے میں نے امی کو اس کے متعلق بتایا تھا انہیں کوئی خاص اعتراض تو نہیں لیکن پھر بھی ان کا خیال ہی ہے کہ اپنے، اپنے ہی ہوتے ہیں۔" وہ سانس لینے کو رکا تو میرب فوراً بول اٹھی۔

"بڑی مامی تو مان جائیں گی نبیل بھائی! وہ بہت نرم دل ہیں اور سچ بات تو یہ ہے کہ کبھی میں نے بھی اس طرح سے آپ کے متعلق نہیں سوچا۔ ہمیشہ آپ کو بڑے بھائی کا درجہ دیا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے رباحہ بھی ایسے ہی سوچتی ہے اور رہی بات ندا کی تو اگر وہ اچھی ہوئیں تو ہماری فیملی میں ایڈجسٹ ہونا ان کے لیے مشکل نہ ہوگا۔ باقی ہم سب تو آپ کے ساتھ ہیں۔"

"تھینکس میرب! مجھے تم سے یہی امید تھی۔" وفورِ مسرت سے نبیل کا چہرہ چمک اٹھا۔

"کیا مطلب..... خالی خولی تھینکس سے کام نہیں چلے گا۔ ذرا تگڑی سے ٹریٹ دیں اور شاپنگ بھی کروائیں اور میری فرینڈ کی برتھ ڈے آرہی ہے اس کے لیے گفٹ بھی لے کے دیں۔" اس نے فوراً آنکھیں ماتھے پر رکھیں۔

"تم میری جیب خالی کرواؤ گی۔" نبیل نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔

"شکر کریں دل خالی نہیں کروایا۔" وہ چمک کی بولی تو نبیل کا بلند و بانگ قہقہہ آزاد ہوا۔

☆.....☆.....☆

اور وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ سر فہیم فاروقی نے حسب توقع اسی کی Persentation رکھ دی تھی۔ اسے جتنے مہذب القابات یاد تھے دل ہی دل میں ان سب سے سر فاروقی کو نواز چکی تھی۔ لیکن مسئلہ تو جوں

کا توں برقرار تھا۔

بارہ بجاتی شکل لے کر جب وہ لائبریری میں داخل ہوئی تو سامنے ٹیبل پر ہی اسے تیمور خان بیٹھا نظر آ گیا۔ میرب کے الفاظ اچانک ہی اس کے کانوں میں گونجے تو چند سیکنڈ وہیں کھڑے کھڑے سوچنے کے بعد وہ دل میں ارادہ کرتی اس کی ٹیبل کی طرف بڑھ ہی گئی۔

"قسمت آزما لینے میں کیا حرج ہے زیادہ سے زیادہ بے عزتی ہو جائے گی۔ کھا تو نہیں جائے گا وہ۔" خود کو دلاسہ دیتی وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

تیمور خان جو بڑے مگن انداز میں نوٹس بنانے میں مصروف تھا۔ اس کے یوں سر پر آ کھڑے ہونے کی وجہ سے ایک دم چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بڑے انہماک سے اس کی تیزی سے چلتے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ تیمور دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی دیر تک جب اس کے پوز میں کوئی فرق نہ آیا تو وہ خود ہی اسے کہنے پر مجبور ہو گیا۔

"بیٹھ جائیں پلیز۔" وہ یوں فرمانبرداری سے فوراً بیٹھ گئی جیسے کہ اسٹوڈنٹ کو سزا کے بعد بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ تیمور کو ہنسی تو بہت آئی لیکن وہ کمال مہارت سے چھپا گیا۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے؟" وہ کافی دیر سے نوٹ کر رہا تھا وہ کچھ کہنے کی کوشش میں لب کھولتی پھر ایک دم بھینچ لیتی اس سے رہا نہ گیا تو بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"جی۔ای۔ای۔" رباحہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری خود کو آرٹیلڈ تصور کرتے ہوئے وہ یہاں تک آ تو گئی تھی مگر اب کچھ ہی کہنے کا خود میں حوصلہ نہیں پا رہی تھی۔

"نن۔نہیں۔" بوکھلاہٹ میں اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ تو خجالت سے سر جھکا کے رہ گئی۔

اس کے جھکے ہوئے سر اور لرزتی پلکوں کو اس نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔ اسے کچھ کچھ تو اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ اس کے پاس کیوں آئی تھی۔ کلاس میں الگ تھلگ، چپ چاپ اور قدرے گم صم رہنے والی اسٹوڈنٹ سے اسے ہرگز توقع نہیں تھی کہ اس کے روڈ اور لیے دیئے رویہ کے باجود وہ اس کے پاس آئے گی۔

"آپ سر فہیم فاروقی کی دی گئی Presentation کی وجہ سے پریشان ہیں؟ کیونکہ آپ کے لاسٹ لیکچرز تو مس ہو گئے تھے۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کے بولا تو وہ منہ اٹھا کے ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"آ.....آپ کو کیسے پتہ چلا؟" وہ واقعی بے حد حیران ہوئی تھی گہری سیاہ آنکھیں حیرت اور معصومیت لیے ہوئے تھیں۔ تیمور کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی اس نے بے ساختہ نگاہیں چرائیں

"بالکل سامنے کی بات ہے کوئی بھی سمجھ سکتا ہے۔" وہ بڑے آرام سے بولا۔

اب کی دفعہ کچھ بولنے کی بجائے وہ دوبارہ نگاہیں جھکا کے میز کی سطح کو گھورنے لگی۔ تیمور خان نے بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ گرم نگاہوں کی تپش محسوس کر کے وہ مزید گھبرا گئی۔

"میں چلتی ہوں۔" گھبراہٹ و بوکھلاہٹ میں وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"سنیں مس رباحہ نعیم!" اس نے پکارا تو وہ پلٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کل چھٹی مت کیجئے گا کیونکہ میں کل نوٹس لے آؤں گا۔" مسکراہٹ لبوں میں دبا کر وہ بولا۔

رباحہ پر ایک مرتبہ پھر حیرت کا دورہ پڑا تھا۔ وہ پوری آنکھیں اور منہ کھولے اسے دیکھنے لگی۔ جیسے اس کے کانوں نے سننے میں غلطی کی ہو۔

www.pkdigest.com

تیمور نے بڑی دلچسپی سے دوسری دفعہ یہ منظر دیکھا تھا۔

"لیکن آپ کو اس کا معاوضہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔" وہ بھی کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"آں..... ہاں..... وہ میں کر دوں گی جو بھی آپ کہیں۔" وہ فوراً بولی مبادا وہ مکر ہی نہ جائے۔

"اور کے پھر تیار رہے گا۔" وہ بھرپور نگاہ اس پہ ڈالتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ جبکہ رباحہ خوشی سے جھوم جھوم گئی۔ اس کے لہجے اور نظر میں پر غور کیے بغیر وہ خاصی خوشی خوشی سے باہر نکل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

میری آرزو ہے تجھے پیاروں
تجھے چاہتوں سے نکھاروں
کہیں آنسوؤں میں ڈوب کر
تجھے ہر گھڑی میں قراروں
میں جنون عشق میں جھوم کر
تجھے قربتوں کا حصار دوں
مجھے تم سے کتنا پیار ہے
تاروں کا کیسا شمار دوں
میرے ہر طرف تیری ہی سوچ ہے
کیسے میں خود کو فرار دوں
آ کر پھر تم کہیں نہ جاؤ
تمہیں اپنی روح میں یوں اتار دوں

گھر والوں کو ندا پسند کیا آئی تھی نبیل بھائی نے تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات کی تھی۔ ندا کی فیملی سادہ اور پر خلوص تھی۔ اگرچہ مالی طور پر وہ لوگ زیادہ اچھے نہیں تھے لیکن محبت اور خلوص کی کمی نہ تھی اور یہی بات ان سب کو بھا گئی تھی۔

"نبیل بھائی! آج ہم سب نے شاپنگ پر جانا ہے۔" شادی میں صرف پندرہ دن رہ گئے تھے اور ان لوگوں کی تیاری ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ ہر طرف ہڑبونگ مچی تھی۔ عالیہ آپی ٹورنٹو سے اور عنبر آپی ٹیکسلا سے تشریف لا چکی تھیں۔

عالیہ آپی کے دو بچے اذان اور نومی تھے جبکہ عنبر آپی کی ایک بیٹی تھی۔ تینوں شیطان کا ٹولہ تھے۔ سب سے زیادہ شامت مزنہ کی آئی تھی۔ میرب اور رباحہ تو پھر یونیورسٹی چلی جاتی تھیں۔ کہ ان کی پڑھائی لٹ تھی۔ جبکہ مزنہ بیچاری دھری جاتی تھی۔ وہ سارا دن بلکان ہو جاتی۔

"تم کیا سارا دن پریکٹس پر رہتی ہو۔" وہ جو نومی کے منہ میں زبردستی فیڈر دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ رافع کی بات پر تلملا کے سر اٹھایا۔

"تم میرے منہ نہ ہی لگو تو بہتر ہے۔" وہ تو پہلے ہی خار کھائے بیٹھی تھی۔

"عالیہ آپی دیکھ لیں ناں کہ تم نے ان کی راج دلاری بیٹی کا کیا حال کیا ہے تو تمہاری اچھی طرح خبر لے لیں۔" وہ اسے چڑانے سے باز نہیں آیا۔

"تمہارا دل جو اس معصوم کی محبت میں پگھل رہا ہے تو تم خود سنبھال لو۔" وہ تڑاخ سے بولی۔

"یہ خالصتاً خواتین کا شعبہ ہے ورنہ شاید تمہاری ہیلپ کر ہی دیتا۔" وہ کمال بے نیازی سے بولا۔

"تو پھر خواتین کے شعبے میں اپنی ٹانگ نہ ہی اڑاؤ۔" بالآخر وہ نومی کو خاموش کروانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"نبیل بھائی!" میرب چلانے والے انداز میں بولی تھی۔

"جی بہنا!" بڑے دلارے جواب آیا تھا۔

"ہم سب نے شاپنگ پر جانا ہے۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی۔

"تو جاؤ ناں روکا کس نے ہے؟" مزے سے کہتا وہ صوفے پر پھیل گیا۔

"جائیں کس کے ساتھ.....؟" وہ جیسے زچ ہو کے بولی۔

"یہ رافع ہے ناں جاؤ رافع ان کو شاپنگ پر لے جاؤ۔" وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے رافع اسی کے حکم کا منتظر تو یہاں بیٹھا تھا۔

"شادی رافع کی نہیں آپ کی ہے۔" اب کی دفعہ رباحہ نے مداخلت کی۔

"آ..... اچھا۔" نبیل نے یوں آنکھیں پھیلائیں جیسے یہ اس کے لیے بریکنگ نیوز ہو۔ اچھا خاصا سنجیدہ نبیل بھی ان دنوں شوخ ہو رہا تھا۔

"جی۔ ای۔ ای۔" میرب نے بھی اسی اسٹائل میں جواب دیا۔

"چلیں اٹھیں اب کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" میرب نے زبردستی بازو پکڑ کر سے اٹھایا۔

"شادی کیا ہو رہی ہے نبیل بھائی نے تو آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لی ہیں۔" مزنہ بھی نومی وہلا آئی تھی۔

"پہلے ہی یہ حال ہے بعد میں پتہ نہیں کیا ہوگا۔" میرب نے آنکھیں نکالیں تو وہ ہنس پڑا۔

"تو یہ ہے خواتین سے کون جیت سکتا ہے۔" وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

"خواتین۔" وہ تینوں یک زبان چلائیں تو رافع اور نبیل کے بے ساختہ قہقہے ابل پڑے۔

☆.....☆.....☆

شادی کے ہنگامے ذرا سرد پڑے تو سب ہی اپنی اپنی روٹین پر آ گئے۔ نبیل اور ندا تو ہنی مون ٹرپ پر نکلے ہوئے تھے۔ عنبر آپی تو واپس چلی گئی تھیں جبکہ عالیہ آپی ابھی یہیں تھیں اور ابھی ان کا مزید ارادہ تھا رکنا کا۔ کہ پتہ نہیں اب کب موقع ملے آنے کا۔

میرب نے تو نئی نئی یونیورسٹی جوائن کی تھی۔ اس کا M.BA ابھی اسٹارٹ ہی ہوا تھا۔ مزنہ نے بھی بادل نخواستہ کالج جانا شروع کر دیا تھا۔ رافع کو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی تھی۔ وہ بھی وہیں جوائن کرنے لگا تھا۔ جبکہ عذیر فی الحال ٹاک ٹوئیاں ہی مار رہا تھا۔ کبھی آفس چلا چلا جاتا کبھی جاب کے پلان بناتا اور کبھی کوئی اپنا بزنس کرنے کا۔ لیکن سب جانتے تھے کہ وہ اتنے پانی میں نہیں کہ یہ دونوں کام ہی کر سکے۔ گھوم پھر کے اس نے باپ کے ساتھ ہی کام کرنا تھا۔

رباحہ یونیورسٹی گئی تو جاتے ہی اسے یہ شاکنگ نیوز سننے کو ملی کہ Caming month ان کے سمسٹرز شارٹ ہونے والی ہیں۔ اس کے تو پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔ اور تو وہ پہلے ہی پڑھائی میں "پوری" تھی۔ بمشکل کھینچ تان کے تو M.sc تک پہنچی تھی۔ پہلی پہلی شادی کی خوشی میں خوب دل کھول کر چھٹیاں کی تھیں اب مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے برا حال ہو رہا تھا۔

"لیکن سونیا!! ابھی تو وہ ماہ بعد سمسٹرز ہونے تھے۔ پھر اتنی جلدی کیوں.....؟" کیا پتہ تمہیں سننے میں غلطی لگی ہو۔" اس نے تصدیق کے لیے پھر ایک دفعہ سونیا سے پوچھا۔

"جی نہیں مجھے سننے میں قطعاً غلطی نہیں ہوئی اور اگر مزید تصدیق کرنی ہو تو نوٹس بورڈ پر جا کر دیکھ لو۔" سونیا کے جواب پہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

"یا اللہ اب کیا کروں۔" سونیا تو اٹھ کر چلی گئی تھی جبکہ وہ اپنا سر تھام کے رہ گئی۔

"لگتا ہے اس دفعہ تو فیل ہی ہو جاؤں گی۔" وہ روہانسی ہو کر بڑبڑائی۔

ہوا جب تیز چلتی ہے
تمہارا ذکر ہوتا ہے
جب پتے سرسراتے ہیں
تمہارا ذکر ہوتا ہے
کبھی ہولے سے شب کو

www.pkdigest.com

میرے دل میں آ کر دیکھو
اک محفل سجی ہوتی ہے
اور تمہارا ذکر ہوتا ہے۔
تمہیں کیسے بتاؤں کتنی چاہت
میں نے کی ہے تم سے
کہ جب آنسو چھلکتے ہیں
تمہارا ذکر ہوتا ہے

"اسلام علیکم" پتہ نہیں تیمور خان اچانک کہاں سے نمودار ہوا تھا۔ وہ اپنی پریشانی میں اس قدر گم تھی کہ اردگرد پرواہ ہی نہ تھی۔

"وعلیکم اسلام" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیسی ہیں آپ؟ اتنے دن کہاں غائب ہیں۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر ہی گھاس پر بیٹھ گیا۔

"ہاں میرے بھائی کی شادی تھی۔" وہ پریشان اس قدر تھی کہ چاہنے کے باوجود بھی لہجے میں بشاشت نہیں سمو سکی۔

"اچھا آپ نے تو انوائیٹ نہیں کیا۔" اس نے شکوہ کیا۔

"ایں" اس نے حیرت میں گھبرا کے دیکھا۔ ان کے درمیان کب اتنی فرینکنیس تھی کہ وہ اسے انوائیٹ کرتی۔

"بندہ کسی کے احسان کا بدلہ ہی اتار دیتا ہے اس بہانے۔" حسب توقع اس کی آنکھوں میں تیرتی حیرت دیکھ کر وہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"اوہ اچھا سوری نیکسٹ ٹائم ضرور بلواؤں گی انشاء اللہ!" اس کا سابقہ "احسان" یاد کر کے وہ خجل ہو کے سر جھکا گئی۔

"نیکسٹ ٹائم کب اپنی شادی پر......؟" وہ پھر مائل بہ شرارت ہوا۔

"نہیں...... تو......" اس کے منہ سے بالکل غیر متوقع بات سن کے وہ جھجک کے اس قدر کہہ سکی ایک لمحے کے لیے حیاء کی لالی نے اس کے چہرے پر چھپ دکھلائی دی تھی۔ تیمور نے خاصی دلچسپی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"آپ کیسے ہیں؟" اس کی نظروں کے حصار سے بری طرح سٹپٹائی تھی اسی لیے اس کی توجہ ہٹانے کو پوچھ لیا۔

"اس وقت خود کو خاصا فریش محسوس کر رہا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے معنی خیزی سے بولا۔

"آپ کو پتہ چلا نیکسٹ منتھ سمسٹر سٹارٹ ہو رہا ہے۔" وہ جو چند لمحوں کے لیے اس پریشانی کو بھولی تھی دوبارہ یاد آنے پر اس سے پوچھنے لگی۔

"ہاں مجھے بھی چند دن پہلے ہی پتہ چلا تھا۔" وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

"ہائے اللہ! مجھے لگتا ہے میں بری طرح فیل ہو جاؤں گی۔" وہ روہانسی ہو کے بولی۔

"کیا اچھی طرح بھی فیل ہوا جاتا ہے۔" وہ جو ایک لمحے کے لیے سنجیدہ ہوا تھا دوبارہ شوخی سے گویا ہوا۔

"کتنی عزت افزائی ہوگی ناں سب کے سامنے اور ندا بھابھی کیا سوچیں گی۔ میری نند کتنی نالائق ہے۔" اس نے گویا اس کی بات سنی ہی نہیں تھی خود میں ہی بڑبڑانے لگی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک بات لوں۔" اس نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر آپ چاہیں تو مجھ سے ہر قسم کی Help لے سکتی ہیں۔" اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے باوقار لہجے میں آفر کی تھی۔

"آ آپ سے......؟" رباحہ تو بے ہوش ہونے کی قریب تھی۔ کہاں تو وہ پوری یونیورسٹی میں کسی کو گھاس نہیں ڈالتا تھا اور کہاں اسے اتنی اچھی آفر۔

"کیوں میں کیا کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔"

اس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ برا مان گیا ہو۔

"نن...... نہیں میرا یہ مطلب تو نہیں تھا آپ تو بہت نیک اور رحم دل ہیں۔" وہ جلدی جلدی میں جوش میں آیا بول گئی بغیر سوچے سمجھے۔ مبادا وہ اپنی پیشکش واپس ہی نہ لے لے۔

اس کے نیک اور رحم دل کہنے پر تیمور کو ہنسی آ گئی۔ وہ واقعی بے حد سادہ تھی۔

"شاید جلدی میں کچھ غلط بول گئی ہوں۔" وہ اسے ہنستا دیکھ کر اس نے شرمندہ ہو کر دل میں سوچا۔

"او کے آپ مجھے بتا دیجئے گا آپ کو کون سے ٹاپک حل کرنے ہیں۔ میں آپ کو نوٹس بھی لا دوں گا اور اگر کہیں کوئی Problem ہوئی تو سمجھا بھی دوں گا۔" سے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس پر اتنا مہربان کیوں رہا ہے۔ آج اتنے دنوں بعد اس کی شکل دیکھ کے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھ گئے تھے۔

"تھینکس...... تھینکس سو مچ۔" وہ خوشی سے بے قابو ہوتے لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے کی جگمگاہٹ نے تیمور کے اندر باہر روشنی بھر دی تھی۔

"یو آر آلویز موسٹ ویلکم۔" اس کے چہرے پر نظریں جما کے وہ گہرے لہجے میں بولا۔

"لیکن احتیاط کیجئے گا کسی پتہ نہ چلے۔" اس نے آخر تنبیہ بھی کر دی۔ وہ جس قدر بے وقوف تھی اس سے کچھ توقع نہیں تھی کہ اپنے ساتھ پورے ڈپارٹمنٹ کو بھی شریک کر لیتی۔

"ڈونٹ وری میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔" اس کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"اور ہاں میں فیس بھی لوں گا۔" وہ جاتے جاتے پھر شریر ہوا۔

"ضرور کیوں نہیں میں دے دوں گی۔" حسب توقع اس نے ظاہری مطلب اخذ کیا تھا اور گہرائی میں جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

تیمور کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی اسے اللہ حافظ کہتا وہاں سے اٹھ آیا۔

☆......☆......☆

وہ یونیورسٹی سے گھر لوٹی تو لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا۔ جب خلاف اس وقت ہی سب کی محفل جمی تھی۔ وہ بھی اپنے کمرے میں جانے کی بجائے سب کو مشترکہ سلام کرتی شولڈر بیگ اور فائل سائیڈ پر رکھتی وہیں دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ہائے پانی تو پلا دو خالو!" اس نے بیٹھتے ہی ہانک لگائی۔

"میرب! ان سے ملو یہ میرے بھائی ہیں عمیر حسن۔" ندا بھابھی نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر اپنے سائیڈ والے صوفے کی طرف متوجہ ہوئی۔ جہاں ایک خوبرو نوجوان آنکھوں میں ذہانت کی چمک لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہیں......" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کے اسے دیکھا۔

"مطلب کہ ایک مہینے میں اتنی ترقی......؟"

"کیا مطلب......؟" عمیر کے ساتھ ساتھ وہ سب بھی اس کے مبہم جملے پر حیران ہوئے تھے۔

"مطلب کہ ایک ماہ پہلے جب ندا بھابھی کی شادی ہوئی تو ان کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ ایک مہینے میں اتنا بڑا بھائی......؟ امیزنگ۔" اس کی حیرت ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

دبی دبی مسکراہٹ ان سب کے چہروں پر پھیل گئی۔

"عمیر میرا پھوپھی زاد بھائی ہے آئی مین کزن۔" ندا نے وضاحت کی۔

"اوہ...... اچھا۔" اس نے یوں اطمینان بھرا سانس خارج کیا جیسے کوئی بہت بڑی مشکل حل

www.pkdigest.com

ہوگئی ہو۔ عمیر بھی اس کے انداز پر مسکرا دیا۔

"ویسے بائی دا وے آپ اب تک کہاں غائب تھے؟ میں نے تو آپ کو شادی میں بھی نہیں دیکھا۔" وہ اب براہ راست عمر سے مخاطب ہوئی۔

"میں ایجوکیشن کے سلسلے میں لندن میں تھا۔ اسی ہفتے واپس آیا ہوں تو ماما نے ندا آپی کی شادی کا بتایا۔ مجھے تو کسی نے انفارم ہی نہیں کیا ورنہ شادی میں شرکت کی ضرور کوشش کرتا۔ اب آیا ہوں تو پہلی فرصت میں ندا آپی سے ملنے آگیا ہوں۔" اس نے بڑے مفصل انداز میں جواب دیا۔ اس کے مہذب اور شائستہ لب و لہجے نے میرب کو متاثر کیا تھا۔

"عمیر بہت اچھا ہے ہمیں کبھی بھائی کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ بالکل بھائیوں کی طرح ہم سب بہنوں کا خیال رکھتے ہیں۔" ندا کے لہجے میں محسوس کی جانے والی محبت دوچاہت تھی۔

"دراصل جو لوگ خود اچھے ہوتے ہیں ناں انہیں سب ہی اچھے لگتے ہیں۔" عذیر نے فلسفہ چھاڑا۔

"اور یوں تم جیسوں کے حصے میں بھی ایک آدھ تعریف آ ہی جاتی ہے۔" میرب نے اسے لتاڑا۔

"تم بھی میری ہی قبیل سے ہو۔" وہ کون سا ادھار کا قائل تھا۔

"اٹھو میرب! جاؤ اپنے کمرے میں فریش ہو کپڑے Change کرو۔ چلو مزنہ اور رباحہ اٹھو شام کی چائے کی تیاری کرو۔" ندرت نے اندر آتے ہوئے تینوں کو اٹھایا۔

"پرایا بچہ آیا بیٹھا ہے اور انہیں کوئی عقل ہی نہیں ہر وقت بس چونچیں لڑاتے رہتے ہیں۔ پتہ نہیں کب بڑے ہوں گے۔" وہ دل ہی دل میں انہیں کوسے جا رہی تھی۔

اپنے کمرے میں آکر فریش ہونے کی بعد وہ جو لیٹی تو پھر اس وقت اٹھی جب شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ بکھرے بالوں کے جوڑے کی شکل میں لپیٹی دوپٹے کو بائیں کندھے پہ ڈالتی وہ باہر لان میں آئی۔ تو سب چائے کو ساتھ لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"ہوگئی نیند پوری؟" ندا بھابھی اسے دیکھ کر مسکرائیں اور اپنے ساتھ والی کرسی سے کے لیے بڑھائی۔

"جی آج یونیورسٹی میں کافی تھکاوٹ ہوگئی تھی۔ راستے میں پوائنٹ میں گڑبڑ ہوگی بس کھینچ تان کر گھر تک پہنچی ہوں۔"

نیند کے خمار سے گلابی ہوتی آنکھیں، چہرے کے اطراف سے نکلتی لٹیں۔ جنہیں بے دھیانی میں وہ بار بار کان پیچھے اڑس رہی تھی۔ عمیر کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔

"کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟" عمیر نے پوچھا۔

"میں ایم۔ بی اے کر رہی ہوں۔" وہ مزنہ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے بولی۔

"عمیر بھائی ہمیں لندن کا کوئی مزے دار واقعہ سنائیں۔" مزنہ نے اپنی عقل کے مطابق ہی بات کی تھی۔

"وہ لندن گئے تھے ایئر فورس میں نہیں جو تمہیں مزے دار واقعے سنائیں۔" رافع نے حسب عادت اسے گھسیٹ لیا تھا۔

"تم نے ہر بات میں ضرور ٹانگ اڑانی ہوتی ہے۔" وہ چڑ کے بولی۔

"ٹانگ جو اتنی لمبی ہے خود بخود ہی اڑ جاتی ہے۔" رباحہ کی زبان میں بھی کھجلی ہوئی۔

"تمہاری زبان سے تو چھوٹی ہی ہے۔" وہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ سکتا تھا۔

"بس کرو اب شروع مت ہو جانا۔" ندرت نے ڈپٹا۔

"رہنے دیں آنٹی! یہ ہی تو محبت کی علامت ہے۔" عمیر نے فوراً ان کی سائیڈ لی۔

"نبیل بھائی اور عذیر نظر نہیں آرہے۔" ان دونوں کو غائب پا کر میرب نے دریافت کیا۔

"تمہارے ماموں کا فون آیا تھا۔ کوئی ڈیلیگیشن آرہا تھا۔ اسلیئے دونوں چلے گئے۔ مجھے تو خود اچھا نہیں لگ رہا تھا ان کا جانا عمیر آیا تھا اس کو کمپنی دیتے۔" ندرت نے کہا۔

"کوئی بات نہیں آنٹی! میں جانتا ہوں بزنس کی مصروفیات کو۔ ایسا سب تو چلتا ہی رہتا ہے۔" اس نے فوراً پوزیشن کلیئر کرنا چاہی۔

"پتہ نہیں واقعی اتنا سعادت مند ہے یا صرف پوز کر رہا ہے۔" میرب نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس دم عمیر نے نظریں اٹھائیں۔ نظروں کے تصادم پہ میرب نے جز بز ہو کے نگاہیں جھکا لیں اور فوراً چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ جبکہ عمیر کے ہونٹوں پر پڑی دلکش مسکراہٹ بکھری تھی۔

☆.....☆.....☆

آج چھٹی کا دن تھا سب گھر میں موجود تھے۔ عمیر بھی یہیں تھا۔ نبیل بھائی نے اصرار کر کے اسے روک لیا تھا۔

"چھٹی کا دن ہمارے ساتھ گزار کے دیکھو۔" نبیل بھائی نے بڑے دوستانہ انداز میں ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اور آئندہ ہمیشہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔ بعد میں ندا بھابھی سے کہیں گے۔ تم سارا دن سرکس میں کیسے گزار لیتی ہو؟" میرب نے اندر داخل ہوتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔

"آپ کی موجودگی میں، میں بور کیسے ہو سکتا ہوں۔" پتہ نہیں اس کے لہجے میں کیا بات تھی۔ میرب نے ٹھٹک کے اسے دیکھا۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا تاہم لبوں پر شریر و شوخ سی مسکراہٹ ضرور موجود تھی۔

"اس کی چھوڑ دیار! یہ دنیا میں واحد ہستی ہے جو ایم۔ بی اے کر رہی ہے۔" عذیر لطیف سا طنز کیا تھا۔ وہ خجل سی ہوگئی۔ واقعی وہ جب سے یونیورسٹی جانا شروع ہوئی تھی۔ خاصی معروف ہوگئی تھی۔

"تو تم بھی کر لو نا کہ ایک اور ایک گیارہ ہو جائیں۔" وہ کھسیاہٹ مٹانے کو بولی۔

"عمیر بھائی! آپ سے بتائیں آپ کو کون سی ڈش پسند ہے۔ میں آج اسپیشل آپ کے لیے بناؤں گی۔" مزنہ نے ہال میں داخل ہوتے ہی اسے مخاطب کیا۔

"بلیک بریانی۔" رافع جھٹ سے بولا۔

"وہ کیا تمہارے گوشت کی بنتی ہے؟" وہ تپ کے اس کی طرف مڑی۔

"نہیں تمہارے۔" کمال اطمینان سے جواب دیا گیا۔ عمیر کا قہقہہ جاندار تھا۔

"گلاب جامن کر فرمائش کر دیں عمیر بھائی!" رافع ابھی بھی باز نہیں آیا تھا۔

"نہ تنگ کو میری بہن کو۔" عمیر نے مزنہ کی سائیڈ لی تو وہ رافع کو گھورتی کچن میں چلی گئی۔

"آپ کی بہن بڑی تیز ہے۔" رافع ہنستے ہوئے بولا۔

"تم جو ہر وقت اس کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔" میرب بھی اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"لوجی یہاں ہر طرف اس کے حواری ہیں۔" اس نے مسکین سی شکل بنائی۔

"تم سمیت۔" میرب نے مسکراہٹ لبوں میں دبا کر شرارتی نظروں سے اسے دیکھا۔

اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کے رافع نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا۔ عمیر نے ٹھٹک کے ان دونوں کو دیکھا۔

"دال میں کچھ کالا ہے۔" عمیر نے مشکوک نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔

میرب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ رافع بھی مسکرا دیا۔

www.pkdigest.com

جسے ہم کہہ نہیں سکتے اسے ہم فرض کرتے ہیں
چلو ہم فرض کرتے ہیں ہمیں اس سے محبت ہے

عذیر نے "تم" کی جگہ اس کا صیغہ لگا کے حسب حال شعر پڑھا۔

"اچھا۔ تو یہ بات ہے۔" عمیر بھی مسکرا دیا۔

"بس بھائی! بڑا خدا ترس دل پایا ہے۔" رافع نے انکساری کی حد کر دی۔

"جاؤ جاؤ یہ خدا ترسی کہیں اور دکھاؤ ایسے بھی گرے پڑے نہیں ہم۔" میرب کی بہنا پے کی رگ پھڑکی۔

"صلہ رحمی گھر والوں سے شروع کرنی چاہیے۔" وہ علامہ بنا۔

"بس اپنی مردانہ انا کو نیچے نہ آنے دینا انا کا پرچم بلند رہے تو دل کو تسکین ہوتی ہے۔ ہے ناں۔" اس نے آئینہ دکھایا۔

"صلہ رحمی میں انا کہاں سے آ گئی؟" وہ بھی بڑا کائیاں تھا جلد ہاتھ آنے والوں میں سے نہ تھا۔

"یہ تو بڑا لطیف جذبہ ہے مس میرب! دل کے معاملوں میں انا کا عمل دخل نہیں ہوتا۔" عمیر بھی میدان میں کود پڑا۔

"مردوں کے لیے سب سے بڑا معاملہ ہی انا کا ہوتا ہے۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹی تھی۔

"آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہیں؟" وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

"میں نے ہزار دفعہ مشاہدہ کیا ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی کی آمیزش تھی۔ جسے عمیر محسوس کیے بنا نہ رہ سکا۔

"پھر ہم اس احساس کو محبت کا تو نام نہیں دے سکتے۔ میرے نزدیک جو محبت انا کی انگلی تھامے ہوئے ہو وہ محبت تو نہیں سراسر خود غرضی ہے۔" وہ بڑے گہرے لہجے میں بولا۔

"ہم خود غرضی کو محبت کے لبادے میں ہی تو لپیٹ دیتے ہیں۔" وہ بولی۔

"لیکن پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوئیں مس میرب!" اس نے بھی گویا اسے سمجھانے کا حلف اٹھا رکھا تھا۔

یہ میں نے کب کہا کہ سب لوگ ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر ایسے ہی ہوتے ہیں اس کی بات عمیر نے ایک اطمینان بھری سانس کھینچی۔

"چلیں شکر ہے آپ نے سب مردوں کو ایک ہی صف میں کھڑا نہیں کر دیا۔ ورنہ میں تو ڈر ہی گیا تھا آپ کے نادر خیالات سے۔" اسے دیکھ کر وہ مبہم سا مسکرایا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

عذیر نے ماحول پر چھائی کثافت کو کم کرنے کے لیے نہایت ہی بے تکا شعر پڑھا۔ جس پر وہ سب ہی بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

☆.....☆.....☆

محبت پھر محبت ہے
کبھی دل سے نہیں جاتی
ہزاروں رنگ ہیں اس کے
عجب یہ ڈھنگ ہی اس کے
کبھی صحرا کبھی دریا
کبھی جگنو، کبھی آنسو
ہزاروں روپ رکھتی ہے
بدن جھلسا کے جو رکھ دے
یہ ایسی دھوپ رکھتی ہے
کبھی بن کر یہ اک جگنو
شب غم کے اندھیروں میں
دلوں کو آس دیتی ہے
کبھی منزل کنارے پر
صدیوں کے مسافر کو
فقط اک پیاس دیتی ہے
اذیت ہی اذیت ہے

محبت پھر محبت ہے
کبھی دل سے نہیں جاتی

"میرب!" اپنے نام کی پکار پر اس نے پلٹ کے دیکھا تو مقابل عمیر حسن کو پایا۔

"کیسے ہیں آپ؟" وہ خوشدلی سے دریافت کرنے لگی۔

"ٹھیک ٹھاک آپ سناؤ۔" اس کی آنکھوں چمک میرب کو مخاطب کرتے وقت یونہی بڑھ جایا کرتی تھی۔ جیسے اب اسے بک شاپ پر دیکھ کے اسے وہ بے حد خوش ہوا تھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ چند بکس خریدنا تھیں اسلیئے یونیورسٹی سے سیدھی ادھر آ رہی ہوں۔ یہ تینوں بکس پیک کر دیں۔" اسے جواب دینے کے ساتھ وہ کاؤنٹر مین سے مخاطب ہوئی۔

"چلیں پھر لگے ہاتھوں میری بھی ہیلپ کر دیں۔" وہ اس کی منتخب کردہ کتابیں الٹ پلٹ کے دیکھنے لگا جو Accountes اور Finance کے متعلق تھیں۔

"why not" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"لیکن آپ کو help چاہیے کس سلسلے میں؟"

"فی الحال تو کچھ بکس خریدنا ہیں باقی بعد میں بتاؤں گا۔" اسے نگاہوں میں رکھ کے وہ خوبصورت انداز میں گویا ہوا۔

"ایکچوئلی ندا آپی کا برتھ ڈے قریب ہی ہے مجھ سے وہ ہر دفعہ اچھی سی بکس کی ہی امید لگائے رکھتی ہیں۔ اسی سلسلے میں آج ادھر آ نکلا۔ قسمت اچھی تھی کہ آپ مل گئیں ورنہ اکیلا ہی کھپتا رہتا۔"

"ارے واہ.....! ندا بھابھی کا بڑھ ڈے اور مجھے تو علم ہی نہیں۔ تھینکس گاڈ پتہ چل گیا ورنہ سب کے سامنے کتنی سبکی ہوتی۔" ایکسائٹڈ ہونے کے ساتھ اس نے ایک جھرجھری بھی لی۔

"تو پھر کون سی کتاب لی جائے جو ان کے لیے مناسب ہو مزاج کے مطابق ہو۔" وہ اب بک شاپ کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں مختلف ریکس میں ہر موضوع کے متعلق ہر قسم کی بکس دستیاب تھیں۔

"اب تو کوئی امور خانہ داری متعلق کتابیں ہی ان کے لیے best رہیں گی۔" وہ شرارت سے بولی تو عمیر ہنس دیا۔

"پھر تو وہ مزنہ کے زیادہ کام آئیں گی۔" وہ بھی موڈ میں تھا۔

"اچھی بات ہے نا ایک تیر میں دو شکار۔"

"یہ کیسی رہے گی؟" وہ احمد فراز کی درد آشوب نکال کے اس دکھانے لگا۔

"توبہ کریں شادی کے بعد تو یہ درد والم کی ڈائریاں تو انہیں گفٹ نہ کریں۔ ویسے بھی وہ نبیل بھائی کے ساتھ بہت خوش ہیں۔" اس کے ہاتھ سے کتاب لے کر اس نے واپس اس جگہ رکھ دی۔

"پھر تو اس سے بہتر کوئی کتاب ہو ہی نہیں سکتی۔" بظاہر چہرے کے تاثرات کو وہ سنجیدہ رکھتے ہوئے ڈاکٹر یوس بٹ کی شادیات نکالتے ہوئے بولا میرب کا اپنائیت بھرا انداز اسے شرارت پر اکسا رہا تھا۔

"توبہ ہے آپ تو....." وہ اس دفعہ اپنی ہنسی روک نہ پائی۔

بالآخر متفر حسین تارڑ کے چند سفرناموں پر ان کا اتفاق ہوا تھا۔

"آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" بک شاپ سے باہر نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے عمیر حسن نے اسے پیشکش کی تھی۔

"تھینکس یو آپ کو کافی لمبا چکر پڑے گا میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔" وہ متامل ہوئی۔

"ڈونٹ بی فارمل میرب! میں نے کوئی آپ کو کندھوں پر سوار کر کے نہیں لے جانا جو لمبا چکر کاٹنے سے تھک جاؤں گا۔" شاپرز اسے تھما کر

www.pkdigest.com

وہ گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے بولا۔

"پھر بھی وقت تو لگے گا ناں۔" وہ ابھی بھی متامل تھی۔

"تو کیا ہوا وقت بہر حال آپ سے قیمتی نہیں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ پھر دونوں شاپرز اس کے ہاتھ سے لے کر بیک ڈور کھول کر اندر رکھے میرب کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی اس کے انداز پر۔

"بیٹھو" اس نے دور کھولتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا تو وہ جز بز ہوئی بیٹھ گئی۔

"اور اسٹڈی کیسی چل رہی ہے۔" گاڑی مین روڈ پر لاتے ہوئے وہ اس مخاطب ہوا۔

"ٹھیک۔" وہ ایک لفظی جواب دے کر اپنے ناخنوں کو دیکھنے لگی۔

"اگر برا لگا ہو تو آئم سوری مجھے اچھا نہیں لگا کر خود چلا جاؤں اور تم یوں ٹیکسی میں سفر کرتی پھرو۔" وہ اس پر نگاہ ڈال کر بڑے نرم انداز میں بولا تھا۔

"یہ ایسی بات تو نہیں کہ اسے انا کا مسئلہ بنالیا جائے۔ اگر آپ نہ آتے تو مجھے ٹیکسی سے ہی جانا تھا۔" وہ یونہی دھیرے لہجے میں گویا ہوئی۔

"بات انا کی نہیں بات دل کی ہے اور میرے دل نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تم اکیلی جاؤ۔" اس سے بحث کرنے میں شاید اسے مزہ آتا تھا۔

"تو پھر یوں کریں کہ جتنی بھی Female ٹیکسی میں سفر کر رہی ہیں سب کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں لاد لیں۔" وہ جھلا کر بولی تو گاڑی عمیر حسن کے قہقہے سے گونج اٹھی۔

"پھر تو مجھے کار کی بجائے ٹرک خریدنا لینا چاہیے۔" وہ کچھ اس انداز سے بولا کہ نا چاہتے ہوئے بھی میرب کی ہنسی نکل گئی۔

"ٹرک بھی برا نہیں ہے۔" وہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

"چلئے جی یہ فرمائش بھی سر آنکھوں پر بشرطیکہ طیکہ فرنٹ سیٹ پر تم بیٹھو۔" اس نے لہجے میں شرارت کا عنصر نمایاں تھا۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہے۔" اس نے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

"خوش قسمت ہیں ورنہ ادھر تو دماغ کے ساتھ ساتھ خانہ خراب دل بھی جواب دے گیا ہے دل بھی اپنا نہیں ہے۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"میرا خیال ہے اے سی کی کولنگ ہی کافی ہے۔" میرب کا اشارہ اس کی ٹھنڈی آہوں کی طرف وہ سمجھ کے مسکرا دیا۔

"ویسے سنگ دل اور پتھر دل لوگوں کے بارے میں صرف سنا تھا آج دیکھ بھی لیا۔" ایک مسکراتی ہوئی نگاہ اس پر ڈال وہ گویا ہوا۔

"کیا آ.....آ۔" وہ احتجاجا چلائی۔

"ایک انسان دن رات ان دیکھی آگ میں جلے اور اگلے بندے تک اس کی آنچ بھی نہ پہنچے یہ سنگدلی نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟" وہ پورا کا پورا اس کی طرف متوجہ تھا۔ اے سی کی کولنگ کے باوجود میرب کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

"گھر آ گیا....." اسی وقت گاڑی کے بریک لگا۔ وہ اتنی گھبرائی ہوئی تھی۔ کہ وہ فورا ڈور کھول کر باہر نکل گئی۔ برق رفتاری سے گاڑی کا بیک ڈور کھولا ایک شاپر باہر کھینچا اور یہ جا وہ جا۔

"اپنی گھبراہٹ میں وہ نہ تو اسے تھینکس کہہ سکی اور نہ ہی اندر آنے کی دعوت دی فورا گیٹ کھولا اور عذاب سے اندر عمیر مسکرا دیا۔ بڑے جذب کے عالم میں گنگناتے ہوئے وہ گاڑی بیک کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

"کیا بات ہے پارٹنر! کدھر گم ہو؟" مزنہ جو ابھی ابھی اپنی امی سے تازہ ڈانٹ سننے کے بعد رو کے فارغ ہوئی تھی۔ اس کی بات سن کر بھڑک اٹھی۔

"یہ پارٹنر کسے کہا ہے؟"

"ہیں..... تمہارے علاوہ ادھر اور کون ہے۔" رافع یوں دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھنے لگا گویا واقعی کسی کے نہ ہونے کی تصدیق کر رہا ہو۔

"یہ مسخرے پن کے مظاہرے کسی اور کے سامنے جا کر کرو۔ مجھے یہ فضول کے ڈرامے پسند نہیں۔" اس کی حرکت اسے آنکھ نہیں بھائی تھی۔

"اچھا..... تو پھر فضول کی فلمیں پسند ہیں؟" وہ بڑے اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

"کیا مطلب؟" وہ خاک بھی نہ سمجھی۔

"بھی سیدھی سی بات ہے فضول کے ڈرامے نہیں پسند تو پھر فضول کی فلمیں پسند ہوں گی۔" وہ یوں سمجھانے لگا جیسے بڑے تکتے کی بات ہو۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" وہ سمجھ آتے ہی چلائی۔

"تم بھی ساتھ چلو۔" وہ معنی خیزی سے بولا۔

"رافع" پوری قوت سے چلاتے ہوئے وہ دائیں بائیں اسے مارنے کے لیے کچھ تلاشنے لگی۔

"جی.....! سرکار..... حکم۔" وہ بڑی ادا سے کورنش بجالایا۔

"تم....." اس نے دائیں بائیں سے کشن اٹھائے اور اسے دے مارے۔

"کیسی لڑکی ہو ابھی سے گنجا کر دو گی۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا۔

"مزنہ" حسنہ کی آواز پر وہ اس کے ہاتھ ایکدم رک گئے۔

"بری بات ہے بیٹا! وہ بڑا ہے تم سے۔" کشن اس کے ہاتھ سے پکڑ کر ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ بڑے نرم انداز میں گویا ہوئیں۔

"تو اسے بھی سمجھائیں نہ پھپھو! مجھے تنگ مت کیا کرے۔" وہ روہانسی ہو کے بولی۔

"کیوں ہر وقت میری بیٹی کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔" انہوں نے رافع کو ڈپٹا۔

"یہ کام ہی ایسے کرتی ہے۔" اس نے سارا ملبہ اسی پر ڈال دیا۔

"میں تمہیں کیا کہتی ہوں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"یہی تو سارا رونا ہے۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری حسنہ مسکرا دیں۔

"دیکھ لیں پھپھو! اس کو۔" حسب عادت وہ بات کی گہرائی تک نہیں پہنچی تھی۔

"نہ تنگ کیا کرو میری بیٹی کو۔ یہ تو سب سے اچھی بچی ہے میری۔" پھپھو نے نہایت پیار سے اسے اپنے ساتھ لگایا تو وہ رافع کو جتاتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اس اچھی بچی سے کہیں اب بڑی ہو جائے۔ بچوں والی حرکتیں چھوڑ دے۔" وہ اس کی نظروں کے مفہوم کو خاطر میں لائے بغیر بولا۔

"تم کیوں جلتے ہو جل ککڑے۔" اس نے مزہ لیا۔

"میں جل ککڑہ ہوں تو تم کیا ہو جل ککڑی؟ وہ بھی کون سا ہار نے والوں میں سے تھا۔

"چلو بس کو تم تو ابھی تک بچوں کی طرح لڑتے ہو حالانکہ اب اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ کل کو شادیاں ہو جائیں گی اب کچھ عقل سیکھو اور یہ بچپنا چھوڑو۔" انہوں نے دھیمے لب لہجے میں دونوں کو سمجھایا۔

"جی اچھا۔" رافع نے فورا سر جھکا کر سعادت مندی کا اظہار کیا۔

"مزنہ! چلو اب اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔" پھپھو نے کہا تو وہ فورا کھڑی ہو گئی۔

"ساتھ میں قرنچ فرائز بھی بنا لینا۔" رافع نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

اس کی فرمائش پر وہ تلملا کے مڑی تھی کچھ

www.pkdigest.com

کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ پھپھو کو دیکھ کر ضبط کر گئی۔ تاہم سلگتی نگاہوں سے اسے گھورنا نہیں بھولی تھی۔ اس کا ضبط کے مارے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر رافع کے لیے قہقہے کا گلا گھونٹنا مشکل ہو گیا تھا۔ مزنہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکلی تھی۔

"کیا بنے گا تمہارا۔" حسنہ ان دونوں کے تیور دیکھ کر مسکرا دیں۔

☆.....☆.....☆

"Oh! My God" اس نے شاپر میں سے کتابیں نکالیں اور مستنصر حسین تارڑ کے سفرنامے دیکھ کر اچنبھا سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

اس دن افرتفری میں جو بھی شاپر اس کے ہاتھ لگا وہ اسے ہی گھسیٹ کر اندار کی طرف لپکی تھی۔ اب جو دو دن بعد بوقت ضرورت اپنی بکس کو کھول کر دیکھا تو اب اپنی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔

"یہ کیا کر بیٹھی ہوں بیوقوفی میں اب کیا کروں۔" خود پر افسوس کرنے کے بعد وہ اب خود سے ہی مخاطب ہوئی۔

"اوہ یس۔" اس کے ذہن میں جھماکا تو وہ فوراً اٹھ کر ندا آپی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ندا بھابھی کے Cell سے اسے بڑی آسانی سے عمیر کا نمبر مل گیا۔ اس نے اچھی طرح چیک کیا۔ موبائل میموری میں صرف ایک ہی عمیر تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ عمیر حسن ہی ہے ندا بھابھی کا کزن کیونکہ ندا بھابھی اکثر و بیشتر اسے فون کرتی رہتی تھیں۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے عمیر حسن کا نمبر ملایا۔ تیسری بیل پر فون ریسیو کر لیا گیا تھا۔

"اسلام علیکم۔"

"وعلیکم اسلام۔"

"عمیر حسن صاحب.....؟" اس نے بات کے آغاز سے پہلے تصدیق ضروری سمجھی۔

"جی میں عمیر حسن بات کر رہا ہوں۔"

"میں میرب بات کر رہی ہوں کیسے ہیں آپ؟" شکر تھا کہ اس نے صحیح نمبر پریس کیا تھا۔

"الحمدللہ! میں ٹھیک ٹھاک ہوں تم کیسی ہو؟" میرب کی آواز سنتے ہی خود بخود اس کے لہجے میں شیرینی سی گھل گئی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔"

"میں اس دن غلطی سے آپ کی بکس لے آئی تھی اور میری بکس آپ کی گاڑی میں رہ گئی تھیں۔" وہ جلدی سے مطلب کی بات پہ آئی۔

"اوہ..... ہاں..... تو آپ کو یاد آ ہی گیا۔" وہ ہنسا۔

"میں نے تو اسی دن گھر جا کر دیکھ لیا تھا کہ تم غلطی سے میری بکس لے گئی ہو۔"

"اگر دیکھ لیا تھا تو بھی مجھے بتا دیتے۔" وہ فوراً بولی۔

"پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ تم غلطی سے دوسری بکس لے گئی ہو۔ لیکن جب دو دن تک تم نے کوئی رابطہ نہیں کیا تو میں سمجھا کہ تمہیں میری بکس زیادہ پسند آ گئی ہیں۔ لہٰذا اب واپس کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تو بس میں ان پر فاتحہ پڑھ کر اب نئی لینے کا سوچ رہا تھا کیونکہ ندا آپی....."

"جی نہیں۔" وہ فوراً اس کی بات کاٹ کے تیزی سے بولی۔

"میں نے تو اس دن سے بکس کو ہاتھ ہی نہیں لگایا آج ہی نکال کے دیکھی ہیں بلکہ ابھی دیکھی ہیں اور ابھی آپ کو فون کر دیا ہے۔"

"چلو کوئی بات نہیں اگر زیادہ پسند آ گئی ہیں تو رکھ لو۔ میں کون سا واپس مانگ رہا ہوں۔" اس کا انداز صاف چھیڑنے والا تھا۔

"تھینکس میں دوسروں کی چیزوں پر نظر نہیں رکھتی۔" وہ چڑ کے بولی۔

"بات صرف نظر رکھنے کی حد تک ہوتی تو پھر بھی ٹھیک تھا۔ تم تو بڑے دھڑلے سے یوں لے لیتی ہو جیسے ازل سے سب کچھ تمہارا ہی ہو۔" وہ

شرارت سے کہتا اسے مزید چڑانے لگا۔

"حد ہوتی ہے بدگمانی کی بھی میں کیوں دوسروں کی چیزوں پر ہاتھ صاف کرنے لگی۔ بس غلطی سے ایسا ہو گیا۔" اسے واقعی غصہ آ گیا۔

"ہم سے تو کبھی ایسی غلطی نہ ہوئی۔" اس نے جیسے اس کے غصیلے لہجے کا لطف لیا تھا۔

"اب اس میں میرا کیا قصور کہ آپ سے کبھی ایسی غلطی نہیں ہوئی۔" وہ زچ ہو کے بولی۔

"تمہارا ہی تو قصور ہے سارا۔" وہ ہنسا۔

"اگر سمجھو تو....." معنی خیز سا لہجہ۔

"آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" اس نے غصے سے فون ہی بند کر دیا۔

چند سیکنڈ بعد اس کا سیل دوبارہ گنگنا اٹھا۔ اس نے دیکھا اسکرین پر اسی کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے کچھ دیر موبائل کو گھورا پھر قدرے توقف سے اسے آن کیا۔

"سوری یار! میں مذاق کر رہا تھا۔ اگر برا لگا ہو تو سوری۔" وہ چھوٹتے ہی معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ میرب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی۔

"اٹس اوکے۔"

"ناراض ہو گئی ہو؟" عمیر کو تشویش لاحق ہوئی۔

"نہیں تو میں اب اتنی بھی بچی نہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو جاؤں۔" وہ مسکرا دی۔

"تھینکس ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا تم ناراض ہو گئی ہو اچھا اب بتاؤ کب دینے آؤں تمہاری بکس؟ اگر ابھی چاہیں تو ابھی لے آؤں؟"

"نہیں..... آپ کو اگر زیادہ پسند آ گئی ہیں تو آپ رکھ لیں۔" وہ اسی کے انداز میں بولی تو عمیر قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

"میں ایسی بور اور ڈل کتابیں پڑھ چکا ہوں اب تمہاری باری ہے۔"

"خیر اتنی بھی بور اور ڈل نہیں۔" وہ منہ بنا کے بولی۔

"اس کا مطلب ہے تمہاری برتھ ڈے پر تمہیں گفٹ کی جا سکتی ہیں۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" وہ فوراً بولی۔

عمیر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"پھر کیا لوگی اپنی برتھ ڈے پر؟" وہ استفسار کرنے لگا۔

"یہ تو گفٹ دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے لینے والے کی نہیں۔" وہ بولی۔

"میرے پاس تو پھر وہی Accountes اور Finance کے متعلق ہی بکس ہیں۔" وہ ابھی بھی اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"وہ تو آل ریڈی میری ہیں۔ آپ کی نہیں۔" اس نے تردید کرنا از حد ضروری سمجھا۔

"ایک ہی بات ہے تمہاری ہوں یا میری۔ کوئی فرق تھوڑی ہے۔" بلا کا معنی خیز تھا اس کا لہجہ۔

"آپ کل بکس دے جائیے گا میں بھی آپ کی بکس واپس کر دوں گی۔" میرب نے فوراً بات پلٹی عمیر آہستگی سے مسکرا دیا۔

"کب تک بھاگو گی.....؟" ایک دن تو اس موضوع پر آنا ہی ہے۔" اپنے خیالات کو اس نے سوچ تک ہی محدود رکھا تھا۔ فی الحال کہنے سے گریز ہی کیا تھا کہ وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھا اور وہ خود بھی نیا نیا پاکستان سیٹل ہوا تھا اور کچھ میرب بھی ابھی پڑھ رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کسی دن فرصت سے ندا آپی سے اس حوالے سے بات کرے گا۔

"او کے ٹھیک ہے۔" وہ بلا تامل راضی ہو گیا۔

سیل فون آف کر کے اس نے سائیڈ پر رکھا تو ذہن خود بخود اس شخص کی باتوں کی طرف چلا گیا۔

یہ نہیں تھا کہ اسے اپنی زندگی میں کبھی مردوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ بس اس نے اس ج

پر کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ زندگی یوں بڑے آرام اور سکون سے گزر رہی تھی۔

حالانکہ اس کے اپنے کزن اس کے ہم عمر تھے اور نبیل بھائی کے لیے تو شاید گھر والوں کی بھی رضا شامل تھی۔ لیکن اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کو یہ مقام ہی نہیں دیا تھا۔ ایسا موڑ تو ابھی آیا ہی نہ تھا اور شاید نہ ہی آتا اگر عمیر حسن یوں پیش رفت نہ کرتا۔

وہ ایک اچھا کھلاڑی اور ہینڈسم لڑکا تھا۔ یقیناً کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا اور وہ کسی میرب بھی ہو سکتی تھی۔ فی الحال وہ کسی بھی جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن کوئی تھا جو بار بار در دل پر دستک دے کر اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

فائنل سمسٹر بالکل سر پر آن پہنچے تھے۔ ان دنوں تو ہر کوئی مصروف نظر آتا تھا۔ کوئی کتابوں میں گم کوئی نوٹس بنانے میں مصروف اور کچھ ایسے تھے جو چاہتے تھے کہ ان کے چھوٹے ہوئے ٹاپکس جلد از جلد مکمل ہو جائیں اور ان سب ہی میں ایک رباحہ بھی تھی۔ جس کا سارا دن نوٹس رٹنے میں گزر جاتا تھا۔

آج بھی Organic Chemistry کے متعلق کچھ Topics تھے جو تیمور نے اسے لا کر دیئے تھے۔

"آپ اتنے نوٹس کیسے تیار کر لیتے ہیں؟" ایک سرسری سا جائزہ لے کر اس نے نوٹس بے حد احتیاط سے فائل میں لگاتے ہوئے وہ اس سے استفسار کرنے لگی۔

"آج کل تو ہر چیز کے متعلق مواد انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ بس تھوڑا سا دماغ کو استعمال کرنا پڑتا ہے۔ پھر آپ کے پاس ہر چیز کے متعلق Proper information اوپل ایبل ہوگی۔ تم چاہو تم بھی ایسے ہی بلکہ اس سے بھی بہتر نوٹس تیار کر سکتی ہو۔" وہ یقیناً اس کا حوصلہ بڑھانے کو کہہ رہا تھا ورنہ وہ جتنے پانی میں تھی۔ وہ خود بھی اچھی طرح جانتی تھی۔

"میں اس کو ہی یاد کر لوں تو بڑی بات ہے۔" وہ اس کی بات پر مسکرا کر بولی۔ پھر مزید کہنے لگی۔

"میرب بھی یونہی کرتی ہے صرف لائبریری بکس اور لیکچرز پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ نئی سے نئی Website کی تلاش میں رہتی ہے تاکہ جدید معلومات حاصل کر سکے۔ جبکہ میں تو جو مل جائے اسے ہی غنیمت سمجھ لیتی ہوں۔" ان کے درمیان اتنی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ کہ وہ اکثر و بیشتر اسے اپنے گھر کی باتیں بتا دیا کرتی تھی۔ تیمور ہائی دا نیم سب ہی سے واقف تھا۔ البتہ ابھی تک کس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ اسے بے حد شوق تھا ان سب سے ملنے کا۔ جس طرح رباحہ بے حد محبت ان سب کا ذکر کرتی تھی تیمور کو بھی ان پر رشک آنے لگتا تھا۔

"بھئی اگر تم خود ہی سب کچھ کر لیتی تو میں تمہارا ہیلپ کیسے کرتا؟" اس نے بات کو مذاق میں اڑایا۔

"پتہ ہے مجھے سب سے پہلے آپ سے help لینے کا مشورہ میرب نے ہی دیا تھا۔" میرب کے کلمات یاد کر کے رباحہ کے ہونٹوں پر مسکان بکھر گئی۔

"واٹ.....؟" وہ واقعی بے حد حیران ہوا تھا۔ "میرب نے.....؟ لیکن کیوں.....؟ وہ مجھے کیسے جانتی ہے؟" اس کی حیرت بجا تھی۔

"جیسے آپ اسے جانتے ہیں ویسے ہی وہ بھی آپ کو جانتی ہے۔" رباحہ کو اس کے ری ایکشن نے خاصا محظوظ کیا تھا۔

"کیا مطلب.....؟" وہ ابھی بھی نہیں سمجھا تھا۔

"مطلب یہ ہے کہ جس طرح میں آپ کے سامنے اس کا ذکر کرتی ہوں اسی طرح اس کے سامنے آپ کا ذکر بھی کرتی ہوں میں نے آپ کے بارے میں اسے بتایا تو اس نے مجھے کہا کہ تم ان سے help لے لو اسی لیے میں اس آپ کے پاس آئی تھی لیکن کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔" اس نے اب تفصیل سے اسے آگاہ کیا۔

"یہ تو میرے لیے بڑی خوش آئند بات ہے کہ تم اپنے گھر میں میرا ذکر کرتی رہتی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ وہ سب میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟" وہ خوش ہوا اور بڑے اشتیاق سے دریافت کرنے لگا۔

"نہیں میں سب کے سامنے تو نہیں کرتی۔ بس دو چار دفعہ میرب کو بتایا تھا اور مزنہ کو کہ آپ بہت اچھے ہیں مجھے بہت اچھے نوٹس بنا کے دیتے ہیں۔" وہ گھبرا کر جلدی جلدی وضاحت کرنے لگی۔

"آ..... اچھا چلو باقیوں کو چھوڑو تمہیں تو اچھا لگتا ہوں ناں..... یہی کافی ہے۔" وہ شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تو رباحہ نے شپٹا کر نگاہیں جھکا لیں۔

"میرا خیال ہے اب چلیں کافی ٹائم ہو گیا ہے۔" وہ بات کا رخ موڑ گئی۔

"خیر ابھی اتنا بھی ٹائم نہیں ہوا۔ ویسے بھی یہ چار دن ہیں فائنل سمسٹرز ہیں پھر پتہ نہیں کون کہاں ہوگا۔" اس کے پاس اٹھنے کو تیمور کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"جی جناب! اور یہی چار دن محنت کے ہیں۔ اگر انہیں بھی نمی مذاق میں اڑا دیا تو پھر اگلا سال بھی ادھر ہی گزارنا پڑے گا۔" وہ بڑے مدبرانہ پن سے بولی۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے ایسا کرتے ہیں فیل ہو جاتے ہیں پھر ایک سال اور مل جائے گا۔" تیمور یوں جوش و خروش سے بولا جیسے بہت بڑا آئیڈیا اس کے ذہن میں آیا ہو۔

"آئے..... ہائے..... اللہ نہ کرے میرا تو پہلے ہی سب ریکارڈ لگاتے ہیں۔ بمشکل کھینچ تان کے ہی سہی پر پاس تو ہوتی رہی ہوں فیل تو نہیں ہوئی کبھی اللہ کے فضل سے اس سال اگر ہو گئی ناں تو خیر نہیں امی جان نے تو ویسے ہی قیمہ بنا دینا ہے۔" وہ دہل کر بولی۔

"آہ..... ہاہ..... دل آیا بھی تو کس بیوقوف پر۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"مجھے کچھ کہا آپ نے.....؟" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کہہ بھی دیا تو کیا فائدہ.....؟ تمہیں کون سا سمجھ آ جانی ہے۔" پتہ نہیں اب وہ اسے چڑا رہا تھا یا واقعی صحیح کہہ رہا تھا۔

"ہاں۔" وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

"چلو چھوڑو پھر کبھی سہی فی الحال ایگزمز کی تیاری کرو۔ پہلے ایک امتحان تو دے لو۔" اس کی متوقع حالت کے پیش نظر وہ بات گول کر گیا۔

"میں ایک امتحان ہی دوں گی انشاء اللہ! کیونکہ میرا فیل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہاں آپ چاہیں تو جتنے مرضی دیں۔" اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ اسی لیے کندھے اچکا کے بولی۔ ساتھ ہی اپنا بیگ اور فائل اٹھا کے کھڑی ہو گئی۔

"کب تک فرار حاصل کرو گی رباحہ ڈیئر! بس ایگزمز ہونے دو ایک دفعہ۔" بڑبڑاتا ہوا وہ بھی اس کی تقلید میں کھڑا ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

ندا بھابھی کی برتھ ڈے کا فنکشن انہوں نے مل کر ہی ارینج کیا تھا اور کوئی بڑے پیمانے پر نہیں تھا بس سب فیملی کے افراد ہی تھے۔ یا عمیر حسن اور ندا بھابھی کی بہنیں تھیں۔ ان سب نے مل کر خوب ہلا گلا مچایا ہوا تھا۔ حالانکہ ندا بھابھی قطعی اس حق میں نہ تھیں اور انہوں نے اس پروگرام کی بے حد تردید بھی کی تھی۔ لیکن ان سب کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔

گھر میں ہی ان سب نے مل کر کچھ ڈشز کا اہتمام کر لیا تھا۔ کچھ بیکری وغیرہ کا سامان نبیل بھائی نے بازار سے منگوا لیا تھا۔ یوں ان سب کی خوب محفل جمی تھی۔

"کیا سرد سا ماحول تو مجھے ذرا بھی سیٹ نہیں کرتا کچھ گرما گرم ہونا چاہیے۔" وہ سب بڑے مہذب انداز میں خوش گپیاں لگا رہے تھے اور رافع کی بے چین فطرت کو کسی طور پر گوارا نہیں تھا۔ اسی لیے سب سے پہلے اسی کی زبان میں کھجلی میں ہوئی تھی۔

"چائے بناؤں میں۔" حزنہ نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے بھی جان بوجھ کے لطیف سا طنز کیا تھا۔

"چائے نہیں کافی لے آؤ۔ بلکہ یوں کر بلیک کافی بغیر شگر کے۔" مقابل بھی رافع تھا۔ جو پہلے ہی حزنہ سے محاذ آرائی کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔

"کسے ہر وقت نشانہ بنائے رکھتے ہو تم خود کہاں کے پرنس چارلس ہو۔" میرب فوراً اس کی حمایت کے لیے میدان میں کودی۔

"میری اماں جان سے پوچھ کر دیکھو۔" اس نے فرضی کالر اکڑاتے ایسی بڑک دو اچی۔ "اماں جان۔" کی غیر موجودگی میں ہی مار سکتا تھا اور یہ سب وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

"ضرور بچی! کہو تو ابھی بلا کے پوچھ لوں تاکہ سب کے سامنے آپ کا "سواگت" ہو جائے اور دل نامراد کی حسرت بھی پوری ہو جائے۔" عذیر نے فوراً اسے آئینہ دکھایا۔

"کون ہے..... تو میرا دوست ہے یا دشمن.....؟" اس نے خونخوار نظروں سے عذیر کو گھورا۔

"ففٹی ففٹی۔" عذیر بھی ایک نمبر کمینہ تھا۔

"بڑا ذلیل ہے۔" رافع نے ملامتی نظروں سے گھورا مگر وہ ڈھیٹ دانت نکالتا رہا۔

"بس..... بس آج لڑنے کا دن نہیں ہے۔" رباحہ نے دخل اندازی کی۔

"تو کیا پڑھنے کا دن ہے؟" اس نے روئے سخن اب رباحہ کی طرف کیا۔

"خود ہی تو کہہ رہے تھے کچھ گرما گرم تو اب کچھ اچھا سا سناؤ۔" اب کی دفعہ عمیر حسن نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"میں سناؤں.....؟" اس نے آنکھیں پھیلائیں۔

"آپ لوگ سناؤ۔" ادھر کی شان بے نیازی کمال کی تھی۔

"نہ بھئی نہ..... تم نے کہا تھا لہٰذا اب تم ہی سناؤ گے۔" نبیل بھائی نے بھی اصرار کیا۔ پھر تو سب ہی اس کے سر ہو گئے اور تو اور نِدا بھابھی نے بھی کہا تو اسے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑے۔

چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد وہ دھیمے لہجے میں بولنا شروع ہوا تو گویا وہاں پر موجود سب افراد کو ہی سانپ سونگھ گیا۔

"تیرے سوا"

نہیں اور کچھ بھی تیرے سوا

میرا پیار
میری زندگی
میری خاموشی
میری بے بسی
میرا ظرف بھی
میرا نام بھی
کہ میری صبح
میری شام بھی
کہ جو مل سکیں میرے دام بھی
وہ بھی کچھ تجھے عطا کرے
میرے چارہ گر!
تو یقین تو کر
مجھے مانگنا تو نہ آ سکا
میں نے پھر بھی مانگی یہی دعا
کہ گواہی دے گا میرا خدا
میں نے جب بھی اس سے طلب کیا
نہیں مانگا کچھ بھی
تیرے سوا

"واہ..... زبردست۔" ان سب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ انہیں ہرگز امید نہیں تھی کہ بظاہر اتنا اوٹ پٹانگ نظر آنے والا رافع اتنے لطیف جذبات رکھتا ہوگا۔

"یقین نہیں آرہا ہے رافع! تمہارا ذوق ایسا بھی ہو سکتا ہے۔" میرب تو بول ہی اٹھی۔

"تم سب کا "ذوق" تو مر گیا "دلی" میں مجھے بھی اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے۔" وہ واپس اپنی جون میں پلٹ چکا تھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" عذیر کی نام نہاد انا بھڑکی۔

"تم بھی اتر آؤ میدان میں۔" اس نے سینہ ٹھونک کے چیلنج کیا۔

"میں میدان میں اتر آیا تو تمہاری ویلیو ڈاؤن ہو جائے گی۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولا۔ تو ان سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس کی ویلیو Up کب تھی جو down ہو گئی؟" حزنہ کے لیے بھی زیادہ دیر خاموش بیٹھنا محال تھا۔

"تم اپنی سناؤ نہ تین میں نہ تیرہ میں۔" وہ بلبلا کے اس کی طرف پلٹا۔

"بھئی اصل بات تو پھر وہیں رہ گئی۔" ندا بھابھی نے انہیں مزید لڑائی سے روکا۔

"ہاں تو کون اترے گا اب میدان میں۔" رافع نے باری باری سب کو دیکھا۔ وہ سب تو اس معاملے میں صفر تھے لہٰذا بغلیں جھانکنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

"چ..... چ..... چ لگتا ہے سب کو رے ہو۔" رافع کو تو موقع کو مل گیا تھا سینہ پھلانے کا۔

"ہائے میرب! دیکھو اس ذلیل کو کیسے اکڑ رہا ہے۔ تم ہی کچھ سناؤ۔" حزنہ کو گویا آگ لگی ہوئی تو اس کے کان میں گھسی۔

"حزنہ صحیح کہہ رہی ہے۔" رباحہ نے بھی اس کی اکڑ دیکھ کے دانت پیسے اور اس کا طنطنہ ختم کرنے کے لیے میرب کو بالآخر میدان میں اترنا ہی پڑا۔

"زیادہ رعب جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے ہم ایسے بھی بدذوق نہیں ہیں۔" میرب دانت کچکچا کے بولی۔

"ارے واہ۔ اندھا کیا جانے بسنت بہار....." اس نے مذاق اڑایا۔

"اس بے تکے محاورے کا مقصد.....؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"تم خود کو سمجھتے کیا ہو.....؟" حزنہ بھلا اس کار خیر میں کیوں نہ حصہ لیتی۔

"تمہارا....." اس نے کچھ کہنے کہتے زبان دانتوں تلے دبالی۔

"بھائی....." عمیر نے بے ساختہ کہا تو محفل زعفران بن گئی۔

"آئی تھنک میرب کچھ سنانا چاہ رہی تھی۔" عمیر نے دوبارہ ان سب کی توجہ میرب کی طرف مبذول کروائی۔

"ہاں..... ہاں....." وہ گڑبڑا گئی اس کا ذوق کچھ ایسا اعلیٰ بھی نہیں تھا۔ رباحہ اور حزنہ کی باتوں میں آ کر وہ کہہ تو گئی تھی مگر اب.....

"اب پھوٹ بھی پڑو۔" رباحہ نے کہنی اس کی کمر میں کھبوئی۔ تو وہ ذہن کی ڈکشنری کھنگالنے لگی۔ بالآخر ایک بھولی بسری نظم اسے یاد آہی گئی۔

بہت ہی مان ہے تم پر
سنو! پاس وفا رکھنا
کبھی سے تم طوفان
ذرا سا فاصلہ رکھنا

بچھڑنا بھی تو پڑتا ہے
ذرا سا حوصلہ رکھنا
وہ سارے وصل کے لمحے
تم آنکھوں میں سجا رکھنا
ابھی امکان باقی ہے
ابھی لب پہ دعا رکھنا
بہت نایاب ہیں دیکھو
ہمیں سب سے جدا رکھنا

"واہ۔ واہ۔ واہ۔" ان سب نے ہی بہت داد دی تھی اور سب سے آگے خود رافع ہی تھا۔

"چلو لڑکیو! اب پھیلاوا سمیٹو یہاں سے۔" ندات نے اندر آکر آرڈر دیا تو وہ سب مستعدی سے کھڑی ہو گئیں اور یوں ان کی محفل برخاست ہوئی۔

"نایاب تو تم واقعی بہت ہو اسی لیے تو سب سے الگ تھلگ جگہ پر رکھا ہوا ہے۔" وہ ندا بھابھی کی بہنوں کو الوداع کہہ رہی تھی جب اس کے دائیں پہلو سے نہایت گھمبیر سی آواز ابھری۔

وہ بے ساختہ گڑبڑا کر دو چار قدم پیچھے ہٹی۔

"پہلے میرا خیال تھا تمہاری اسٹڈی کمپلیٹ ہونے تک ویٹ کرلوں بٹ اب تو ایسا ہونا خاصا مشکل لگ رہا ہے۔" بوتل گرین لباس میں ملبوس وہ سیدھی اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ میرب کے لیے تو نگاہیں اوپر اٹھانا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ بس زمین کو ہی گھورے جا رہی تھی۔

"میں جلدی ندا آپی سے بات کر کے ماما کو لے کر آؤں گا ویٹ کرنا۔" اس کے جگمگاتے چہرے پر آخری نظر ڈال کے وہ دھیمی مسکراہٹ سمیت بولا اور آگے بڑھ گیا۔

میرب کے یہاں وہاں ہر طرف روشنی پھیل رہی تھی۔

"آہم..... آہم..... وہ جا چکے ہیں میڈم So come back" رباحہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ جھینپ گئی۔ اپنی خجالت مٹانے کو اس نے اسی کی کمر پہ دھموکا جڑ دیا۔

"آہ....." وہ کراہی پھر بھی جاتے جاتے اس کا ان میں گنگنا گئی۔

میتوں رب دی سو تیرے نال پیار گیا وے
چنا
بچی
پگی

☆.....☆.....☆

احساس کے دریا سے وہ نکلنے نہیں دیتا
وہ ٹوٹ کے مجھ کو بکھرنے نہیں دیتا
خوش ہوں اس بات سے کہ میں اس کے لیے ہوں
کسی اور کا مجھ کو وہ ہونے نہیں دیتا
وہ آخری پیپر دے کر

Eaxamination hall سے باہر نکلی تو خاصی مسرور تھی۔

"شکر ہے اب اس پڑھائی سے تو جان چھوٹی۔" وہ نہایت سرشاری کی کیفیت میں خود سے مخاطب تھی۔

"لیکن ابھی تھیسس تو کمپلیٹ کرنا ہے وہ بھی کسی سر درد سے کم نہیں۔" تیمور خان عنابا اسی کے انتظار میں تھا۔ اس کے باہر نکلتے ہی وہ اس کے ہمقدم ہو گیا۔ رباحہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرا دی۔

"وہ بھی کمپلیٹ ہو جائے گا اس کی اتنی ٹینشن نہیں جتنی پیپرز کی تھی۔" اس کا ساتھ چلنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

"اور تمہارے گھر میں سب کیسے ہیں؟" وہ ایکدم ہی بات پلٹ کے پوچھنے لگا۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"پھر دوسرے امتحان کے لیے تیار ہو جاؤ؟" وہ چلتے چلتے ایکدم رک گیا تو رباحہ کو بھی رکنا پڑا۔

"ایں....." وہ اس کا سوال خاک بھی سمجھی۔

"ایک تو نہ تم بھی..... لگتا ہے بعد میں

تمہیں ہر بات سمجھانا پڑے گی۔" اس نے سخت متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ ابھی بھی نہیں سمجھی تھی اسی لیے پوری آنکھیں پھیلائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم جیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے مجھے دیکھ رہی ہو اس سے اردگرد کے لوگ مشکوک ہو رہے ہیں۔" ان نے اردگرد کے ماحول کی طرف اس کی توجہ مبذول کروائی تو وہ خجل سی ہو کر آہستہ قدموں سے چلنے لگی۔

"اگلے چھٹی میں اپنی فیملی کو تمہاری طرف بھیجنا چاہ رہا ہوں۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو..... میں تو کب سے بھیجنا چاہ رہا لیکن تمہارے ایگزمز کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ گویا ہوا تھا۔

"جی۔ ای۔ ای۔" اب کی دفعہ اسے واقعی حیرت کا اتنا شدید جھٹکا لگا تھا کہ وہ بے ساختہ رک گئی۔

"میں تم سے ایک دفعہ پوچھنا چاہ رہا تھا۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا جہاں اب تو قوس قزح کی طرح رنگ بکھل رہے تھے۔

پتہ نہیں ایکدم اسے ڈھیروں ڈھیر شرم کہاں سے آ گئی تھی۔ اس وقت تو اس میں اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ سر اٹھا کے اسے کوئی جواب ہی دے سکتی۔ بمشکل خود کو چلنے پر آمادہ کرتی وہ آہستگی سے چلنے لگی۔

"ویسے خاموشی بھی رضامندی ہوا کرتی ہے۔" اس کے چہرے پر پھیلتے رنگوں نے تیمور خان کو جہاں بے پناہ سکون بخشا تھا وہیں وہ شوخ بھی ہوا تھا۔

"پھر کب بھیجوں میں.....؟" وہ اب یونیورسٹی کا گیٹ کراس کر رہے تھے۔ اسی لیے وہ جلدی سے پوچھنے لگا۔

"جب مرضی۔" وہ بمشکل دو لفظ کہہ پائی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا وہ تیزی سے اپنے پوائنٹ کی طرف بڑھ گئی۔ اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی تاکہ جلد یہ خبر میرب اور حزنہ کو سنا سکے۔

اور پھر ہوا بھی یہی تھا اپنے کمرے میں پہنچتے ہی اس نے "وہ" دھماکہ خیز خبر سنائی تھی۔ وہ دونوں ایک لمحے کو تو ساکت ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے میرب کا سکتہ ٹوٹا تھا۔

"منتیر الو کی دم، گھی میسنی، چالاکو ماسی" اس کے ہاتھ اور زبان دونوں ایک رفتار سے چل رہے تھے۔

"کنجوس، ظالم، خرانٹ، دو نمبر" حزنہ پیچھے رہ جاتی یہ بھلا کہاں لکھا تھا۔

"ہائے..... میری کمر ٹوٹ گئی مر جاؤ اللہ کرے..... ! ساری عمر یاد کو کوئی تمہیں حسرت لگائے والے تکیں تمہارے چہروں پر سات سات گلو کے۔" وہ اپنے دو ہاتھوں سے ان چار ہاتھوں کا مقابلہ تو نہیں کر سکتی تھی البتہ زبان خوب فرائے بھر رہی تھی۔

"تمہاری یہ خوبصورت لینگویج وہ تمہارا ہیرو سن لے تو کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا دم دبا کے بھاگ جائے۔" میرب اسے اچھی طرح پیٹنے کے بعد اب بیڈ پر جا کے بیٹھ گئی تھی۔

"اور دوبارہ بھی اس کوچہ جاناں میں قدم رنجہ نہ فرمائے۔" حزنہ نے اسے آخری دھموکے سے نوازنے کے بعد میرب کے برابر بیٹھتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

"ہائے مار ڈالا ظالمو تم تو یہی چاہتی ہو۔ پر یہ تو سوچو کہ میں تم سے بڑی ہوں۔ میں یہاں سے کھسکوں گی تو تمہارا نمبر آئے گا۔" رباحہ نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے جیسے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

"ہاں یہ کام کی بات ہے جو تم نے سب سے آخر میں اگلی ہے۔" ان دونوں کی عقل میں شاید یہ بات آ گئی تھی۔

"تو بس پھر دعائیں دو مجھے جو تمہارے لیے اتنا درد مند دل رکھتی ہے۔" وہ اب جتاتی ہوئی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"خیر دعائیں تو تب دیں گے جب تم واقعی یہاں سے دفعان ہو جاؤ گی اپنی اتری ہوئی سڑی بسی بوتھی لے کر۔" میرب نے کہا تو وہ فقط خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی اور صرف اسے گھورنے پر اکتفا کیا۔ کیونکہ فی الحال وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ ان کا کوئی پتہ نہ تھا پھر اسے پہلے کی طرح دھنک کی رکھ دیتیں۔

☆......☆......☆

تیمور خان تو اتنا جلد باز تھا کہ دوسرے دن ہی اپنی فیملی کو لے کر آن دھمکا۔ رباحہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسے اتنی جلد بازی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

تیمور کی والدہ اور بڑی بہن ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں۔ جبکہ تیمور اپنے والد سمیت دوسرے ڈرائنگ روم میں تھا۔ مرد حضرات کے پاس ان کی فیملی میں یوں غیروں کا اپنی خواتین کے سامنے بیٹھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

تیمور کی والدہ خالدہ بیگم کی جائزہ نظروں نے پورے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا تھا اور آنے والی خواتین کے لباس اور زیور کو دیکھ کر اندازہ ہوا تھا کہ بیٹے نے کلاس تو اچھی ڈھونڈی ہے۔ ان کی اولاد کے لاکھ سمجھانے کے باوجود ان یک طبیعت کا لالچی پن نہیں گیا تھا۔

باتوں ہی باتوں میں انہوں نے ان کے خاندان کی پوری ہسٹری معلوم کر لی تھی۔ اسی وقت رباحہ اندر داخل ہوئی تھی۔ جس کے پیچھے میرب بھی تھی۔ دونوں نے مشترکہ طور پر سلام کیا۔

"یہ میری بچی رباحہ ہے اور یہ میرب ہے۔" ندرت نے ان دونوں کا تعارف کروایا۔

"ماشاء اللہ! بڑی پیاری بچیاں ہیں اللہ! نظر نے سے محفوظ رکھے۔" وہ بڑے مٹھاس بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

رباحہ تو بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔ جبکہ میرب بڑے اعتماد سے بیٹھی تھی۔ تیمور کی بہن نادیہ ان کی پڑھائی اور مشاغل وغیرہ کے بارے میں پوچھنے لگی۔

خالدہ بیگم نے غیر ارادی طور پر دونوں کا موازنہ کیا تھا۔ میرب، رباحہ کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت اور کم عمر تھی۔ ویسے بھی اکلوتی اولاد تھی۔ حسنہ کا سارا کچھ اسی کے نام ہوتا تھا۔ پھر MBA بھی کر رہی تھی کل کو اچھی نوکری مل گئی تو بھی انہی کا فائدہ ہوتا تھا۔ جہیز بھی رباحہ کی نسبت زیادہ لائے گی۔ آخر ماموؤں کی اکلوتی، لاڈلی بھانجی ہے ان کی لالچی فطرت بار بار سر اٹھا رہی تھی۔

"لیکن تیمور نے تو رباحہ کے لیے کہا تھا۔" انہیں قدرے پریشانی ہوئی۔

"تو پھر کیا ہے میں رباحہ کی بجائے میرب کا نام لے دوں گی۔ جب وہ اسے دیکھے گا تو خود ہی میری پسند کی داد دے گا اور پھر میں تو اس کے مستقبل کا بھی سوچ رہی ہوں یہ ندرت بتا رہی تھی کہ ان کی فیکٹری میں میرب کے نام کے شیئرز الگ ہیں۔ وہ بھی کل کو تیمور کے ہی کام آئیں گے۔" دل انہیں ہر طرح کی دلیل دے کر اپنے موقف پر ڈٹا رہنے کی تلقین کر رہا تھا اور پھر بالآخر انہوں نے فیصلہ کر ہی لیا۔

انہوں نے اپنے میٹھے لہجے اور بظاہر انکسار اور عاجزانہ انداز سے ان سب کو متاثر کرنے کی بھرپور سعی کی تھی اور پھر تیمور بھی وجیہہ اور ایجوکیٹڈ لڑکا تھا۔ جو ان سب کو بھی بہت پسند آیا تھا۔

"بس بہن جی! ہمیں تو آپ کی میرب بہت ہی پسند آئی ہے۔ ماشاء اللہ بہت نیک اور

شریف بچی ہے مجھے ایسی ہی بچی اپنے تیمور کے لیے چاہیے۔" میرب اور رباحہ کے کمرے سے نکلتے ہی وہ ندرت اور حسنہ سے مخاطب ہوئیں۔ عائشہ بیگم بھی وہیں موجود تھیں۔ رباحہ کی بجائے میرب کا نام لینے پر نادیہ نے چونک کر اپنی ماں کو دیکھا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں اشارہ بھی کیا تھا۔ جیسے انہوں نے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

"آپ جیسے چاہیں تیمور کے بارے میں تسلی کروائیں۔ اچھی طرح سوچ سمجھ کے جواب دیں۔ یہ بیٹیوں کے فیصلے ہیں اللہ سب کے مقدر اچھے کرے۔ بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔" وہ بڑے رقت آمیز دردمندانہ لہجے میں بولیں۔ یہ بھی خود کو رحم دل ظاہر کرنے کا ایک انداز تھا۔

"ہم مشورہ کر کے آپ کو کوئی جواب دیں گے۔ ویسے تیمور ماشاء اللہ اچھا لڑکا ہے۔" حسنہ بیگم نے متانت سے کہا اور یہی بات خالدہ بیگم کا حوصلہ بڑھا گئی۔

"یار......! تیری ساس تو بڑی اچھی خاتون لگ رہی تھی۔" رات کو وہ تینوں اپنے کمرے میں بیٹھیں اصل صورت حال سے بے خبر تبصرہ کر رہی تھیں۔ میرب نے کہا تو رباحہ نے جھینپتے ہوئے اسے گھوری ڈالی۔

"فی الحال وہ میری ساس نہیں ہے۔"

"مستقبل قریب میں تو ہے۔" مزنہ فوراً بولی۔

"ویسے کچھ سن گن ملی......؟ بڑوں کے درمیان کیا فیصلہ ہوا؟" رباحہ کو فکر لاحق ہوئی۔

"تیمور بھائی مشترکہ طور پر سب کو بہت پسند آئے ہیں۔ بس اتنا پتہ چلا ہے تایا ابو کہہ رہے تھے کہ وہ لڑکے کے بارے میں ایک دو دن میں معلومات حاصل کر کے پھر انہیں کوئی جواب دیں گے۔" مزنہ نے بتایا تو رباحہ کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بج گئی۔

"دیکھو اس کمینی کو کیسے باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔ ابھی یہ حال ہے شادی پر تو لگتا ہے مسکراہٹ کانوں تک پھیل جائے گی۔" میرب نے فوراً اس کی کمر پر دھموکا جڑا۔

"کیا پتہ اسی طرح کسی ٹوتھ پیسٹ کے اشتہار میں چانس لگ جائے کریڈٹ تو سارا تیمور بھائی کو جائے گا۔" مزنہ جھٹ بولی۔

"جلتی رہنا جل ککڑیو۔" رباحہ نے جھٹ پھاڑ قہقہہ لگایا لیکن پھر ان دونوں کے عتاب سے بچ نہ سکی تھی۔

☆......☆......☆

اور پھر جس کسی نے بھی سنا اسے یقین نہ آیا۔

میرب اور تیمور......؟

تیمور اور میرب......؟

رباحہ کو اپنا دماغ بھک سے اڑتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ جبکہ میرب کے قدموں تلے سے زمین کھسکی تھی۔ مزنہ نے نہایت بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھا تھا جیسے پوچھ رہی ہو۔ "یہ کب ہوا اور کیونکر ہوا؟"

ابھی ابھی تو عائشہ مامی نے اسے بتایا تھا کہ تیمور ہر لحاظ سے اچھا لڑکا ہے فاروق ماموں نے پوری چھان بین کروائی ہے۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہی تھی۔ لیکن جب انہوں نے آخر میں اس کا نام لیا تو وہ بھونچکی رہ گئی۔

"میں نے تو حسنہ سے کہا تھا کہ ایک دفعہ میرب سے پوچھ لو اس کا تیمور کے بارے میں کیا خیال ہے حسنہ نے کہا کہ میں نے پوچھا ہے وہ بہت اچھی رائے رکھتی ہے۔ ویسے بھی تیمور شکل سے ہی سلجھا ہوا لڑکا لگتا ہے۔" وہ تو اور بھی پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہی تھیں اس کا دماغ ہی سائیں سائیں کر رہا تھا۔

امی نے اس سے پوچھا ضرور تھا کہ تیمور کیسا

لڑکا لگا ہے تمہیں؟ اور اس وقت تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کس حوالے سے پوچھ رہی ہیں۔ اس کے ذہن میں تو رباحہ ہی تھی۔ اگرچہ اس نے تیمور کے ساتھ کوئی گپ شپ نہیں لگائی تھی لیکن مختصری سلام دعا ہوئی تھی واپسی کے وقت اور وہ بھی وہ رباحہ کے پرزور اصرار پر گئی تھی ان کو الوداع کہنے۔

"مائی گاڈ! یہ کیا ہوگا..... یہ کیا ہوگا.....؟"

عائشہ مامی کے جاتے ہی وہ اپنا سر پکڑ کے بیٹھ گئی آنکھوں کے سامنے بار بار رباحہ کا بے یقین چہرہ آرہا تھا۔

"پہلے میرا خیال تھا تمہاری اسٹڈی کمپلیٹ ہونے تک ویٹ کرلوں بٹ اب تو ایسا ہونا خاصا مشکل لگ رہا ہے۔" کسی کا شوخ لہجہ اس کی سماعت میں گونجا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"میں جلد ہی ندا آپی سے بات کرکے ماما کو لے کر آؤں گا۔ ویٹ کرنا۔" کچھ کہتی بولتی نگاہیں میرب کو لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔

ابھی تو اس کی آنکھوں نے خواب دیکھنا شروع کیے تھے۔ یہ ابھی سے کیا ہوگا؟

"تقدیر اتنی بے رحم ہرگز نہیں ہو سکتی۔" وہ مچل کے کھڑی ہوگئی۔

"یقیناً ایسی ہی حالت رباحہ کی بھی ہوگی۔ وہ بھی تو تیمور کو..... اور تیمور مجھے کس طرح..... آخر اس نے یہ سوچ بھی کیسے لیا.....؟ اور عمیر حسن وہ کیا کرے گا؟ میں کیسے اس کا سامنا کر پاؤں گی؟" سوال اتنے تھے کہ اس کا دماغ پھٹنے لگا۔

اس کی تو حالت اتنی عجیب ہو رہی تھی وہ تو خود کو اس قابل نہیں پا رہی تھی کہ رباحہ سے نظریں ہی ملا سکے۔

"یا اللہ! ہمارے حق میں بہترین فیصلے فرمانا۔" اس کے دل نے پوری شدت سے دعا مانگی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی لوٹ آئے تو نہ پوچھنا
بس دیکھنا انہیں غور سے
جنہیں راستے میں خبر ہوئی
کہ یہ راستہ کوئی اور تھا

پتہ نہیں کتنے دن یونہی بے کیف، خود سے نظریں چراتے، کراتے گزر گئے۔ تیمور خان کے لیے سب نے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور شاید یہ اظہار ادھر تک بھی پہنچ گیا تھا میرب کا جی چاہتا تھا چیخ چیخ کے سب کو بتائے کہ سب غلط ہے۔ لیکن ایک طرف تو اس کی ماں تھیں۔ جنہوں نے سب کے درمیان بڑے مان سے کہا تھا کہ ان کی بیٹی ان کی بڑی فرمانبردار ہے اسے اپنی ماں کا ہر فیصلہ قبول ہے۔ جبکہ دوسری طرف رباحہ تھی جس کی متورم آنکھیں اداس چہرہ سارا دن اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہتا۔

اور ایک طرف اس کا دل تھا۔ جس میں عمیر حسن کی آوازیں تھیں۔ لیکن دل تو بیچارہ کسی کھاتے شمار میں ہی نہیں تھا۔ وہ تو ہر طرف سے پس رہی تھی۔ روز پل صراط سے گزرتی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کیا کرے کیا نہ کرے۔ بس سارا دن اس کا اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہی گزر جاتا تھا۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں میرب!" وہ دھاڑتا ہوا اس کے سر پر پہنچا تھا۔ یونیورسٹی آورز ختم ہونے والے تھے وہ لائبریری میں بیٹھی یونہی خالی ذہنی سے کتاب کے اوراق پلٹ رہی تھی جب عمیر تن فن کرتا اس تک پہنچا تھا۔

"تو قیامت کی گھڑی آن پہنچی۔" اس کا نازک ساحل دل لڑکھڑ رہا تھا۔

"تم اتنی کٹھور کیسے ہو سکتی ہو میرب؟" وہ شکستہ سا اس کے سامنے چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گیا۔ شکر تھا کہ وہ اس وقت الگ تھلگ ایک کارنر میں بیٹھی تھی۔

"بتاؤ کس کے کہنے پر یہ سب کر رہی ہو؟"

وہ چپ چاپ بیٹھا دیکھ کر وہ تیز لہجے میں بولا۔

"میں کیوں کسی کی کہنے میں آؤں گی۔" اس نے لہجے کو نارمل رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"میں نے تمہیں کیا تھا میں چند دنوں تک ماما کو لے کر آؤں گا۔ میں ایک ضروری کام سے کہیں گیا ہوا تھا۔ آج ہی لوٹا ہوں۔ ماما تو اسی دن سے تیار ہیں۔ مجھے کیا پتہ تھا میری چند دن کی غیر حاضری یہ رنگ لائے گی۔" وہ بہت ٹوٹا اور بکھرا ہوا لگ رہا تھا میرب کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"میں نے کچھ دیر پہلے زرا آپی کی خیریت پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔ تو انہوں نے بتایا مجھ سے صبر نہ ہوا تو فوراً ادھر چلا آیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے میرب.....؟ مجھے کچھ نہیں آرہا؟" وہ شکستہ لہجے میں بولی۔ میرب ہنوز خاموشی سے میز کی سطح کو گھور رہی تھی۔

"تم خوش ہو اس رشتے سے.....؟" اس نے چبھتا ہوا سوال کیا۔ میرب کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

وہ خاموشی ہی بتانے کو بھا بھی کیا۔

آندھیاں تو چلتی ہیں
خشک زرد پتوں کو
شاخ سے اڑانے کی
کوششیں بھی ہوتی ہیں
سازشیں بھی ہوتی ہیں
بخت کے ستارے کو
اک خوشی کے لمحے سے
ضرب دیتے رہنے کی
آرزو بھی ہوتی ہے
ہاں مگر کیا کہیے
کیسی بدنصیبی ہے
سازشوں سے لڑ جانا
پھر بھی سہل ہوتا ہے
بخت کے ستارے کو
اک خوشی کے لمحے سے
ضرب دینا مشکل ہے
بخت سے کون لڑ سکتا تھا؟ بخت سے کون لڑا ہے؟ لڑنے کا فائدہ کیا؟

"میرب.....! کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت تھی یا ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے کیا ہے؟ میں تو اس کے لیے بہت مناسب وقت کے انتظار میں تھا۔ میرب پلیز! ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ۔" پتہ نہیں اس سے اس کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ ہار گئی۔ نہ معلوم خود سے جنگ کرتے کرتے ہار گئی تھی یا اس شخص کے جذبوں سے ہار گئی تھی۔

میز پہ سر ٹکا کے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔

"میرب.....! عمیر اس اچانک ردعمل پر گھبرا گیا۔

"خود کو سنبھالو پلیز۔ اس طرف کوئی بھی آسکتا ہے۔" وہ لجاجت سے بولا۔ اسے خود بھی شاید احساس ہو گیا تھا۔ اسی لیے سر اٹھا کے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"اب بتاؤ مجھے کا بات ہے؟ اور مجھ پر پورا بھروسہ رکھو۔ عمیر حسن کبھی تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائے گا۔" اس کے اپنا بہت بھرے لہجے میں کچھ اور ایسا تھا کہ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ اس پر اعتبار کرلے۔

اور یہی تو محبت ہے جب ہم اپنی ذات کے علاوہ کسی دوسرے پر اپنے دل کا بوجھ دھرتے ہیں تو دراصل اسے اپنی ذات کا ہی ایک حصہ سمجھتے ہیں اور محبت ذات ہی تو ہوتی ہے۔ وہ بھی جو کسی نہ کہہ سکی تھی۔ آج اس سے کہہ گئی تھی۔

آہستہ آواز اور نم لہجے میں وہ اسے ساری بات بتانے لگی۔

☆.....☆.....☆

"بس امی جان! تیمور خان لاکھ اچھا سہی پر

میرے بھائی سے بہر حال کم ہی ہے۔" ندا بھابھی عمیر حسن کا کیس لے کر آج بڑوں کی عدالت میں موجود تھیں۔ رشتوں میں اتنی چاہت اور مان انہوں نے یہاں سے ہی سیکھا تھا۔

"آپ جیسے مرضی مقابلہ کرلیں عمیر ہر لحاظ سے تیمور سے بہتر ہے اور میرب کے لیے بالکل پرفیکٹ ہے۔" ندا بھابھی حتمی بولیں۔

"آپ کی بات بالکل بجا ہے بیٹا! لیکن ہم ان لوگوں کے سامنے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر چکے ہیں۔" فاروق صاحب نرم لہجے میں بولے۔

"صرف پسندیدگی کا اظہار کیا ہے ناں خانخواستہ نکاح تو نہیں ہو چکا۔" انہوں نے فوراً جواب دیا۔

"بیٹا! زبان ہی سب سے بڑی چیز ہوتی ہے۔" عائشہ بیگم نے بھی حصہ لیا۔

"بے شک امی جان! لیکن ابھی باقاعدہ طور پر کچھ نہیں ہوا ہے ناں۔ ہم انہیں سلیقے سے انکار بھی کر سکتے ہیں۔" وہ متانت سے بولیں۔

"لیکن اس طرح وٹہ سٹہ بھی تو ہو جائے گا۔" ندرت نے پہلی دفعہ کچھ کہا۔

"جہاں دونوں فریق سلجھے ہوئے ہوں ایک دوسرے کی خواہشات کا احترام کرتے ہوں وہاں لڑائی جھگڑے کی نوبت سرے سے آتی ہی نہیں۔ مجھے آپ میں رہتے ہوئے اتنا عرصہ تو اگرچہ نہیں ہوا لیکن پھر بھی میری ہر عادت آپ کے سامنے ہے میں بھی آپ لوگوں سے واقف ہوگئی ہوں پھر عمیر حسن کو بھی آپ جانتے ہیں۔ بالکل رائع اور عذیر کی طرح گھل مل کے رہتا ہے۔ ہمارا اگرچہ سگا بھائی نہیں لیکن اس نے کبھی ہمیں بھائی کی کمی محسوس ہونے نہیں دی۔ وہ بہت ہی اچھا انسان ہے اور اچھی سلجھی ہوئی طبیعت کا مالک شخص لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ کوسوں دور بھاگتا ہے چاہے درمیان میں وٹہ سٹہ ہو یہ نہ ہو۔ یہ تو دلوں کو کدورت ہوتی ہے امی جان! اور جب دلوں میں کدورت کی بجائے پیار محبت ہو تو رشتے کی نزاکت کا احساس خود بخود ہی ہو جاتا ہے۔" ندا بھابھی نے بڑی تفصیل سے ان کے ممکنہ خدشے کی تردید کی تھی۔

"یہ بات تو بالکل صحیح کہی تم نے۔" ندرت نے بھی ان کی تائید کی تو انہیں قدرے ڈھارس ملی۔

"آپ کیا کہتی ہیں پھپھو!" وہ ایکدم انہیں مخاطب کر کے بولیں تو سب ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"عمیر بھی مجھے اپنے بیٹوں کی طرح ہے۔" واقعی عمیر کے لیے نرم گوشہ رکھتی تھیں۔

"تو بس پھر..... پیچھے رہ ہی کیا جاتا ہے پھر بھی مگر آپ چاہیں تو اپنے طور پر عمیر کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور اگر اب بھی آپ کو وہ موٹی خالدہ آنٹی اپنی ندا بیٹی سے زیادہ عزیز ہے تو پھر آپ اس کے بیٹے کے حق میں فیصلہ کردیں۔" انہوں نے آخری حربہ استعمال کیا اور مصنوعی ناراضی سے منہ پھلا لیا۔

"ارے..... بیٹا! اتنے دلائل دینے کے بعد بھی آپ کا خیال ہے کہ ہم قائل نہ ہوں گے۔" فاروق صاحب نے محبت سے اسے دیکھا کہ عمیر تو بہر حال انہیں بھی پسند تھا۔

"تو..... آر..... آپ آئی مین....." وہ بے یقینی میں گھری انہیں دیکھنے لگیں۔ پھر ایکدم حسنہ کی طرف مڑیں۔

"پھپھو.....! آپ کو تو پتہ ہے ناں عمیر کتنا اچھا ہے میرب بالکل مجھے اپنی بہن کی طرح ہے۔ بلیوی۔" حسنہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کے وہ انہیں آنکھوں سے لگا کے بولی تو خود بخود ہی آنسو چھلک پڑے۔

"تم بھی مجھے بیٹی کی طرح عزیز ہو۔" حسنہ

نے بڑھ کے اسے گلے لگا لیا۔

"بھئی خوشی کے موقع پر آنسو اچھے نہیں لگتے۔" عائشہ مسکرا کے بولیں۔

"تو پھر یہ تو طے ہے کہ کہ ہمیں اپنی ندا بیٹی وہ موٹی خالدہ آنٹی سے زیادہ عزیز ہے۔" فاروق صاحب نے مسکرا کے کہا تو وہ سب ہی مسکرا دیے۔

☆.....☆.....☆

خوشبو کی پوشاک پہن کر
کون گلی میں آیا ہے
کیسا یہ پیغام رساں ہے
کیا کیا خبریں لایا ہے
کھڑکی کھول کے باہر دیکھو
موسم میرے دل کی باتیں
تم سے کہنے آیا ہے

"خود تو سات سات گز کے دوپٹے اوڑھ کے بیٹھ گئی اور مصیبت ساری میرے سر پر پڑی ہے۔ میں کیا کیا کروں۔" مزنہ پھر کی بنی پورے گھر میں گھوم رہی تھی۔

اور ہر دو منٹ بعد وہ ان دونوں کو یہ احساس جتلانا نہیں بھولتی تھی۔ وہ بھی ڈھیٹ بنی نہیں مسکرائے جا رہی تھیں۔ مزنہ کو تو پتنگے لگ گئے۔

"اللہ کرے لائیٹ چلی جائے جنریٹر جل جائے تمہارے سارے میک اپ کا ستیاناس ہو جائے۔" وہ منہ پھاڑ کے بولی مگر ادھر پرواہ کسے تھی۔

"ڈونٹ وری انہوں نے ہمیں بغیر میک اپ کے دیکھ رکھا ہے۔" میرب نے اسے منہ چڑایا تو وہ تن فن کرتی باہر نکل گئی۔

اس دن اپنے دل کا سارا بوجھ عمیر حسن کے سامنے ڈھیر کر کے وہ پرسکون ہوگئی تھی۔

اور پھر عمیر تیمور سے ملا۔ تیمور تو بیچارہ خود اس ساری صورتحال سے گھبرایا ہوا تھا۔ نادیہ نے جب اسے آکر بتایا کہ امی ادھر یہ کہہ کر آئی ہیں تو وہ سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

"رباحہ نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہوگا؟ وہ کیسا لڑکا ہے؟" اگر چند دن تک عمیر اس سے نہ ملتا تو شاید پاگل ہی ہو جاتا۔

خالدہ بیگم کو وہ ہر طرح سے فائل کرنے کی کوشش کر چکا تھا مگر نتیجہ صفر تھا۔ پھر یہاں پر نبیل نے ان کا ساتھ دیا۔

"میرب کی نسبت ندا کے بھائی سے طے ہے آنٹی! وہ U.K سے واپس نہیں آیا تھا تو ہم نے پریشانی میں تیمور کے لیے ہی سوچ لیا پر شکر ہے کچھ بھی ہونے سے پہلے وہ آگیا ہے اور اب چند دن بعد میرب کی منگنی ہے۔" نبیل نے بڑے رسان سے کہا تھا۔

خالدہ کی جہاں اپنی پلاننگ فیل ہونے کا دکھ ہوا تھا وہاں یہ بھی احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو بھی ناراض کر چکی ہیں۔ تیمور کے ساتھ ساتھ نادیہ بھران سے سخت خفا تھی۔

"رباحہ اب بھی میرب سے کم نہیں ہے پڑھی لکھی ہے میرب جتنا ہی دے کر رخصت کریں گے۔ پھر بیٹے کی بھی مرضی ہے۔ کل کلاں کو کچھ اونچ نیچ ہوئی بھی تو میں یہ تو کہہ سکوں گی اسے میاں! تمہاری ہی پسند تھی۔" انہوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد بالآخر رباحہ کو بھی پسندیدگی کی سند دے ہی مبادا وہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

پھر جب ندرت اور عائشہ نے انہوں میرب کے بارے میں بتایا۔ تو وہ بڑی فراخدلی سے کہنے لگیں۔

"اے لو! تو پھر کیا ہوا میرب کیا رباحہ کیا میرے لیے تو دونوں برابر ہیں۔ بس اب رباحہ کو تو آپ میری بیٹی بنا ہی دیں۔" اور حسنہ جو اندر ہی اندر گھبرا رہی تھیں کہ کہیں صورتحال بگڑ نہ جائے ان کی بات پر اندر تک شانت ہوگئیں۔ ندرت اور عائشہ بھی ان کے اندرونی لالچ سے بے خبر ان کی

سادہ دلی کی معترف ہوگئیں۔

پھر یہ ایک الگ قصہ ہے کہ تیمور نے رباحہ کو کس طرح اصل صورتحال سے باخبر کر کے راضی کیا تھا۔

بہرحال جہاں خالدہ بیگم کو جلدی تھی وہیں عمیر کی ماما بھی میرب سے مل کے بہت خوش ہوئی تھیں اور جلد ہی کوئی تاریخ چاہ رہی تھیں۔ دونوں طرف کی صورتحال کو پیش نظر رکھ کے بڑوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال نکاح کی رسم کرلی جائے۔ رباحہ اور تیمور کی رخصتی تیمور کے اچھی طرح سیٹل ہوجانے کے بعد اور میرب کی رخصتی اس کی پڑھائی کے ختم ہونے کے بعد طے پائی تھی۔

☆.....☆.....☆

"رباحہ! میں نے کل تمہیں جیولری باکس پکڑائے تھے وہ کہاں رکھے ہیں۔" مزنہ ایک دفعہ پھر افراتفری میں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ باہر تائی امی اس سے جیولری باکس مانگ رہی تھیں۔ وہ جلدی سے اندر کی طرف لپکی۔

"ادھر ہی دیکھ لو کہیں پڑا ہوگا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"ادھر دیکھنا ہوتا تو تم سے پوچھنا تھا تمہیں اس لیے پکڑایا تھا کہ تم ادھر ادھر رکھ کے بھول جاؤ۔" وہ اس پر برسنے لگی۔

"مزنہ! گھنٹے بھر سے تمہیں ایک کام کہہ رکھا تمام تم پتہ نہیں کہاں پھر رہی ہو۔" ندرت نے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے لتاڑا۔

"میں نے رباحہ کو پکڑایا تھا کل تو....."

"رباحہ کو چھوڑو اب کوئی کوم خود بھی کرلیا کرو۔ وہ تو پرائی ہوگئی ہے۔ اب تمہیں دیکھنا ہے سب کچھ پچپنا چھوڑو اب عقل سے کام لینا سیکھو۔" وہ اس کی بات کاٹ کے تیز لہجے میں بولیں۔

"میں دوسرے کمرے میں دیکھتی ہوں۔" اس سے پہلے کہ ان کی نصیحتیں طول پکڑتیں وہ باہر کی طرف لپکی۔

"تم کدھر بے تحاشہ بیل کی طرح بھاگی جارہی ہو۔" راستے میں ہی اس کا ٹاکرا رافع سے ہوگیا۔

"تم سے مطلب.....؟" وہ پہلے ہی امی کی باتوں پر خار کھائے بیٹھی تھی۔ اس پر چڑھ دوڑی۔

"مطلب، مطالب تو سارے مجھ تک ہی آتے ہیں مزنہ ڈیئر!" وہ بغور اس کا جائزہ لے کر بولا جو کاپر اور سی گرین کام والے سوٹ میں ملبوس بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

ہم رنگ جیولری اور دونوں کلائیوں میں گئی چوڑیوں نے اس کی دلکشی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ ہاں البتہ ماتھے پہ بل جوں کے توں موجود تھے۔

"فضول باتیں مت کرو اور راستہ چھوڑو۔ مجھے بہت ضروری کام نپٹانے ہیں۔" اس نے جھنجھلا کر اسے کہا۔

"ایک کام میرا بھی کرو۔" اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔ شریر نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں بولو۔" اس نے گویا جان چھڑائی۔ پتہ تھا وہ ایسے تو نہیں ٹلے گا۔

"کیا خیال ہے چاچو جان کی منتیں کر کے انہیں نکاح پر راضی کرلیتے ہیں۔ اچھی بات ہے نہ خرچا بچ جائے گا اور ان کی بھی بچت ہوجائے گی۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر بے حد شرارت سے بولا۔

"تو کروالو مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔" اس نے بظاہر بے نیازی برتنا چاہی۔

"اس او کے کو تو تمہاری طرف سے تو اقرار ہے۔" وہ شوخ ہوا۔

"مجھے نہیں پتہ۔" اس کی ساری تیزی طراری ہوا ہوگئی۔

"یہ رافع بدتمیز کو پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے۔

کیسے گھورے جارہا ہے۔" اسے وہاں کھڑا ہونا محال لگ رہا تھا۔ وہ بھی اتنا ڈھیٹ تھا عین راستے میں کھڑا تھا۔

"ویسے یار! میں تو یہ سوچ سوچ کے پریشان ہورہا ہوں کہ اگر چاچو یہ کہہ دیا کہ رخصتی مزنہ کی پڑھائی کے ختم ہونے پر ہوگی تو میں تو ساری عمر آہیں بھرتا رہوں گا۔ تین سال تو B.A میں لگ گئے آگے پتہ نہیں کیا ہوگا۔" اپنی بات کے اختتام پہ اس نے خود ہی قہقہہ لگایا تھا۔

"ہاں تو لے آؤ کوئی پڑھاکو، چشمانو M.A پاس بڈھی روح۔" زیادہ دیر خاموش رہنا اس کے لیے بھی محال تھا کس کے بولی۔

"پر کیا کروں دل کو تو یہ بچہ بھائی ہے وہ کیا کہتے ہیں کہ دل آئے گدھی پر تو پری کیا چیز ہے۔" وہ ابھی بھی چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"رافع..... تم....." اس نے دانت کچکچائے۔

"بہت اچھے ہو۔ میں جانتا ہوں یار۔" اس نے اس کیفیت سے حظ اٹھایا۔

"تم دونوں ادھر کیا کر رہے ہو۔ نیچے مولوی صاحب آگئے ہیں نکاح ہونے والا ہے۔ چلو نیچے۔" عذیر بھنایا ہوا اور پر آیا تھا۔

"تم کیوں انگارے چبا رہے ہو۔" رافع نے اس کی صورت دیکھ کر پوچھا۔

"یار! یہ بڑوں کو میں نظر نہیں آتا سب کی فکر ہے سوائے میرے۔" اس نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تو رافع کے ساتھ ساتھ مزنہ بھی مسکرادی۔

"چل بچے! نیچے چل تیرا بھی بندوبست کرتے ہیں۔" رافع نے اسے نیچے کی طرف دھکیلا اور خود بھی اس کے پیچھے چل پڑا مزنہ نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

نیچے لان میں تو گویا خوشیوں کی بارات اتری ہوئی تھی۔ تیمور کے پہلو میں رباحہ اور عمیر کے پہلو میں میرب کو دیکھ کر اس کا دل بے انتہا خوشی سے لبریز ہوگیا تھا۔ ان سب کے جگمگاتے چہرے دیکھ کر اس نے بے ساختہ ان کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا مانگی تھی۔

رافع سٹیج پر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مزنہ مسکرا کے اسے دیکھا اور پھر خود بھی اسٹیج کی طرف بڑھ گئی تاکہ تیسری جوڑی بھی کمپلیٹ ہوسکے۔

☆.....☆.....☆

اچھی باتیں

☆ نماز خوف کی دلیل ہے یہ دل سے غیر اللہ کا خوف دور کرتی ہے' نماز ادھورے انسان کو آہستہ آہستہ پورا کردینے کی ضمانت ہے' یہ اندر سے خالی انسانوں کو بھرنا شروع کردیتی ہے۔

☆ نماز اللہ کی قربت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

☆ نماز دنیا اور آخرت کے درمیان رابطے کا پل ہے۔

☆ نماز دین کا ستون ہے۔

☆ عبادت جو مخلوق کے لیے کی جاتی ہے' زمین میں دھنسا دیتی ہے اور عبادت جو خالق کے لیے کی جاتی آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔

☆ جس کا ظاہر و باطن ایک ہے وہ عالم ہے' جس کا باطن، ظاہر سے افضل ہے، وہ ولی اللہ ہے اور جس کا ظاہر باطن سے افضل ہے' وہ جاہل و مکار ہے۔

☆ خوش مزاج شخص وہ ہے جو دوسروں کو خوش مزاجی دے۔

☆ درویشی بادشاہت سے بہتر ہے بشرطیکہ دنیا کا تعلق شامل نہ ہو۔

فروزانہ سکیم

حاصلِ مطالعہ

حب اللہ کا مرتبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید پھر بھی انبیاء اور شہداء قیامت کے دن ان کے مرتبہ پر رشک کریں گے جو انہیں اللہ کے یہاں ملے گا۔''
لوگوں نے کہا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کون لوگ ہوں گے؟''
آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ دار نہ تھے اور نہ آپس میں مالی لین دین کرتے تھے، بلکہ محض خدا کے دین کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہوگا، انہیں کوئی خوف نہ ہوگا، اس وقت جب کہ لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے اور نہ کوئی غم ہوگا اس وقت جب کہ لوگ غم میں مبتلا ہوں گے۔''

فوزیہ غزل، رسالہ شیخوپورہ

کم وقت میں زیادہ ثواب

☆ سورۃ الزلزال دو بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ الفاتحہ تین بار پڑھنے کا ثواب دو قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ الاخلاص تین بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ آیت الکرسی چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ القدر چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ الکافرون چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔
☆ سورۃ العصر چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔

زرین اطہر صدیقی، راولپنڈی

باتیں بڑے کام کی

○ آدمی اپنے خیالات سے اپنی زندگی خراب کرتا ہے۔
○ الفاظ جتنے بھی متاثر کن استعمال کرو مخاطب پر اس کا اثر تب ہی ہوگا اگر ان میں خلوص اور سچائی ہو۔
○ دوست کبھی نہیں بچھڑتے جو چلے گئے وہ ہماری یادوں میں زندہ ہیں۔
○ اس خوشی سے دور رہو جو کل غم کا کانٹا بن کر دکھ دے۔
○ رشتے جب اذیت کے سوا کچھ نہ دیں تو ان سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے، خواہ وقتی طور پر ہی۔

فرحین ملک، دھوریہ

اقوال زریں

۱۔ اگر دکھوں کا دریا عبور کرنا ہو تو آنسوؤں کو جذب کرنے کا طریقہ سیکھو۔
۲۔ نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک اٹھائی نہ جائے۔
۳۔ زندگی کے ہر لمحے میں خوشیاں بکھیرتے جاؤ تاکہ کسی دن ایک باغ لگا پاؤ دوسروں کو

معاف کرو مگر اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرو۔
۴۔ جو شخص انتقام کے طریقوں پر غور کرتا ہے اس کے دن ہمیشہ برے رہتے ہیں۔
۵۔ دوست کو اتنا مت آزمائش میں نہ ڈال کہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔
۶۔ کتابوں کو زمین پر مت گرنے دو یہ ہی کتابیں آسمان پر لے جاتی ہے۔
۷۔ تسلیم خم ہیں جو بیٹی کی عزت کا محافظ بن جائے۔
۸۔ کسی کا دل مت توڑو یہ نہ ہو تیرے لئے ایک سزا بن جائے۔

محمد سجاد ناز، پاکپتن شریف

شیطان کی واپسی

حضرت حاتم اصمؒ نے ایک روز فرمایا کہ شیطان نے ایک دفعہ مجھے پھسلانا چاہا۔ مگر میں نے اس کو ایسا جواب دیا کہ وہ مایوس ہو کر چلا گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تو کیا کھائے گا میں نے کہا موت۔ اس نے کہا کیا پیے گا میں نے کہا کفن۔ اس نے کہا کہاں رہو گے میں نے کہا قبر میں رہوں گا۔ میرا یہ جواب سن کر وہ کہنے لگا تم بڑے سخت مرد ہو۔

کنول فریاد، جلالپور جٹاں

غریب مسلمانوں کا حق

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟''
''آپ ﷺ نے فرمایا ''کسی مسلمان کا دل خوش کر دینا بڑے ثواب کا کام ہے، اگر بھوکا ہو تو کھانا کھلا دو۔ اس کے پاس کپڑے نہ ہوں تو کپڑے پہنا دو یا اس کی کوئی ضرورت اٹکی ہوئی ہے تو اسے پوری کر دو۔''

فرمان رسول ﷺ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا کچھ کنیزیں بھی اشعار گا رہی تھیں کہ اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔
بولے ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں یہ گانا بجانا کیسا؟''
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''ابوبکر رہنے دو، ہر قوم کے لئے تہوار کا ایک دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔''

صغریٰ غزل، مظفر گڑھ

خوش بخت

عید کا دن تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید ادا کرنے جا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بچے کو روتے ہوئے دیکھا اور وجہ دریافت کی۔ بچے نے کہا۔
''میرا باپ خدا کے نبی ﷺ کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا گیا، اب میرے پاس نہ کپڑے ہیں نہ کھانا۔''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا، اسے گھر لے گئے۔ کپڑے دیئے کھانا کھلایا۔ اس کے بعد وہ بچہ ہنستا ہوا آیا اور بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے لگا۔ دوسرے بچوں نے کہا۔
''ابھی تم رو رہے تھے اور اب خوش ہو؟'' تو اس نے کہا۔
''میں بھوکا تھا، مجھے کھانا مل گیا۔ کپڑے نہیں تھے وہ مل گئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے باپ بن گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری ماں بن گئیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری بہن بن گئیں تو اب میں روؤں تو مجھ سا بد بخت کوئی نہ ہوگا۔''

انشرح نیازی، کراچی

☆☆☆

حسنِ سخن

تسنیم طاہر

زاہد اقبال ---- کراچی

لب خاموش سے اظہر تمنا چاہیں
بات کرنے کو بھی تصویر کا لہجہ چاہیں
تو چلے ساتھ تو آہٹ بھی نہ ہونے پائے
درمیاں ہم بھی نہ ہوں یوں تجھے تنہا چاہیں

....

اپنی کسی ادا کے حوالے سے دے صدا
میں کھو چکا ہوں اہل محبت کی بھیڑ میں

....

سفر کو نکلے تھے ہم جس کی رہنمائی پر
وہ ایک ستارہ کسی اور آسماں کا تھا
جسے ہم اپنی رگ جاں بنائے بیٹھے تھے
وہ دوست تھا مگر اک اور مہرباں کا تھا

عفرا ثاقب ---- جہلم

کسی نے کب ہمیں جینے کا اختیار دیا
تجھے اجل نے مجھے زندگی نے مار دیا
کسی سے عشق کا اظہار میں کرتا تھا
خبر نہیں کہ وہ لمحہ کہاں گزار دیا

....

ہم کو شاہوں سے انصاف کی توقع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں

....

عجب شخص تھا بارش کا رنگ دیکھ کے بھی
کھلے دریچے پہ اک پھول دان چھوڑ گیا
جو بادلوں سے بھی مجھ کو چھپائے رکھتا تھا
بڑی ہے دھوپ تو بے سائبان چھوڑ گیا

الماس ارشد ---- سکھر

منزل نہ دے چراغ نہ دے حوصلہ تو دے
تنکے کا ہی سہی تو مگر آسرا تو دے
بے شک میرے نصیب میں رکھ اپنا اختیار
لیکن میرے نصیب میں کیا ہے بتا تو دے

....

یہ بھی سچ ہے کہ نہیں کوئی رشتہ تجھ سے
جتنی امیدیں ہیں وابستہ ہیں تنہا تجھ سے
الگ بات تجھے ٹوٹ کے چاہا لیکن
دل بے مایا نے کچھ بھی نہیں چاہا تجھ سے

نعمان خان ---- کراچی

اشکوں میں جو پایا ہے وہ گیتوں میں رہا ہے
اس پر بھی سنا ہے کہ زمانے کو گلہ ہے
جو تار سے نکلی ہے وہ دھن سب نے سنی ہے
جو ساز پہ گزری ہے وہ کس دل کو پتا ہے

....

میں ایک ذرہ بلندی کو چھونے نکلا تھا
ہوا نے تھم کے زمیں پہ گرا دیا مجھ کو

....

بس یہ ہوا کہ اس نے تکلف سے بات کی
اور ہم نے رو رو کے دوپٹے بھگو لیے
تیری برہنہ پائی کے دکھ بانٹتے ہوئے
ہم نے خود اپنے پاؤں میں کانٹے چبھو لیے

اومامیہ حیدر ---- جھنگ

اپنی تعلیم پر توجہ دو
مت پڑو عشق کے عذابوں میں
عمر کٹتی ہے ان کی کانٹوں پر
پھول رکھتے ہیں جو کتابوں میں

....

وہ اس ادا سے کھیلا عشق کی بازی
میں اپنی فتح سمجھتا رہا مات ہونے تک

....

اختیار میں ترے تو معجزہ کر دے
وہ شخص میرا نہیں تو اسے میرا کر دے
یہ رہگذار کبھی ختم ہی نہیں ہوتا
ذرا سی دیر تو رستہ ہرا بھرا کر دے

ان دنوں تم اداس ہو شاید

ثوبیہ احمد ---- قصور

طوفان کر رہا تھا میرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے

....

تم ساتھ تھے ہم بھی تھے منزل سے آشنا
اب تم نہیں تو لگتے ہیں رستے عجیب سے

....

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر

زاہد افضل ---- کراچی

پڑھتا ہے تو انسان کو پڑھنے کا ہنر سیکھ
ہر چہرے پہ لکھا ہے کتابوں سے زیادہ

....

جیسا جتنا بھی رشتہ تھا اس کو رسوا مت کرنا
ہم بھی ایسا نہیں کہیں گے تم بھی ایسا مت کرنا

....

دامن کے سارے چاک گریباں کے سارے چاک
ہو بھی گئے بہم تو بہم اور کتنی دیر

عفرا ثاقب ---- جہلم

فضا میں رنگ نہ ہوں آنکھ میں نمی بھی نہ ہو
وہ حرف کیا کہ رقم ہو تو روشنی بھی نہ ہو
وہ کیا بہار کہ پیوند خاک ہو کے رہے
کشائش روش و رنگ سے بری بھی نہ ہو

....

شام آ رہی ہے ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو ہم اور کتنی دیر

....

یوں مجھ کو نگاہوں کے ترازو میں نہ تولو
ہے شوق تو بے ساختہ آنکھوں میں سمو لو
اب دل کو میں لایا ہوں ہتھیلی پہ سجا کے
اس حسن کے بازار میں کیا دام ہیں بولو

الماس ارشد ---- سکھر

سبھی لوگ تو کبھی بھی اچھے نہیں رہتے
جن سے سچ سیکھا ہو وہ بھی سچے نہیں رہتے
کیوں ایسا ہے کہ اعتبار کی ٹوٹی دہلیزوں پر
جو بہت ہی اپنے ہوں، اپنے نہیں رہتے

....

یہی کہا تھا مری آنکھ دیکھ سکتی ہے
تو مجھ پہ ٹوٹ پڑا سارا شہر نابینا

....

ہر شخص یہاں اماں ڈھونڈ رہا ہے
تہذیب کے گم گشتہ نشاں ڈھونڈ رہا ہے
ٹھہرا ایسا ہوا ہے شہر تعصب کی ہوا میں
ہر ایک مکین اپنا مکان ڈھونڈ رہا ہے

نعمان خان ---- نور پور

شہر وفا میں کوئی شناسا نہیں رہا
اپنا جسے کہیں کوئی ایسا نہیں رہا
اک آئینہ جو دیکھتا رہتا تھا رات دن
اس آئینے میں عکس ہی اپنا نہیں رہا

....

کسی نے کاٹ دیا اک درخت جنگل سے
پھر اس کے بعد بہت دیر تک ہوا نہ چلی

....

بات کہہ دے جو تیرے دل میں ہے
بات کو تو اگر مگر نہ بنا
تیرا اپنا یقیں نہ اٹھ جائے
خود کو اتنا بھی معتبر نہ بنا

عالیہ بٹ ---- چنیوٹ

ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں
در قفس پہ اندھیرے کی مہر لگتی ہے!
تو فیض دل میں ستارے اترنے لگتے ہیں

....

بہا لو خون سڑکوں پر مگر اتنا تو تم سوچو
وطن جب خون مانگے گا تمھارے پاس کیا ہوگا

☆☆☆

رنگِ حنا

حمد

تیری راہ میں زندگی بسر کروں
تیری حمد و ثنا میں اکثر کروں
مٹا کر خود کو تیری الفت میں ہمدم
کہانی اپنی کیوں نہ امر کروں
خدایا سونپ دیئے تو نے مجھے انمول خزانے
تیری کس کس کرامت کا ذکر کروں
تیرا جو ساتھ ہے تو سب کچھ پاس ہے
زمانے بھر کی کیوں میں فکر کروں
رو رو کر تیری یاد میں الٰہی
میں اک آنسو کو سمندر کروں
مل جائے گر انبساط کے قلم کو آبِ حیات
تاقیامت تیری بڑائی تحریر کروں

آصفہ انبساط ٹانگ' لاہور

جوڑوں میں ہے

کیا خبر ہم کھا رہے ہیں کیا غذائیں آجکل
درد جوڑوں کا یہ اب تو بیشتر جوڑوں میں ہے
درد کا میرے کیا اس چارہ گر نے یہ علاج
درد تو جاتا رہا اب چارہ گر جوڑوں میں ہے

انتخاب۔ سباس گل' رحیم یار خان

ایک آدمی

بسوں کے اڈے پر بہت رش تھا۔ بس آئی تو وہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ کنڈیکٹر نے دروازہ کھولا اور چیخ کر کہا۔

"صرف ایک آدمی اندر آ سکتا ہے۔"

یہ سن کر ایک پولیس والا جھٹ بس میں سوار ہو گیا۔ دیکھا دیکھی ایک مسکین سے بڑے میاں بھی بس میں چڑھ گئے۔ کنڈیکٹر نے غصے سے کہا۔

"تم نے سنا نہیں کہ صرف ایک آدمی اندر آ سکتا ہے۔"

بڑے میاں معصومیت سے بولے۔

"وہ تو پولیس والا تھا آدمی تو میں ہوں۔"

معاف کرنا

ایک دیہاتی گدھے پر اناج لاد کر شہر لے گیا۔ شہر میں ایک جگہ گدھا اڑ گیا اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ دیہاتی نے پہلے اسے پچکارا پھر دھکے دیئے۔ جب دیکھا کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تو اسے ڈنڈے سے مارنے لگا۔ یہ دیکھ کر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ کچھ آوازیں آئیں۔

"بڑے بے رحم ہو' بے چارے کو کتنی بے دردی سے مار رہے ہو۔"

دیہاتی اس قسم کے جملے کچھ دیر سنتا رہا پھر اچانک ڈنڈا پھینک کر گدھے کے سامنے آیا' چار مرتبہ جھک کر اسے فرشی سلام کیا اور بولا۔

"حضور! مجھے معاف فرما دیجئے میں نہیں جانتا تھا کہ یہاں آپ کے اتنے سارے رشتے دار ہیں۔"

محمد سعید لونی' عارف والا

تمہارا نام

ایک دفعہ ایک صاحب اپنے دوست کے گھر گئے۔ دو تین بار دستک کے بعد جب دروازے پر

نظر پڑی تو دیکھا وہاں تالا لگا ہے۔ غصے میں وہ دروازے پر گدھا لکھ کر واپس آ گئے۔

اگلے دن جس دوست کے گھر گئے تھے وہ خود ان سے ملنے آ گیا تو وہ حیرت و مسرت کے ملے جلے تاثرات سے بولے۔

"ابھی میں کل تم سے ملنے آیا تھا مگر ۔۔۔۔؟"

ابھی ان کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ان کا دوست بولا۔

"تم کس بات پر حیران ہو کر مجھے الہام ہوا ہے ایسا ہے تو غلط فہمی دور کر لو میں اپنے دروازے پر تمہارا نام پڑھ کر تمہاری طرف آیا ہوں۔"

عاصمہ سلیم' لاہور

بازگشت

جب کبھی ہم بچے ہوتے تھے
اپنے وقت کے لیڈر ہوتے تھے
انتخابی نشان فیڈر ہوتے تھے
دل و دماغ کے بچے ہوتے تھے
بسکٹ، ٹافیاں خوراک تھی اپنی
صرف محبت ذات تھی اپنی
جی بھر کے رات دن سوتے تھے
جب کبھی ہم بچے ہوتے تھے
رنگ برنگے لباس تھے اپنے
رہن سہن سب سے خاص تھے اپنے
سب کی آنکھ کا تارا ہوتے تھے
جب کبھی ہم بچے ہوتے تھے
ریت کے گھروندے، مٹی کے کھلونے
اپنی جائیداد کے حصے ہوتے
دل چاہا تو سو لیا
ورنہ اکثر رو لیتے تھے
جب کبھی ہم بچے ہوتے تھے۔
وہ سنہری زمانہ کھو گیا
وہ بچپن میرا اب کھو گیا
جب سے بڑا میں ہو گیا
میں خود سے جدا اب ہو گیا
بچپن کا زمانہ کھو گیا
میرا اپنا آپ ہے کھو گیا

سہیل بن یوسف' سیالکوٹ

عید

پڑھ کر نماز ہم جو نکلے عید گاہ سے
ان گنت فقیروں کی ہم کو دید ہو گئی
ہم خالی جیب لے کے اپنے گھر چلے گئے
کوئی ہو گیا کنگال کسی کی عید ہو گئی

خالدہ ناہید' لاہور

آواز دو کہاں ہو

پرانے ساتھیو آواز تو دو
عظمیٰ جی اور شاہینہ جی کہاں ہو تم
اس عید پر روٹھو نہ خدا کے لیے
اس عید پر تو مان جاؤ صرف میرے لیے
تم سب کو روز یاد کرتی ہوں
یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوں۔
اب مان بھی جاؤ خدا کے لیے
اب حنا میں حاضری دو
صرف میرے لیے

فریدہ جاوید فری' لاہور

دریافت

ایک سائنس دان نے دوسرے سائنس دان کو بتایا۔

"آج میں نے محض اتفاقاً" ایک اہم چیز دریافت کر لی۔"

"وہ کیا ۔۔۔۔؟" دوسرے سائنس دان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ اگر آپ سیاہی کی دوات قریب رکھ لیں تو کسی بھی فاؤنٹین پین میں سیاہی بھرے بغیر بھی آپ اس سے لکھ سکتے ہیں۔"

کاشف نصیر گوندل' ضلع لیہ

☆☆☆

صائقہ مجوکہ

میری ڈائری سے

تحسین اختر: کی ڈائری سے ایک نظم

''اللہ اکبر''

میں نے اس دنیا میں آنکھ کھولی
جیسے ہی اللہ اکبر کی صدا میرے کان
میں گونجی
یہ صدا میرے روم روم میں بس گئی
اس کا ذائقہ اس کی حلاوت
میرے خون میں گھل گئی
میں بڑا ہونے لگا
میری ماں نے سبحان اللہ کی ہر تسبیح
سے [illegible] مجھے دودھ پلایا
میرے باپ نے [illegible] کے ہر لقمے پر
بسم اللہ پڑھنا سکھایا
میں اب
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اللہ اکبر نے
مجھے کسی کے آگے جھکنے نہیں دیا
بسم اللہ نے
جو میرے خون میں گردش کرتی ہے
مجھے برائی میں پڑنے نہیں دیا
میرا باپ جو ہر بات میں
الحمد اللہ کا ورد کرتا تھا
مجھے وہ تسبیح دے گیا
میں اب اپنے آخری ٹھکانے پر پڑا
جہاں تنہائی تو ہے، تاریکی نہیں
جہاں ڈر تو ہے
خدا سے دوری نہیں
الحمد اللہ واللہ اکبر اسی تسبیح پر دھراتا ہوں
کہ میں زندہ بھی مسلمان تھا
میں مرا بھی مسلمان ہوں

حفصہ خان: کی ڈائری سے ایک غزل

بعد مدت اسے دیکھا لوگو
وہ ذرا بھی نہیں بدلا تھا لوگو
خوش تھا وہ مجھے بھلا کر بھی
اس کے چہرے پہ لکھا تھا لوگو
اجنبی بن کر جو گزرا تھا پاس سے
تھا کسی وقت میں وہ اپنا لوگو
دوست تو خیر کون کسی کا ہے
اس نے شناسا بھی نہ سمجھا لوگو

فرحین ملک: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

یہ تو خواب ہے میری آنکھ کا جو حقیقتوں میں ڈھلا نہیں
جو خیال میں تھا بسا ہوا وہی چہرا مجھ کو ملا نہیں
سرِ شاخ جتنے گلاب تھے وہ ہوا کی شوخی سے کھل اٹھے
میں اتار لوں جسے جان میں وہی غنچہ دل میں کھلا نہیں
یہ تو موسموں کا مزاج ہے کبھی گرم ہے کبھی سرد ہے
غمِ جاں کا ہے جو سلسلہ صبح و شام سے وہ گھٹا نہیں
رہی گفتگو بڑی دیر تک تیری بزم ناز میں عشق پر
ہوئی بات جب بھی وفاؤں کی کوئی شمع لے کر اٹھا نہیں

یاسمین کوثر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''قبائے ساز''

آج وہ آخری تصویر جلا دی ہم نے
جس سے اس شہر کے پھولوں کی مہک آتی تھی
آج وہ نہکت اسودہ جلا دی ہم نے
عقل جس قصر میں انصاف کیا کرتی تھی
آج اس قصر کی زنجیر ہلا دی ہم نے
آگ کاغذ کے چمکتے ہوئے سینے پر بڑھی
خواب کی لہر میں بہتے ہوئے آئے ساحل
مسکراتے ہوئے ہونٹوں کا سلگتا ہوا کرب
گنگناتے ہوئے عارض کا دمکتا ہوا تل
جگمگاتے ہوئے آویزوں میں مبہم فریاد
ایک دن روح کا ہر تار صدا دیتا تھا
کاش ہم بک کے بھی اس جنس گراں کو پالیں
قرض جان دے کے متاع گزگراں کو پالیں
خود بھی کھو جائیں اور......
اس رمز فہاں کو پالیں
اور اب یاد کر اس آخری پیکر کا طلسم
قصہ رفتہ بنا، خواب کی باتوں سے ہوا
اس کا پیارہ سا بدن، اس کا مہکتا ہوا روپ
آگ کی نذر ہوا اور انہی باتوں سے ہوا

محمد سجاد پرنس: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

خزاں کے موسم میں گلاب چھوڑ گیا
زندگی بھر کا میرے لئے عذاب چھوڑ گیا
وہ میری قربتوں کا ہم سفر جب گیا تو
تنہائیوں پہ لکھی ہوئی کتاب چھوڑ گیا
ضروری نہیں ہر کسی کو ملیں چاہتیں
کیا تھا سوال کیا جواب چھوڑ گیا
آس تھی جب جس شخص سے مجھے زندگی کی
آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے خواب چھوڑ گیا
یہ جھوٹ ہے اس سے کچھ ملا نہیں ثمرہ
پرسں یادیں وہ اپنی بے حساب چھوڑ گیا

فریدہ خانم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''سفر ذات''

اندر کا سفر
بھیانک ہے بہت
ہر طرف
دم توڑتیں حسرتیں
اور غم کے سائے ہیں
دور دور تک
ٹکڑے بکھرے ہیں دل کے
لہولہو خواہشیں
ناامیدی کے کھنڈر
مایوسی کا سمندر
سسکتی یادیں
بے چین کرتیں ہیں
کسی کی بے وفائی پہ
ماتم کناں ہیں
کسی کی چاہت کی
دیوانگی کی طلب گار ہوں
یہ پر خار سفر میرے اندر کا ہے

سباس گل: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

جس طرف بھی نظر گئی لوگو!
ایک قیامت گزر گئی لوگو!
رہ گئے خواب ہی بکھر کر سب
نیند جانے کدھر گئی لوگو!
جو گیا تھا سکول آج اس کی
موت لے کر خبر گئی لوگو!
وہ جو گڑیوں سے کھیلتی تھی کل
آج وہ بھی تو مر گئی لوگو!

☆☆☆

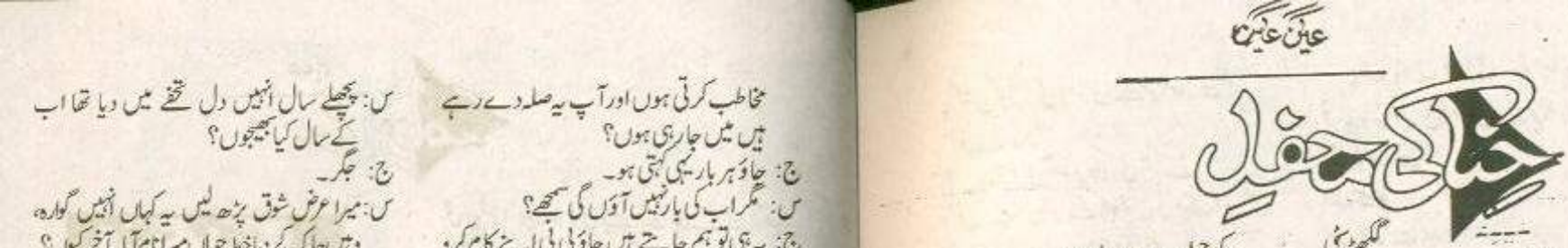

عین غین

حنا کی محفل

طیبہ روز ---- گگھڑ سٹی

س: آداب عین جی؟

ج: خوش آمدید طیبہ جی۔

س: ذرا چہرہ تو دکھاؤ اور تھوڑا سا مسکراؤ؟

ج: کیا تم نے تصویر اتارنی ہے

س: عین جی! اگر میاں اپنے عروج پر آ گئیں اب تو گوشہ نشینی چھوڑیں اور سامنے آ جائیں۔

ج: ڈر یہ ہے کہ سامنے آ گیا تو تم آ جاؤ گی۔

س: اور ہاں! آپ کی منہ دکھائی کی رسم کب ہے؟ یقین کریں حنا کے سارے قارئین منہ مانگی منہ دکھائی دیں گے آپ ہاں تو کریں؟

ج: تم باقی رسمیں تو پوری کرو "منہ دکھائی" بھی ہو جائے گی۔

س: اچھا یہ بتائیں کہ کوئی آپ سے کہتا ہے بھلا کیا؟

ج: یہی کہ "ہاں تو کریں"

س: کسی کی خوشی کے لئے اپنی خوشی قربان کر دینا تو پیار و محبت یا دوستی میں آتا ہے لیکن کسی کو اپنی خوشی کے لئے قربان کر دینا کس زمرے میں آئے گا؟

ج: قربانی کے۔

س: بس آخری بات بتا دیں کہ محبت اپنا مان کب کھوتی ہے؟

ج: جب کوئی کسی کو اپنی خوشی کے لئے قربان کر دے۔

علی ناصر ---- حافظ آباد سٹی

س: عین غین جی السلام وعلیکم! کیسے ہو؟ کیا ہو رہا ہے آج کل؟

ج: وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔ تمہارے سوالوں کے جواب دے رہا ہوں۔

س: گرمی سے پہلے گرمی آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: لوڈ شیڈنگ۔

س: اس کی سالگرہ آ گئی ہے، کیا تحفہ پیش کروں؟

ج: جنریٹر۔

س: محبت میں ہر لمحہ وصال ہوتا ہے، کیا واقعی؟

ج: جی ہاں خیالوں میں۔

س: آنکھ نم نہیں؟ کوئی غم نہیں؟ مگر ہم ہی ہم نہیں، کیوں؟

ج: سرسام جو ہو گیا ہے۔

س: دل کے موسم اثر رکھتے ہیں یا کہ؟

ج: اثر رکھتے ہیں تو تم ہم ہی ہم نہیں ہوتے ہو۔

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: اف بہت گرمی ہے میری تو بس؟

ج: بس کیوں؟

س: اوہو عین غین جی میں آپ سے نہیں کہہ رہی ہوں وہ دراصل نہ؟

ج: کیا دراصل نہ۔

س: میری پوری بات تو سن لیں؟

ج: سناؤ کیا بات کرنی ہے۔

س: عین غین جی بتاتی ہوں اس طرح تو منہ نہ بنائیں؟

ج: بھئی تمہیں دیکھ کر میرے چہرے کے انوکھے انوکھے ڈائزین بن جاتے ہیں۔

س: کیا کہہ رہے ہیں عین غین جی؟

ج: اے لڑکی آرام سے یہ محفل ہے پاگل خانہ نہیں بھئی۔

س: عین غین جی میں آپ کو اتنی عزت سے مخاطب کرتی ہوں اور آپ یہ صلہ دے رہے ہیں میں جا رہی ہوں؟

ج: جاؤ ہر بار یہی کہتی ہو۔

س: مگر اب کی بار نہیں آؤں گی سمجھے؟

ج: یہ ہی تو ہم چاہتے ہیں جاؤ بی بی اپنے کام کرو ہمارا دماغ نہ خراب کرو

راجہ عظمیٰ رزاق ---- سرگودھا

س: زندہ رہنے کے لئے تیری قسم؟

ج: سانس لینا ضروری ہے۔

س: اک ملاقات ضروری ہے صنم؟

ج: تقریب کچھ تو بہر ملاقات بھی چاہیے۔

س: روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا؟

ج: یہ بھی میں ہی بتاؤں۔ تم بھی کچھ کوشش کرو۔

س: بولو نہ بولو نہ؟

ج: اب میرا منہ نہ کھلواؤ۔

س: اب مان بھی جاؤ؟

ج: کچھ کوشش کرو گی تو مانوں گا۔

س: نخرا کس بات پر دکھا رہے ہو؟

ج: کوئی بات تو ہے نا۔

س: چلو بابا ہم ہی معافی مانگ لیتے ہیں؟

ج: مانگو۔

س: کیا مطلب کر دیا؟

ج: پہلے معافی تو مانگو۔

س: چلو پھر مسکراؤ؟

ج: جب معاف کریں گے تو مسکرا بھی دیں گے۔

ملک کاشف اعوان ---- ہارون آباد

س: عین غین جی شوہر کے دل میں اترنے کا شارٹ کٹ راستہ معدہ اور بیوی کے دل میں اترنے کا شارٹ کٹ راستہ......؟

ج: بھری جیب۔

س: بیوی کو میاں کی کسی بات کا منہ توڑ جواب دینا چاہیے؟

ج: سر اٹھا کر جواب دے گا۔

س: پچھلے سال انہیں دل تحفے میں دیا تھا اب کے سال کیا بھیجوں؟

ج: جگر۔

س: میرا عرض شوق پڑھ لیں یہ کہاں انہیں گوارہ، وہیں چاک کر دیا خط جہاں میرا نام آیا، آخر کیوں؟

ج: تم نے بھی تو خط میں اتنے مطالبات لکھ دیئے ہو۔

س: عین غین جی اگر ہر انسان کو ایک ماہ قبل اپنی موت کا علم ہو جاتا تو آپ مرنے سے پہلے کون کون سے دنیاوی کام نپٹانا ضروری سمجھتے؟

ج: کیا بتاؤں، ہزاروں خواہشیں ایسی کہ......

س: آج کل دل بہت اداس رہنے لگ گیا ہے کیا کروں؟

ج: کرنا کیا ہے دل کے بہلانے کا سامان کرو۔

فلاح نصیر ---- منڈی بہاؤالدین

س: تیرا بیسٹ فرینڈ شیطان اول (امریکہ) کب مسلمان ہو رہا ہے؟

ج: تم کوشش کرو گی تو ہو گا مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

س: اپن اپنا ڈائنامیٹ سے بھرا پلین امریکہ اور اس کے ڈھکن اتحادیوں پر گرانا چاہ رہی ہوں۔ بس تو یہ بتانے کا کہ وہ چوہے کہاں جمع ہو رہے ہیں؟

ج: یہ پلین چابی سے چلتا ہے یا بیٹری سے۔

س: عالمی بگڑی حالت دیکھ کر تیرے کو نہیں لگتا کہ نئی ہولو کاسٹ شروع ہونے کو ہے؟

ج: تیرے کو ابھی لگتا ہے۔ اپن کی تو معلوم ہے کہ شروع ہو چکی ہے۔

س: بکھری امت مسلمہ کی حالت زار پر کیا تیرا دل بھی ڈھاڑیں مار مار کر روتا ہے اپن کی طرح (ضرور بتانے کا)؟

ج: میں نے تجھے روتے تو دیکھا نہیں پہلے رو کے دکھا، پھر بات کروں گا۔

☆☆

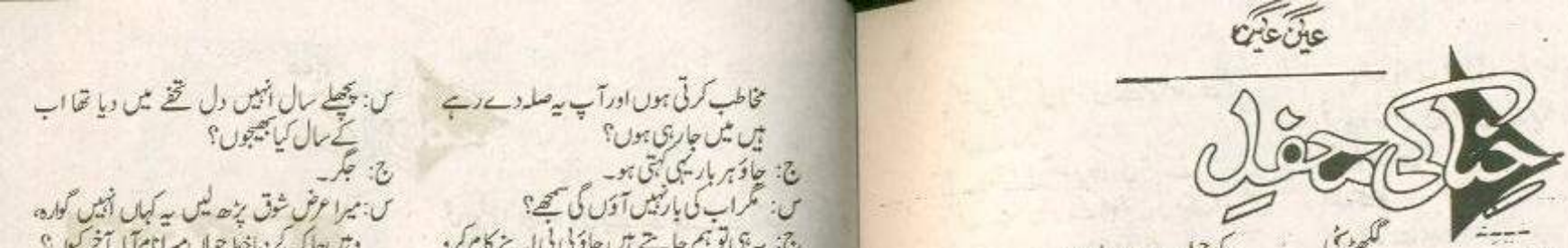

عین غین

حنا کی محفل

طیبہ روز ---- گگھڑ منڈی

س: آداب عین جی؟

ج: خوش آمدید طیبہ جی۔

س: ذرا چہرہ تو دکھاؤ اور تھوڑا سا مسکراؤ؟

ج: کیا تم نے تصویر اتارنی ہے

س: عین جی! اگر میاں اپنے عروج پر آ گئیں اب تو گوشہ نشینی چھوڑیں اور سامنے آ جائیں۔

ج: ڈر یہ ہے کہ سامنے آ گیا تو تم آ جاؤ گی۔

س: اور ہاں! آپ کی منہ دکھائی کی رسم کب ہے؟ یقین کریں حنا کے سارے قارئین منہ مانگی منہ دکھائی دیں گے آپ ہاں تو کریں؟

ج: تم باقی رسمیں تو پوری کرو "منہ دکھائی" بھی ہو جائے گی۔

س: اچھا یہ بتائیں کہ کوئی آپ سے کہتا ہے بھلا کیا؟

ج: یہی کہ "ہاں تو کریں"

س: کسی کی خوشی کے لئے اپنی خوشی قربان کر دینا تو پیار و محبت یا دوستی میں آتا ہے لیکن کسی کو اپنی خوشی کے لئے قربان کر دینا کس زمرے میں آئے گا؟

ج: قربانی کے۔

س: بس آخری بات بتا دیں کہ محبت اپنا مان کب کھوتی ہے؟

ج: جب کوئی کسی کو اپنی خوشی کے لئے قربان کر دے۔

علی ناصر ---- حافظ آباد سٹی

س: عین غین جی السلام وعلیکم! کیسے ہو؟ کیا ہو رہا ہے آج کل؟

ج: وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔ تمہارے سوالوں کے جواب دے رہا ہوں۔

س: گرمی سے پہلے گرمی آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: لوڈ شیڈنگ۔

س: اس کی سالگرہ آ گئی ہے، کیا تحفہ پیش کروں؟

ج: جنریٹر۔

س: محبت میں ہر لمحہ وصال ہوتا ہے، کیا واقعی؟

ج: جی ہاں خیالوں میں۔

س: آنکھ نم نہیں؟ کوئی غم نہیں؟ مگر ہم ہی ہم نہیں، کیوں؟

ج: سرسام جو ہو گیا ہے۔

س: دل کے موسم اثر رکھتے ہیں یا کہ؟

ج: اثر رکھتے ہیں تو تم ہم ہی ہم نہیں ہوتے ہو۔

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: اف بہت گرمی ہے میری تو بس؟

ج: بس کیوں؟

س: اوہو عین غین جی میں آپ سے نہیں کہہ رہی ہوں وہ دراصل نہ؟

ج: کیا دراصل نہ۔

س: میری پوری بات تو سن لیں؟

ج: سناؤ کیا بات کرنی ہے۔

س: عین غین جی بتاتی ہوں اس طرح تو منہ نہ بنائیں؟

ج: بھئی تمہیں دیکھ کر میرے چہرے کے انوکھے انوکھے ڈیزائن بن جاتے ہیں۔

س: کیا کہہ رہیں ہیں عین غین جی؟

ج: اے لڑکی آرام سے یہ محفل ہے پاگل خانہ نہیں بھی۔

س: عین غین جی میں آپ کو اتنی عزت سے مخاطب کرتی ہوں اور آپ یہ صلہ دے رہے ہیں میں جا رہی ہوں؟

ج: جاؤ ہر بار یہی کہتی ہو۔

س: مگر اب کی بار نہیں آؤں گی سمجھے؟

ج: یہ ہی تو ہم چاہتے ہیں جاؤ بی بی اپنے کام کرو ہمارا دماغ نہ خراب کرو

راجہ عظمیٰ رزاق ---- سرگودھا

س: زندہ رہنے کے لئے تیری قسم؟

ج: سانس لینا ضروری ہے۔

س: اک ملاقات ضروری ہے صنم؟

ج: تقریب کچھ اسیر ملاقات بھی چاہیے۔

س: روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا؟

ج: یہ بھی میں ہی بتاؤں۔ تم بھی کچھ کوشش کرو۔

س: بولو نہ بولو نہ؟

ج: اب میرا منہ نہ کھلواؤ۔

س: اب مان بھی جاؤ؟

ج: کچھ کوشش کرو گی تو مانوں گا۔

س: نخرا کس بات پر دکھا رہے ہو؟

ج: کوئی بات تو ہے نا۔

س: چلو بابا ہم ہی معافی مانگ لیتے ہیں؟

ج: مانگو۔

س: کیا مطلب کر دیا؟

ج: پہلے معافی تو مانگو۔

س: چلو پھر مسکراؤ؟

ج: جب معاف کریں گے تو مسکرا بھی دیں گے۔

ملک کاشف اعوان ---- ہارون آباد

س: عین غین جی شوہر کے دل میں اترنے کا شارٹ کٹ راستہ معدہ اور بیوی کے دل میں اترنے کا شارٹ کٹ راستہ......؟

ج: بھری جیب۔

س: بیوی کو میاں کی کسی بات کا منہ توڑ جواب دینا چاہیے؟

ج: سر اٹھا کر جواب دینے کا۔

س: پچھلے سال انہیں دل تحفے میں دیا تھا اب کے سال کیا بھیجوں؟

ج: جگر۔

س: میرا عرض شوق پڑھ لیں یہ کہاں انہیں گوارہ، وہیں چاک کر دیا خط جہاں میرا نام آیا۔ آخر کیوں؟

ج: تم نے بھی تو خط میں اتنے مطالبات لکھ دیتے ہو۔

س: عین غین جی اگر ہر انسان کو ایک ماہ قبل اپنی موت کا علم ہو جاتا تو آپ مرنے سے پہلے کون کون سے دنیاوی کام نپٹانا ضروری سمجھتے؟

ج: کیا بتاؤں، ہزاروں خواہشیں ایسی کہ......

س: آج کل دل بہت اداس رہنے لگ گیا ہے کیا کروں؟

ج: کرنا کیا ہے دل کے بہلانے کا سامان کرو۔

فلاح نصیر ---- منڈی بہاؤالدین

س: تیرا بیسٹ فرینڈ شیطان اول (امریکہ) کب مسلمان ہو رہا ہے؟

ج: تم کوشش کرو گی تو ہو گا مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

س: اپن اپنا ڈائنا میٹ سے بھرا پلین امریکہ اور اس کے ڈھکن اتحادیوں پر گرانا چاہ رہی ہوں۔ بس تو یہ بتانے کا کہ وہ چوہے کہاں جمع ہو رہے ہیں؟

ج: یہ پلین چابی سے چلتا ہے یا بیٹری سے۔

س: عالمی بگڑی حالت دیکھ کر تیرے کو نہیں لگتا کہ نئی ہولو کاسٹ شروع ہونے کو ہے؟

ج: تیرے کو ابھی لگتا ہے۔ اپن کی تو معلوم ہے کہ شروع ہو چکی ہے۔

س: بکھری امت مسلمہ کی حالت زار پر کیا تیرا دل بھی دھاڑیں مار مار کر روتا ہے اپن کی طرح (ضرور بتانے کا)؟

ج: میں نے تجھے روتے تو دیکھا نہیں پہلے رو کے دکھا، پھر بات کروں گا۔

☆☆

عنبرین

خبرنامہ

وینا ہے کروڑ پتی

اگر کرکٹر آصف اپنی پسند سے شادی نہ کرتا تو شاید کسی کو بھی پتا نہ چل پاتا کہ اداکارہ وینا ملک کروڑ پتی آسامی ہے! بلکہ یہی نہیں اگر کوئی نظروں کو بھا جائے تو وہ کروڑ دو کروڑ یونہی اٹھا کر اُدھار بھی دے دیتی ہیں! اور اگر بات بن نہ پائے اس سارے کشت کے باوجود، تو وہ پیسہ وصول کرنے کا گر بھی جانتی ہیں، ابھی حال ہی میں جب محمد آصف نے وینا کے بیس لاکھ واپس کیے اور ساتھ ہی ایک کروڑ بارہ لاکھ جلد ادا کرنے کا وعدہ کیا تو سننے والوں کی آنکھوں کے سامنے اتنی ہی تعداد میں تارے گردش کرنے لگے، کہ وینا اور کروڑ پتی؟؟؟

جب دوبئی سے لٹا پٹا آصف واپس وطن آیا تو وینا کے سامنے دکھڑے رونے لگا کہ اگر چار پیسے نہیں ملیں تو اس کی جڑیں اکھڑ جائیں گی۔ اب یہ چار پیسے (؟) وینا نے ترس کھا کر بطور اُدھار آصف کو دے دیے شاید وینا کے دل میں یہ تھا کہ آصف اس کی اس... محبت کی نظر سے ضرور دیکھے گا مگر نہ جی وہ ٹھہرا، بیور کھلاڑی جیسے بیٹ چلانے کے لاکھوں ملتے تھی وہ بھلا روپے پیسے کے بدلے محبت کیا خاک کرے گا۔ تو جب اُس نے شادی کرلی تو وینا نے رحم دلی کا چولا اتارا اور اصلی روپ میں سامنے آ گئی اور آصف کو نوٹس بھجوا دیا اور اس سے پہلے کے آصف کی شہرت مزید داغ دار ہوتی اُس نے بیس لاکھ ادا کر کے امان پالی۔

وسیم بمقابلہ، شاہ رُخ، امیتابھ

آج کل ایک نجی چینل سے وسیم اکرم کا کرکٹ بیسڈ کوئز شو جیتیں، وسیم اکرم سے، دکھایا جا رہا ہے میدان میں چوکے چھکے لگانے اور کامیابی کے جھنڈے گاڑنے والے کرکٹر کو اے سی اسٹوڈیوں میں ہاٹ سیٹ پر بیٹھے لف اینڈ سافٹ سوال پوچھتے ہوئے چہرے کے آثار چڑھاؤ کو کنٹرول کرتے دیکھ کر یقین نہیں آتا، کہ وسیم کے لیے یہ پہلا تجربہ ہے گو کہ آج کل شوبز اور کرکٹ ایک جیسا ہی نظر آتا ہے، لیکن کرکٹر بہر حال ایکٹرز نہیں ہوتے، اس لیے کیمرے کے سامنے جب وہ اپنے جوہر دکھاتے ہیں

تو ماننا پڑتا ہے جن لوگوں نے وسیم اکرم کا پروگرام دیکھا ہے۔ وہ داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا، کیونکہ "کون بنے گا کروڑ پتی" جیسے شو سے متاثر اس پروگرام کا کمپیئر کا مقابلہ بے حد تجربہ کار امیتابھ و شاہ رخ سے کیا جا رہا ہے اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وسیم ان کے مقابلے میں سوا سیر تو کیا تین پاؤ بھی نہیں ثابت ہو رہے پھر بھی اپنی فیلڈ سے باہر نکل کر بھی چوکے چھکے لگانے پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

واہ، واہ نہیں جا، جا

بولی ووڈ مووی "لاہور" کے میکر کو بڑا مان تھا کہ اُن کی فلم کو پاکستان میں خوب واہ واہ ملے گی! کرکٹ اور ہاکی جیسے پاپولر کھیلوں کی بجائے باکسنگ پر بننے والی اس فلم میں پاکستان اور بھارت کے درمیان دوستی اور محبت کی بات کی گئی ہے لیکن جہاں بھارت کی ہٹ دھرمی کو جائز اور پاکستان کی درست چیز کو بھی نیگیٹو دکھایا گیا ہے۔ نتیجتاً "لاہور" نامی یہ فلم دنیا کے کئی شہروں میں چلی اور اگر نہیں چلی تو لاہور میں، اگر بولی ووڈ والے میٹھی گولی میں کڑواہٹ ڈالنے سے باز آ جائیں تو پھر ہمارے پاس ان سے زیادہ چینی نہ سہی شہد تو ہے ہی۔

دن دُگنی رات چوگنی

بابرا شریف جب بھی نظر آتی ہے، کوئی نہ کوئی فلم ساز فلم بنانے کا ارادہ باندھ کر انہیں آفر دے دیتا ہے، بے شک بابرا فلمی کاروبار سے لاتعلق ہو گئی ہیں، مگر مہنگائی کا حال خوب جانتی ہیں، جبھی تو ہر ایسی آفر پر صاف انکار کی بجائے دس لاکھ کی شرط رکھ دیتی ہیں اور ایسے وقت میں جبکہ فلم بنانے والے کو چونی اٹھنی کا بھاؤ بھی پتا چل گیا ہو، کوئی بابرا جیسے پرانے سکے کے دس لاکھ کیوں کر دے پائے گا، پچھلے دنوں سجاد گل کے دل میں بھی پرانی محبت کا چراغ جل اٹھے چنانچہ سجاد گل نے اُن سنگدل دنوں کو یاد کرتے ہوئے وہ بابرا کو چھوٹی اسکرین (ٹی وی) پر لانے چاہتے تھے، مگر بابرا کا وہی اونچا بھاؤ دیکھ کر انہیں نیچا بیٹھنا پڑا بابرا ان دنوں اپنے گھر کی نئے سرے سے سجاوٹ کر رہی ہے جنہوں ان کا گھر دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ بابرا کے لیے آج بھی دس، بیس لاکھ کوئی معنی نہیں رکھتے اُن کے اخراجات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید قارون کا خزانہ مل گیا ہے جس کی وارث بابرا شریف ٹھہرائی گئی ہے۔

اسے کہتے ہیں مرا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا۔

دیر آید درست آید

لیلیٰ نے لالی وڈ میں بارہ، پندرہ سال ضرور گزار لیے ہیں اور اگر یہاں بارہ، پندرہ ہیروئنز ہوتیں تو لیلیٰ کا نمبر بھی یہی رہتا، کیونکہ اس کیوٹ اور جھگڑالو بے بی نے کبھی سیریس ہو کر کام نہیں کیا لیکن اب جب کہ راوی کا پانی سوکھنے کے قریب ہے تو لیلیٰ کی عقل "تر" ہوئی ہے سو آج کل وہ شہزاد رفیق کی شاگردہ بن گئی ہے اور اُن سے بہت کچھ سیکھنے کے لیے بے حد سنجیدہ بھی۔ لیلیٰ کا خیال ہے کہ وہ پروڈکشن کا کورس کرنے امریکہ چلی جائے مگر جب سے وہ شہزاد کے ساتھ کام کرنے لگی ہے اُس کا اندازہ ہوا کہ شہزاد کس قدر جینئس ہے اور گوروں سے کچھ سیکھنے سے پہلے اگر اپنے دیسی بابو سے کچھ سب پڑھ لیا جائے تو بہتر رہے گا۔

(لیلیٰ دیر سے ہی سہی مگر عقل داڑھ نکل ہی آئی تمہاری)

سوئٹ ممی سے مسز شفقت

میرا کی سوئٹ ممی واقعی سوئٹ ہیں، کیسے؟ آیئے بتاتے ہیں۔

اب تک ممی نے بس ایک، صرف ایک کام کیا ہے اور وہ ہے، میرا کی سرپرستی یا حفاظت، میرا نے جو کچھ کمایا جیسے کمایا، اگر ڈارلنگ ممی، اس کی حفاظت نہ کرتیں تو آج میرا کو یوں بیٹھے بٹھائے لاکھوں کی آمدنی نہ ہو رہی ہوتی، اسٹار ڈاٹر کو ممی نے اتنا چاہا کہ ان کی باقی بچے کمپلین کرنے لگے۔ لیکن میرا نے بھی صحیح معنوں میں بڑی بہن ہونے کا حق ادا کر دیا اور چھوٹی بہن اور بھائیوں کی شادی کروانے میں ممی کی مدد کی مالی و اخلاقی، یوں میرا اور ممی ساجھے داری میں آگے بڑھتی رہی مگر اب مسز شفقت یعنی ممی نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ میرا کی مدد کے بغیر کچھ کر دکھائے گی حال ہی میں ملک بھر کے بلدیاتی ادارے معطل کیے گے اور آنے والے تین ماہ میں نئے الیکشن کا اعلان، ممی نے ارادہ کیا ہے کہ اس بار قوم کے لیے کچھ کیا جائے چنانچہ اس بلدیاتی الیکشن میں حصہ لینے کے لیے فل فارم میں ہیں

بھی دعا کریں گے کہ سوئٹ مما اپنے ارادے میں کامیاب ہوں اور میرا کی طرح قوم کو کچھ کر دکھائیں

فرق تو صاف ظاہر ہے

ہمارے پڑوس میں یعنی بالی وڈ میں یہ بات عام سی ہے کہ باپ اور بیٹا ایک ہی ہیروئن سے اسکرین پر دل بہلائیں مثال کے طور پر دھرمندر اور ان کے بڑے سپوت سنی دیول نے ڈمپل کپاڈیا کے ساتھ ابز ہیرو کام کیا، ونود اور اُن کے بیٹے اکشے الگ الگ فلموں میں مادھوری کے ہیرو رہے مگر کیا اپنے ملک میں ایسا ہو سکتا ہے؟ نہیں کبھی نہیں! خاص طور سے غیرت مند دلبر منیر کا دل تو اس بات کو بالکل بھی گوارا نہیں کرتا، جبھی تو اُس نے نسیم خان کی "امانت" کا اتنا اچھا رول محض اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ اُسے پاپا بدر منیر کے ساتھ کام کرنے والی نازو کا ہیرو بنایا جا رہا تھا۔

اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ لالی وڈ اور بالی وڈ ایک بڑا فرق کیا ہے؟

☆......☆......☆

کس قیامت کے یہ نامے

مئی کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اس دُعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صحت و سلامتی کے ساتھ اپنی عافیت میں رکھے آمین آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں کراچی سے ہماری ایک پیاری سی مصنفہ **مبشرہ ناز** کا ملا ہے خط کے شروع کرنے سے پہلے مبشرہ نے جلی حروف "ناراضی نمبر" لکھا ہے آیئے دیکھتے ہیں اس ناراضی نمبر میں مبشرہ اپنی ناراضگی کا اظہار کس طرح کر رہی ہیں۔

آپی آپ سے تحریری طور رابطہ دو مہینے بعد کر رہی ہوں امید ہے آپ میری محبتوں کو قبول کرتے ہوئے شائع کریں گی۔ آپی میری آخری تحریر جنوری 2010 میں جبکہ پہلا خط 2009 میں شائع ہوا تھا اس کے بعد سے تا حال میرا کوئی خط شائع نہیں ہوا جس کی وجہ سے میں آپ سے بہت ناراض ہوں۔ آپی کبھی بہار نمبر و سالگرہ نمبر اور ناول نمبر پرچے میں خوبصورت اضافہ کرتے ہیں بالکل اسی طرح میرا یہ خط بھی آپ کے لیے ناراضی نمبر ہے"۔ ہے۔ اسے آپ شائع کر کے نہ صرف پرچے کی خوبصورتی میں اضافہ کریں گی بلکہ مابدولت کی خوشیوں کا ساماں بھی کیوں کہ جس طرح محبت اظہار مانگنے کا حق رکھتی ہے میرا خیال ہے ناراضی کا اظہار بھی اسی طرح ہماری زندگی کا اہم جزو ہے کیونکہ زندگی کا اصل حسن محبت و ناراضگی میں ہے۔

میری ناراضگی کی پہلی وجہ میری فرمائش مستنصر حسین تارڑ کے انٹرویو کی تھی جو میں نے خاص طور پر عبداللہ بھائی سے کی تھی (پلیز بھائی آپ شان اور ان جیسے لوگوں کے بجائے ڈیسنٹ لوگوں کا انٹرویو کیا کریں) دوسری ناراضگی فوزیہ غزل آپی سے ہے جنھوں نے اب تک میری کسی بھی کہانی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جبکہ میں اپنی تحریر کے لیے تبصرہ کا انتظار کر رہی ہوں (آپی سن رہی ہیں آپ) تیسری ناراضی آپ آپ سے ہے وجہ میرا وہ ناول جسے میں نے آپ کی فرمائش اور مشورے پر تحریر کیا تھا لیکن اس کا تا حال کوئی پتا نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے اس قسم کے ناول لکھنے میں، میں بالکل اناڑی ہوں لیکن میرا خیال ہے آپ کی محبتیں ہماری غلطیوں کو ڈھانپنے کے لیے کافی ہے۔

اب تبصرہ کروں گی اس ماہ کے شمارے پر اس بار بھی پوسٹ مین کے آٹھ تاریخ کو وارد ہونے پر اینجل تھینکس بولا (یہ تو آپ جانتی ہیں کہ پرچہ مجھے آٹھ تاریخ سے پہلے نہیں ملتا) مگر رسالہ کھولتے ہی غائب ہونے پر میرا تھینکس مجھے مسکرا کر دیکھتا رخصت ہو گیا۔ خیر جی، کوئی بات نہیں سب سے پہلے سندس جبین کا مکمل ناول اس کار جنوں میں پڑھا جو (باقی آئندہ) ہونے کے باوجود بہت بہترین لگا۔ آپی بہت سے لوگوں کو شاید خدا محبت کی مٹی سے تخلیق کرتا ہے اور یہی محبت ان کے تحریروں میں نظر آتی ہے۔ جیسے سندس کی تحریریں کیا خیال ہے؟ قرۃ العین رائے کا مکمل ناول "سب رشتے نہیں اپنے" بھی کافی اچھا تھا۔ ظاہری بات ہے جب ہم خدا کے احکامات اور اس کے نبی کی تعلیمات کو جھٹلانے کے ساتھ پس پشت ڈالیں گے تو ہمارا یہی انجام ہو گا۔ ناولٹ دونوں بہت اچھے تھے مگر ذاتی طور پر مجھے شازیہ رفیق کا "قصہ اک محبت کا" پسند آیا۔ افسانوں میں عالیہ حماد کا ہلکا پھلکا افسانہ اچھا لگا۔ یہ شاید نئی رائٹر ہیں باقی تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح بہترین تھے۔

آپی اب پرانے سلسلوں میں سے کسی ایک کو ختم کر کے کوئی نیا سلسلہ شروع کریں کیونکہ یکسانیت سے جلد ہی انسان اُکتا جاتا ہے۔ امید ہے آپ سٹاف کے اور قارئین کے مشورے سے نئے سلسلہ شروع کرنے پر غور کریں گی۔

اب اس یقین کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ محبتوں کے اس کارواں میں میرا ''ناراضگی نمبر'' ضرور سرفہرست ہوگا۔ آخر میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہوں گی میرا ایک ناول اور اور افسانہ مکمل حالت میں ہے اور آپ تک پہنچنے کے لیے بے تاب ہے۔ نہ پہنچنے کی وجہ میری ناراضگی ہے۔ کیا میں ایک ہی پارسل میں ناول اور افسانہ بھیج دوں۔ پلیز بتا ضرور دیجئے گا۔ اور میرے ناراضگی نمبر کو اسپیشلی جگہ ملنی چاہیے ورنہ آپ کے ساتھ اب پورے اسٹاف سے میری ناراضگی پکی ہے بالکل سچ مچ والی۔

(بھئی یہ تحریری ناراضگی ہے اور ...... سمجھا کریں ناراضگی کی بھی اقسام ہوتی ہیں۔)

مبشرہ ناز یقیناً اپنا خط دیکھ کر اس وقت آپ مسکرا رہی ہوں گی تمہارا ناراضگی نمبر اس گرم موسم میں ہمیں ٹھنڈی ہوا کا جھونکے کی مانند لگا آپ کے شکوے سر آنکھوں پر کیوں کہ کہتے ہیں شکوہ اپنوں سے ہوتا ہے اور حنا آپ سب کا اپنا ماہنامہ ہے اسے ہم آپ سب کی چاہتوں اور محبتوں سے ہی نکھارتے ہیں''۔

آپ کا خط شائع نہیں ہوا ہمیں ملتا ضرور شائع ہوتا ہے مستنصر حسین تارڑ کا انٹرویو انشاء اللہ بہت جلد شائع کریں گے فوزیہ غزل کو آپ ناراضگی کا پتا چل گیا دیکھئے گا اب وہ جلدی آپ کو منالیں گی۔ باقی مصنفات کو آپ کی پسندیدگی اس صفحات کے ذریعے پہنچادی ہے، آپ کا ناول کیوں شائع نہیں ہوا اس کا جواب آپ نے خود ہی دے دیا کے ایسی تحریریں لکھنے میں آپ اناڑی ہیں تو پھر ہم سے کیوں شکوہ، جو تحریریں آپ نے لکھ کر رکھی ہیں وہ فوراً بھجواؤ اور ایک پارسل میں دو، چار جتنی چاہیے تحریریں بھجواؤ، یقیناً اب ناراضگی ختم ہوگی تو پھر کاغذ قلم پکڑو اور ماہنامہ حنا کا نام ''محبت نمبر'' لکھواور ہاں مئی کے شمارے کی تحریروں کے متعلق اپنی رائے بھی لکھنا نہ بھولنا، شکریہ۔

یہ دوسرا خط **اُم مریم** کا ہے جو جڑانوالہ سے ملا ہے۔ ام مریم کسی تعارف کی محتاج نہیں کیونکہ آپ سب جانتے ہیں وہ ہماری سویٹ سی مصنفہ ہے۔ ام مریم لکھتی ہیں۔

اس ماہ کے شمارے میں فہرست پہ نگاہ دوڑائی تو مکمل ناول میں سندس جبیں کا نام نگاہ سے گزرا ذرا سا چونک گئی نام شناسا لگا مگر حوالہ ذہن سے محو ہوگیا اور پھر ذہن پر زور ڈالنے کے بعد اندازہ ہو پایا ارے یہ تو اپنی وہی سندس جی ہیں جن کے افسانے کی میں تعریف کر چکی تھی مبارک باد وصول کرو سندس ڈیئر اس کار جنوں کی پہلی قسط نے ہی مجھے تو جکڑ لیا انداز تحریر سے لے کر کہانی پہ گرفت تک یار تم تو بہت میچور ہو (تمہارا قلم) مجھے لگ رہا ہے تم بہت ذہین ہو بہت ہی قابل۔ اب سارا احمد کی طرف سے میں فوزیہ آپی سے اپیل کر رہی ہوں۔

پلیز آپی جی مجھے سندس جی کا نمبر دیں۔

شازیہ رفیق آپ بھی کبھار لکھ کر بھی میدان مارتی ہیں۔ سن لیں میں آپ کی صلاحیتوں کے معترف ہوں۔

گو کہ نازش امین غیر حاضر رہیں مگر ان کے حوالے سے موجود ہر خط کی تعریف نے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دی یہ ہوتا ہے قابلیت محنت لگن اور ذہانت کا انعام ہم آپ کی تعریف کر چکے ہیں پہلی تحریر سے ہی خوش رہیے لکھتی رہیے۔

قراۃ العین ڈیئر آپ کی تحریر ابھی پڑھی نہیں حالانکہ میں نے کوشش کی لیکن مصروفیت آخر میں اپنے لئے دو شعر اپنے اسی اعتراف جرم کے ساتھ جس قصے کو ختم کیا جا سکتا تھا کچھ لمحوں میں سوچ بچار ہی کر پاتے ہیں اس پہ کتنے سالوں سے اپنا آپ لٹا ڈالا ہے اس بے کاری خواہش میں میرا ذکر کتابوں میں ہو میرا ذکر رسالوں میں

ام مریم آپ مختصر تبصرے کے ساتھ آگی ارے ارے رکو، رکو مجھے پتا ہے اس وقت آپ بہت غصے میں ہوگی کہ میں نے آپ کے خط کا پہلا حصہ شائع کیوں نہیں کیا تو ڈیئر میں وہ حصہ قرۃ العین کو بھجوادیا ہے۔ معذرت خواں ہوں کہ اُس حصے کو شائع نہیں کر سکی۔ سندس سے رابطہ کے لیے تو سندس نے پڑھ لیا ہوگا آپ کیا کہہ رہی ہیں جی سندس آپ بتاؤ کیا کرنا ہے اس فرمائش کے متعلق، اور ہاں مریم پلیز اس محفل میں آتی رہا کرو، تمہارا آنا ہمیں ہی نہیں سب کو بہت پسند ہے۔ شکریہ

فائزہ ملک لاہور سے لکھتی ہیں۔

آٹھ تاریخ کو حنا جب ملا سے ٹائٹل دیکھا گرم موسم کے لحاظ سے اچھا لگا، اسلامیات میں ''حمد نعت'' اور پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھیں، علم میں کافی اضافہ ہوا، انشاء نامہ ہمیشہ کی طرح منفرد تھا ہمیشہ کی طرح پسند آیا ادا کار شان سے گفتگو اچھی رہی ،شان کا یہ انٹرویو عبداللہ بھائی نے بڑے مختلف انداز میں کیا۔ ''اُف یہ کیا؟ سحر سے کہو'' غائب کیوں، خیریت ہے مریم جی اس ماہ قسط کیوں نہیں لکھ کر بھجوائی آپ نے۔ پتا ہے کتنی بے چینی سے انتظار کرتے ہیں اللہ جانے اس ماہ آپ نے ماہ نور سے کیا کارنامہ انجام دلوانا تھا۔ پیاسا دست میں ہر کردار ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے کہیں بھی محبتوں کی تیز بارش دکھائی نہیں دے رہی مکمل ناول میں سندس جبیں کی تحریر پسند آئی اپنی ہلکی پھلکی خامیوں کے باوجود، قرۃ العین رائے کا ناول ''سب رشتے میں اپنے'' ایک اصلاحی تحریر تھی بے شک جب انسان اللہ کی بنائی حدود و پھلانگتا ہے تو خسارہ اُس کا مقدر بن جاتا ہے، نورین حنیف کافی عرصے بعد نظر آئیں مگر اس مرتبہ اُن کی تحریر میں وہ روانگی نظر نہیں آئی جو کہ اُن کی تحریر کا خاصہ ہے، تحریر میں بعض جگہ بلاوجہ مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جس نے مصنف کی تحریر کو متاثر کیا، ناولٹ میں شازیہ رفیق کا ''قصہ اک محبت کا'' شازیہ جی آپ کو آپ کی تحریر کو سلیوٹ تمام تر عزت، واحترام کے ساتھ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتی، پلیز آپ غائب نہ ہوا کریں اور پلیز سلسلے وار ناول لکھنے کا بھی ۔۔ جبیں قدسیہ ملک کا ناولٹ گا اب سالی بھی پسند آیا افسانوں میں حمیرا اور چندا اور متعاہل تاوش سرفہرست رہی باقی مصنفین نے بھی اچھا لکھا، مستقل سلسلے تو ہیں ہی اپنی مثال آپ کسی ایک کی تعریف کیا کریں۔

آپی آپ یہ بتائیں کہ یہ کنول ریاض، کنول نمین، تحسین اختر اور زرنین آرزو اور مدیحہ تبسم وغیرہ کدھر غائب ہیں پلیز پلیز ان کو پکڑ کر ان سے اچھی سی تحریریں لکھوائیں اور آخر میں ایک فرمائش آپ پلیز شہود علوی، سیتا مارشل، فیصل قریشی اور راحت فتح علیخاں سے ضرور ملوائیں میں پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں یہ یاد رکھیے گا اور مجھے جگہ ضرور دیجیے گا۔

فائزہ ملک خوش آمدید، سویٹ یہ دیکھو کتنی ڈھیر ساری جگہ آپ کے لئے، اپریل کے شمارے کے متعلق آپ نے اپنی رائے کا اظہار بے حد خوبصورت انداز میں کیا میں کے لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں، ام مریم کی تحریر اس ماہ شامل اشاعت ہے یقیناً آپ خوش ہوں گی اب (مریم دیکھ لوا پنے چاہنے والوں کو) بقیہ مصنفات کی طرف سے بھی شکریہ قبول کریں، مدیحہ تبسم بھی اس ماہ شامل اشاعت ہیں اور یقیناً تحسین اور باقی مصنفات نے

بھی آپ تک آواز سن لی ہو گی آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے جلد پوری کریں گے آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔۔۔ شکریہ۔

سارا احمد وٹ اڈو سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ نے اپریل کے شمارے میں مجھے جگہ دی آپ کی ان ہی محبتوں کی وجہ سے اس ماہ بھی کاغذ قلم سنبھال لیا۔

اپریل کے شمارے کا ٹائٹل پسند آیا، حسب عادت حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے فیضیاب ہونے کے بعد انشاء نامہ کی طرف بڑھے جہاں پر انشا جی اپنے مخصوص انداز میں مسکراہٹیں بکھیرتے نظر آئے جلد اشتہارات کو پھلانگتے ہوئے سیدھے وارناول "میرے ساحر سے پوچھو" کی تلاش میں صفحے پلٹے، ایک دو، تین تمام رسالہ چھان مارا مگر مریم جی غائب، یقیناً اس کی کوئی اہم اور بڑی وجہ ہو گی ورنہ ام مریم جیسی مصنفہ سے کسی قسم کی لاپروائی کی ہمیں امید نہیں، چلیں پھر فرحت شوکت کے ناول کو پڑھا، کچھ کہانی آگے بڑھی ہے دیکھتے آگے فرحت کیا دکھاتی ہیں، مکمل ناول میں قرۃ العین رائے کی تحریر بے حد پسند آئی اس میں سبق تھا۔ ناعاقبت اندیش لڑکیوں کے لیے جو انڈین چینل دیکھ دیکھ کر خود کو بھی اسی رنگ میں رنگ لیتی ہیں اور پھر انجام وہی جو کہ اس تحریر میں ہوا، قرۃ العین میری طرف سے اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مبارک باد قبول کیجئے۔ نورین حنیف شاید نئی مصنفہ ہیں طویل تحریر لکھنے کی اچھی کوشش تھی اگرچہ کہیں کہیں کہانی ان کی گرفت سے نکلتی نظر آئی مگر بہر حال پسند آئی۔ سندس جبیں کی تحریر "اس کار جنوں میں" کچھ کچھ رنگ ماہا ملک کا نظر آیا سندس آپ یونہی لکھتے رہنا اللہ تعالیٰ آپ کو مزید بہتر لکھنے کی صلاحیت عطا کرے "حنا" کے ہم یونہی تو مداح نہیں اس نے بے شمار اچھے اور پیاری پیاری مصنفات کو منظر عام پر لایا، ناولٹ میں شازیہ رفیق کی تحریر بہترین تھی ایسی تحریر کنول ریاض کی ہوتی تھیں (ویسے آپی یہ کنول کی کوئی ناراضگی ہے حنا سے) افسانے بھی دوستوں کی محبت کا منہ بولتا ثبوت تھے خصوصاً حمیرا ارباب کی تحریر تو بے حد پسند آئی حمیرا پلیز جلدی سے طویل تحریر لکھو، مستقل سلسلوں میں رنگ حنا، سب سے بہترین سلسلہ ہے۔ بیاض اور میری ڈائری پڑھنے والوں کے اعلیٰ ذوق کی نمائندگی کرتی ہے۔ حنا کی محفل کے ذریعے عین غین پھلجھڑیاں چھوڑتے ہیں اور حنا کے دستر خوان کے ذریعے ہم اپنے گھر والوں میں اپنی سگھڑاپے کی دھاک بٹھاتے ہیں۔

سارا احمد، خوش رہو اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، نورین حنیف نئی نہیں کافی پرانی مصنفہ ہیں حنا کی اور بہت اچھے لکھنے والی بھی ہیں ان کی تحریر "تمہارے نام" میں نے تین دن کے نوٹس پر لکھوائی تھی وہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے جا رہی تھی مگر ہماری فرمائش بھی جاتے جاتے پوری کی۔ اس کے لیے ہم ان کے دل سے شکر گزار ہیں۔ کنول ریاض آج کل اپنی بیٹی کی نشوونما میں مصروف ہیں جو کہ ابھی چار ماہ کی ہے اگرچہ بیٹی تو مما کو روزانہ دو چار کہانیاں سناتی ہے مگر مما کنول ابھی لکھنے کے موڈ میں نظر نہیں آتی۔ یقیناً اب جلد ہی لکھیں گی۔ اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ۔

بھی آپ تک آواز سن لی ہو گی آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے جلد پوری کریں گے آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔۔۔ شکریہ۔

سارا احمد وٹ اڈو سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ نے اپریل کے شمارے میں مجھے جگہ دی آپ کی ان ہی محبتوں کی وجہ سے اس ماہ بھی کاغذ قلم سنبھال لیا۔

اپریل کے شمارے کا ٹائٹل پسند آیا، حسب عادت حمد و نعت اور پیارے کی پیاری باتوں سے فیضیاب ہونے کے بعد انشاء نامہ کی طرف بڑھے جہاں پر انشا جی اپنے مخصوص انداز میں مسکراہٹیں بکھیرتے نظر آئے جلدی اشتہارات کو پھلانگتے ہوئے سیدھے وار ناول "میرے ساحر سے پوچھو" کی تلاش میں صفحے پلٹے، ایک دو، تین تمام رسالہ چھان مارا مگر مریم جی غائب، یقیناً اس کی کوئی اہم اور بڑی وجہ ہو گی ورنہ ام مریم جیسی مصنفہ سے کسی قسم کی لاپرواہی کی ہمیں امید نہیں، چلیں پھر فرحت شوکت کے ناول کو پڑھا، کچھ کہانی آگے بڑھی ہے دیکھتے آگے فرحت کیا دکھاتی ہیں، مکمل ناول میں قرۃ العین رائے کی تحریر بے حد پسند آئی اس میں سبق تھا۔ ناعاقبت اندیش لڑکیوں کے لیے جو انڈین چینل دیکھ دیکھ کر خود کو بھی اسی رنگ میں رنگ لیتی ہیں اور پھر انجام وہی جو کہ اس تحریر میں ہوا، قرۃ العین میری طرف سے اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مبارک باد قبول کیجیے۔ نورین حنیف شاید نئی مصنفہ ہیں طویل تحریر لکھنے کی اچھی کوشش تھی اگرچہ کہیں کہیں کہانی ان کی گرفت سے نکلتی نظر آئی مگر بہر حال پسند آئی۔ سندس جبیں کی تحریر "اس کارجنوں میں" کچھ کچھ رنگ ماہا ملک کا نظر آیا سندس آپ یونہی لکھتے رہنا اللہ تعالیٰ آپ کو مزید بہتر لکھنے کی صلاحیت عطا کرے "حنا" کے ہم یونہی تو مداح نہیں اس نے بے شمار اچھے اور پیاری پیاری مصنفات کو منظر عام پر لایا، ناولٹ میں شازیہ رفیق کی تحریر بہترین تھی ایسی تحریر کنول ریاض کی ہوتی تھیں (ویسے آپی یہ کنول کی کوئی ناراضگی ہے حنا سے) افسانے بھی دوستوں کی محبت کا منہ بولتا ثبوت تھے خصوصاً حمیرا ارباب کی تحریر تو بے حد پسند آئی حمیرا پلیز جلدی سے طویل تحریر لکھو، مستقل سلسلوں میں رنگ حنا، سب سے بہترین سلسلہ ہے۔ بیاض اور میری ڈائری پڑھنے والوں کے اعلیٰ ذوق کی نمائندگی کرتی ہے۔ حنا کی محفل کے ذریعے عین غین پھلجھڑیاں چھوڑتے ہیں اور حنا کے دستر خوان کے ذریعے ہم اپنے گھر والوں ملنے والوں میں اپنی سگھڑاپے کی دھاک بٹھاتے ہیں۔

سارا احمد، خوش رہو اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، نورین حنیف نئی مصنفہ نہیں پرانی مصنفہ ہیں حنا کی اور بہت اچھے لکھنے والی بھی ہیں ان کی تحریر "تمہارے نام" میں نے تین دن کے نوٹس پر لکھوائی تھی وہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے جا رہی تھی مگر ہماری فرمائش بھی جاتے جاتے پوری کی۔ اس کے لیے ہم ان کے دل سے شکر گزار ہیں۔ کنول ریاض آج کل اپنی بیٹی کی نشوونما میں مصروف ہیں جو کہ ابھی چار ماہ کی ہے اگرچہ بیٹی تو مما کو روزانہ دو چار کہانیاں سناتی ہے مگر مما کنول ابھی لکھنے کے موڈ میں نظر نہیں آتی۔ یقیناً اب جلد ہی لکھیں گی۔ اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ۔